صحابہ کرام ﷡ کے مابین ہونے والے اختلافات کی نوعیت اور
اُمتِ مسلمہ کے کتاب وسنت پر مشتمل نظریئے کی توضیح

مُشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

اور

راہِ اعتدال

جلد دوم

از قلم
قائد اہلسنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

ادارہ مظہر التحقیق لاہور
0321-4145543
0322-8464167

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین ہونے والے اختلافات کی نوعیت اور
اُمتِ مسلمہ کے کتاب وسنت پر مشتمل نظریئے کی توضیح

مُشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

اور

راہِ اعتدال

جلد دوم

از قلم
قائد اہلسنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

ادارہ مظہر التحقیق لاہور
0321-4145543
0322-8464167

خوبصورت، تحقیقی اور معیاری مطبوعات کے ذریعے
علم کی خدمت میں مصروف

ادارہ مظہر التحقیق لاہور

نام کتاب..........مشاجرات صحابہؓ اور راہ اعتدال (جلد دوم)
ازقلم..........مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ
ناشر..........ادارہ مظہر التحقیق، لاہور 0321-4145543
سنِ اشاعت......نومبر ۲۰۱۳ء

ملنے کے پتے

قاری عبدالرؤف نعمانی، خطیب جامع مسجد میاں برکت علی مدینہ بازار اچھرہ لاہور 0300-4273864

مولانا عبدالجبار سلفی، جامعہ مسجد ختم نبوت ملتان روڈ کھاڑک، لاہور 0322-8464167

مکتبہ سید احمد شہید اُردو بازار لاہور، 0423-7228272

مکتبہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، 5 غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور 0315-7833863

مکتبہ اہلسنت، رسول پلازہ امین پور بازار فیصل آباد، 0321-7837313

دفتر تحریک خدام اہل سنت مدنی مسجد چکوال 0313-5128490

دفتر ماہنامہ حق چار یار، اچھرہ لاہور 042-37593080

مکتبہ عشرہ مبشرہ اُردو بازار لاہور 0300-6175026

مکتبہ حنیفہ نزد جامع مسجد گنبد والی جہلم شہر، 0300-8302928

فہرست مضامین

کتاب ''سبائی فتنہ پر ایک اجمالی نظر''

مضامین	صفحہ

بسمہٖ تعالیٰ

عرضِ ناشر

ادارہ مظہر التحقیق کی نئی کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ (خلیفۂ مجاز مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) کے تقریباً تیس قسطوں پر مشتمل مضامین کا مجموعہ ہے۔ جن میں سے بارہ اقساط مولانا قاضی شمس الدین درویش اور اٹھارہ قسطیں ابوریحان مولانا عبدالغفور سیالکوٹی کی غلط فہمیوں کے ازالہ میں ہیں۔ اس سے قبل حضرت رحمہ اللہ کی نادر اور بڑی کتب ہمارے ادارہ سے طبع ہو کر آپ تک پہنچ گئی ہیں۔ حضرت کے مضامین و مقالات اور خطبات پر کام زور و شور سے جاری ہے۔ علاوہ ازیں مولانا عبدالجبار سلفی صاحب سوانح حیات پر بھی کام کر رہے ہیں...... بتوفیق ایزدی یہ سارے امور ہم نے نمٹانے ہیں۔ ابھی دو ماہ قبل ان مضامین کو ''مشاجرات صحابہؓ اور راہِ اعتدال'' کے نام سے مجموعہ شائع کرنے کا مشورہ ہوا تو ساتھ ہی مقالات کے ترتیب اور کمپوزنگ پر کام بھی شروع کروا دیا گیا۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر ہے۔ مولانا سلفی صاحب کا مقدمہ اس موضوع کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ممد و مفید ثابت ہوگا، اس لئے بغور اس کا مطالعہ کر لیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے ساتھ ہم دھیرے دھیرے حضرت رحمہ اللہ کی دیگر علمی خدمات بھی آپ کے حضور پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

خاک پائے خدام

قاری عبدالرؤف نعمانی

خطیب جامع مسجد میاں برکت علی، اچھرہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا قاضی مظہر حسینؒ

سُنی شعور کو توانائی دینے والی من موہنی شخصیت

جہاں زندگی ہوگی وہاں جھگڑے اور اختلاف بھی ہوں گے۔ سارے جھمیلے زندگی کے ساتھ ہیں، زندگی ختم ہوتے ہی قصے تمام ہو جاتے ہیں۔ بقول غالب

؎ نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ میں ہوتا تو کیا ہوتا

صرف دو جماعتیں ایسی ہیں جن میں باہم جھگڑے نہیں ہوتے۔

(۱) ملائکہ (۲) انبیاء علیہم السلام

ایک زمانہ اور ایک ہی جگہ پر درجنوں انبیاء علیہم السلام بھی جمع ہو جائیں تو اُن میں معاصرت و منافرت تو درکنار اختلاف رائے کی بنیاد پر بھی کھینچا تانی نہیں ہوتی۔ دو افراد یا دو طبقات کے باہمی ٹکراؤ سے جھگڑا ہوتا ہے۔ بڑے کا چھوٹے کا وقتی طور پر ڈانٹ دینا جبکہ وہ ڈانٹ بھی دینِ الٰہی کی بلادستی کے لئے ہو تو اسے جھگڑا یا لڑائی نہیں کہتے۔ اس لئے ہمارے اس دعوے کی بنیاد پر کوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی مثال پیش نہ کر دے کہ یہ دو نبی کیوں لڑ پڑے تھے؟ ایک نبی سراپائے جلال ہو اور دوسرا آگے سے سراپائے جمال بن کر۔

"یا بْنَ اُمَّ لَا تَاخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا برأسي" کہہ دے تو یہ لڑائی نہیں یہ تو عجز و نیاز کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بڑا مقدس طبقہ حضرات صحابہ کرامؓ کا ہے۔ صحابہ کرام کی محبت و عقیدت میں اس امت کے اہلِ علم کے سر ہمیشہ سے جھکے نظر آتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے جب پوچھا گیا کہ "کمینہ" آدمی کون ہوتا ہے۔ تو انہوں نے ارشاد فرمایا "کمینہ وہ شخص ہے جو صحابہ کرامؓ کو بُرا کہے۔ کیونکر وہ پوری امت کے سب سے بڑے محسن ہیں جن کے ذریعہ دولتِ ایمان و شریعت اِن کو پہنچی ہے۔" (تفسیر معارف القرآن جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۶۱۵)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت الشیخ مجدد الف ثانیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"الصحابة کلهم کانوا فی کمالات النبوة کان کل من رای النبی ﷺ نظرة مع الایمان یستغرق فی کمالات النبوة. (تفسیر مظہری، جلد نمبر۲ صفحہ ۳۶)

(ترجمہ) جملہ اصحاب رسول کمالات نبوت میں مستغرق تھے، جس کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ بنظرِ ایمان دیکھا، وہ کمالاتِ نبوت میں ڈوب گیا۔

سبحان اللہ! کیسی رس بھری عبارت ہے، جس کے ایک ایک لفظ سے ایمانی خوشبوئیں مہک رہی ہیں۔ قرآن مجید کی آیت یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ المومنین" کی تفسیر میں بھی علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے "مؤمنین" سے مراد صحابہ کرامؓ لیئے ہیں۔ بہر کیف عظمتِ صحابہ اور فضائل صحابہؓ پر بلا مبالغ لاکھوں صفحات کا ریکارڈ موجود ہے اور سب سے بڑھ کر تو کلامِ الٰہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس مقدس جماعت کے مومن کامل ہونے کی جگہ جگہ گواہی دی ہے۔ یہاں فضائل صحابہ پر آیاتِ قرآنی احادیث نبوی، یا اقوالِ سلف کا ذخیرہ مقصود نہیں ہے۔ بلکہ یہ بتانا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد امت کی افضل ترین جماعت یہی ہے مگر عصمت صرف خاصہ انبیاء ہے۔ صحابہ کرامؓ مومنین کاملین اور "افضل امت بعد الانبیاء" ہونے کے باوصف معصوم نہیں ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "خاتم الانبیاء" ہیں، یہ فتنہ مرزائیت پر ضرب کاری ہے اور حضور علیہ السلام "خاتم المعصومین" بھی ہیں، یہ جملہ فتنہ رفض پر بہت بھاری ہے۔ اکیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجراءِ عصمت کا اقرار بھی ایک گونہ انکار ختم نبوت ہے، اہل تشیع اجراءِ عصمت کے قائل ہیں۔ مگر اہل السنت والجماعت باوجودیکہ صحابہ کرامؓ واہل بیت عظامؓ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں، انہیں معصوم نہیں سمجھتے۔ جب صحابہ کرام معصوم نہیں تو لامحالہ بشری کمزوریوں اور شخصی عیوب سے وہ پاک نہیں تھے، مگر انابت الی اللہ اور خشیتِ الٰہی کے اُس مقام پر تھے کہ اُن کے جیتے جی قرآن مجید میں ان کے جنتی ہونے کا من جانب اللہ پروانہ جاری کر دیا گیا۔ صحابہ کرامؓ مدرسہ اسلام میں تربیت پانے والی سب سے پہلی جماعت تھی۔ تکوینی طور پر اُن سے لغزشیں کروا کر اصلاحِ احوال کی سبیل لگائی گئی۔ اُن کے ظاہر وباطن کو صحبتِ رسولؐ نے اتنا اُجلا اور روشن کر دیا تھا کہ سورج، چاند، ستارے بھی صحابہؓ کے قدموں کے دُھول سے کرنیں پانے لگے۔ صحابہ کرامؓ میں باہمی اختلافات ہوئے، مگر وہ انتظامی اختلافات تھے۔ دینی ومذہبی نہیں۔ فروعات میں علمی آراء کے ٹکراؤ سے تو فہم وبصیرت کو مزید وسعت ملتی ہے اس لئے اُن میں صواب وخطاء کی حد تک اختلافات تھے، اور اگر انتظامی اختلافات بعض مواقع پر

شدت اختیار کر گئے تو اس میں اہل السنّت والجماعت کا نظریہ یہ ہے کہ بیانِ واقعہ کی حد تک اُن پر بحث کی گنجائش ہے، بایں صورت کہ کسی صحابی کی تنقیص لازم نہ آئے۔ مشاجراتِ صحابہ، یعنی صحابہ کرام کے باہمی جھگڑوں میں کسی ایک جماعت کی حمایت کر کے بقیہ اصحاب کی بدگوئی کرنا شیعیت، خارجیت اور ناصبیت ہے۔ اور امر واقعہ کے طور پر محض تاریخی واقعات کو بیان کر کے تمام اصحاب رسول کو جزو ایمان جاننا "سُنّیت" ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ قول ہر مسلمان کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

"تلک دماء طهر الله ایدینا فلا نلوث السنتنا بها"

اللہ تعالیٰ نے جب ہمارے ہاتھوں کو ان کے مطہر خون سے محفوظ رکھا تو اب ہم اُن کی بدگوئی کر کے اپنی زبانیں کیوں ملوث کر دیں؟

حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ (۲۰۰۴ء......۱۹۱۴ء) نے اپنے والد گرامی ابو الفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ سے ابتدائی علوم حاصل کیئے، پھر مختلف جگہوں پر تعلیمی مراحل طے کرنے کے بعد دارالعلوم دیو بند تشریف لے گئے اور اعلیٰ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین مدنیؒ سے دورۂ حدیث شریف مکمل کیا۔ بعد ازاں خلعتِ خلافت سے نوازے گئے اور تعلیم سے فراغت کے بعد پوری زندگی یکسوئی اور مستقل مزاجی کے ساتھ خدمتِ دین میں مصروف ہو گئے۔ حضرت اقدسؒ کا بنیادی موضوع تحفظِ اہل السنّت والجماعت تھا۔ آپ کی رگ رگ میں صحابہ کرامؓ کی محبت رچ بس گئی تھی اور صحابہ کرامؓ کی شرعی عظمتوں کا دفاع کرنے میں آپؒ کے قلم نے اپنوں بیگانوں کا قطعاً لحاظ نہ کیا۔ فکر اسلاف کی آبیاری ساری زندگی آپ کا مشن رہا اور آپ نے اپنے کاز کو معتدل و متوازن دھارے میں ملتِ اسلامیہ کے سپرد کیا۔

حضرت اقدسؒ باطل فتنوں کا تعاقب اور احقاقِ حق کا کام عبادت سمجھ کر کرتے تھے جس طرح آپؒ نے دشمنانِ صحابہؓ کو چت گرایا اور قریہ قریہ بستی بستی گھوم کر سُنّی مذہب کی اشاعت کی ایسے ہی "مشاجرات صحابہؓ" کی بحثوں میں الجھ کر خارجی و ناصبی جراثیموں کا شکار ہونیوالے بھی آپ سے بچ نہ سکے۔ چنانچہ مولانا شمس الدین درویش (ہری پور، ہزارہ) اور ابو ریحان مولانا عبدالغفور سیالکوٹی نے حمایت یزید اور مشاجرات کے موضوع پر ٹھوکریں کھائیں۔ حضرت اقدس نے جب علمی و تحقیقی بنیادوں پر دو ضخیم جلدیں "خارجی فتنہ" تصنیف کر کے شائع کیں تو بعض حضرات بلا سوچے سمجھے چیں بجبیں ہو گئے۔ مولانا قاضی شمس الدین صاحب "نقیب ختم

نبوت ملتان میں قلمی جولانیاں دکھاتے گئے اور حضرت اقدسؒ سے نقد و نقد ماہ نامہ ''حق چار یار'' لاہور میں جواب وصول کرتے گئے۔ حضرت اقدسؒ نے مولانا شمس الدین درویش کے جواب میں تقریباً بارہ قسطوں میں مشتمل مضمون سپردِ قلم کیا، جو درویش صاحب کی وفات کی وجہ سے آگے نہ چل سکا، ماہ نامہ، نقیب ختم نبوت ملتان ہی کے کارپردازان نے جب حضرت اقدسؒ کی کتاب ''خارجی فتنہ'' کی تردید میں ''سبائی فتنہ'' لکھوا کر شائع کی تو ماہ نامہ حق چار یارؓ میں تقریباً ۱۸ اقساط پر مشتمل حضرت اقدسؒ کے مقالات بطور جواب شائع ہوئے۔ مذہب اہلِ السنّت والجماعت پر ان حضرات نے جو اپنی لاعلمی اور بعض نے ضد بازی کی بناء پر جرح کی تھی اور مشاجراتِ صحابہؓ و اجتہادی اختلافات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے جہاں جہاں ٹھوکر کھائی تھی یا ان کی تحریروں سے قارئین کی گمراہی کا خدشہ ہو سکتا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدسؒ کو بروقت خبردار کر کے قلع قمع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

ادارہ مظہر التحقیق لاہور نے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں اپنا سفر شروع کیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایات پر قربان جاؤں کہ بہت کم عرصے میں حضرت اقدسؒ کی بڑی بڑی تصنیفات دوبارہ شائع ہو کر عوام کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں۔ بلکہ حضرت اقدسؒ کے والد گرامی ابو الفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ کی نایاب کتب کی اشاعت بھی اسی سلسلے کا حصہ ہے۔ کافی عرصہ سے تمنا تھی کہ یہ نایاب مضامین یکجا ہو کر کتابی صورت میں شائع ہو جائیں تو اہلِ علم بھرپور مستفید ہو سکیں گے۔ اب یہ مجموعہ دو جلدوں میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ حضرت اقدسؒ کی درجنوں کتب بفضلہٖ تعالیٰ منصۂ شہود پر آ چکی ہیں اور بقیہ پر کام جاری ہے۔ مضامین و مقالات کے ساتھ ساتھ خطبات پر بھی کام جاری ہے۔ یہ بہت بڑا کام ہے جس کے لیے صحت، وقت، جذبہ اور مالی وسائل درکار ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان جاں گسل مراحل میں سرخرو فرمائے۔ اور مذہب حقہ اہل السنّت و الجماعت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

عبد الجبار سلفی

ادارہ مظہر التحقیق

۳ ستمبر ۲۰۱۳ء متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑک ملتان روڈ لاہور

ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان میں ایک کتاب ''سبائی فتنہ'' کے متعلق ایک اشتہار آ رہا تھا جو اب جنوری ۱۹۹۲ء میں چھپ چکی ہے۔ کتاب پر مؤلف کا نام مولانا ابو ریحان سیالکوٹی لکھا ہے۔ اس کتاب کے ناشر ماہنامہ نقیب کے سید محمد کفیل بخاری ہیں۔ کتاب میں مجھے مؤلف صاحب کا نام نہیں مل سکا لیکن خود مؤلف موصوف نے مجھے یہ کتاب بھیجی ہے جو مجھے ۸؍ رجب ۱۴۱۲ھ موافق ۱۴؍ جنوری ۱۹۹۲ء کو بذریعہ ڈاک موصول ہوئی ہے۔ ابو ریحان مؤلف موصوف کی کنیت ہے اور ان کا نام عبدالغفور ہے لیکن تعجب ہے کہ انہوں نے کتاب پر اپنا نام نہیں لکھا۔ کہیں سبائیت کی تردید کرتے کرتے ان پر کوئی اثر تو نہیں ہو گیا کہ کتاب پر اپنا نام نہ ظاہر کر کے انہوں نے یہاں شیعوں کے کتمان اور تقیہ پر عمل کیا ہے، واللہ اعلم۔ یہ کتاب بڑی تقطیع پر ۵۶۸ صفحات کی ہے۔ کتاب کے ساتھ مولنا ابو ریحان موصوف نے جو مجھے خط بھیجا ہے حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — از اسلام آباد ۶؍ رجب ۱۴۱۲ھ

گرامی قدر حضرت قاضی صاحب مدظلہ — السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

اللہ کرے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں۔ آپ کی کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل پر میں نے تبصرہ کیا ہے۔ اس کی جلد اوّل ارسالِ خدمت ہے۔ وصولی کی رسید اگر بھجوادیں تو عنایت ہوگی۔ قرآن وحدیث، اجماع وقیاس اور عبارتِ اکابر سے جو دلائل آپ نے حضرت معاویہؓ کی خطائے اجتہادی پر دیے ہیں ان کا جواب دوسرے حصے میں انشاء اللہ آ رہا ہے۔ اس میں اصول اہلِ سنت کے خلاف جس بات کی بھی آپ نشان دہی فرمائیں گے۔ اس کو قبول کرنے اپنی غلطی ماننے اور علی الاعلان اس سے رجوع کرنے میں آپ مجھے ان شاء اللہ بخیل نہ پائیں گے۔ خلافت کے مسئلہ پر مختصر تبصرہ دوسرے ہی حصے میں آئے گا ان شاء اللہ۔ آپ

ناراض نہ ہوں۔ مجھے آپ سے حضرت معاویہؓ کی حد تک دلائل سے اختلاف ہے۔ مخالفت نہیں ہے۔ میں نے حتیٰ الامکان آپ کی جناب میں گستاخی اور آپ کی کسر شان سے اپنے آپ کو بچانے کی ہی کوشش کی ہے لیکن پھر بھی اگر کوئی جملہ شان کے خلاف زیرِ قلم آ گیا ہو تو میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ آنجناب کا ادب و احترام پوری طرح میرے دل میں ہے لیکن حضرت معاویہؓ سے متعلق آپ کی متجاوز عن الحد عبارات سے اتفاق میرے لیے ممکن نہیں۔ آپ اس کو اختلاف ہی سمجھیں، مخالفت نہ سمجھیں۔ میں اصول اہل السنّت سے ایک رائی کے دانے کے برابر بھی باہر نہیں جانا چاہتا اس لئے جو بات اصولِ اہل سنّت کے خلاف ''سبائی فتنہ'' میں آ گئی ہو ضرور نشان دہی فرما دیں۔ ان شاء اللہ علی الاعلان اس سے رجوع کروں گا۔ والسلام۔ اگر طبیعت اجازت دے تو دُعا فرما دیجیے۔ ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی۔

C۸۔۷۔D۶/۱ نیول کالونی اسلام آباد ۶ ر رجب ۱۴۱۲ھ۔ (کتاب میں کتابت کی غلطیاں ہیں جو سرسری نظر آئیں میں نے صحیح کر دیں۔ وہ کتابت کی ہی غلطیاں ہیں)

ابو ریحان مولانا عبدالغفور صاحب موصوف فی الحال جناب مولانا محمد عبداللہ صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے مدرسہ جامعہ فریدیہ میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان سے پہلے سے کچھ واقفیت ہے۔ یہ جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے سند یافتہ ہیں۔ ان کا ایک خط محررہ ۹ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ میرے پاس محفوظ ہے جو انہوں نے اپنے دور کی تخصص کے دوران لکھا تھا۔ اس کے بعد حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مہتمم جامعہ حنیفہ تعلیم الاسلام جہلم کے سالانہ جلسہ پر ان سے مختصر ملاقات ہوئی تھی۔ بعد ازاں

انہوں نے اسلام آباد سے ۱۲؍شعبان ۱۴۰۶ھ (۲۲ اپریل ۸۶ھ) کو ایک مفصل خط لکھا تھا جس میں انہوں نے احکام القرآن سے امام ابو بکر جصاص کی چند عبارات لکھی تھیں جو محل اشکال تھیں اس کے جواب میں ۲۰ شعبان ۱۴۰۶ھ کو میں نے ان کو لکھا تھا کہ: عنایت نامہ محررہ ۱۲؍شعبان موصول ہوا۔ طالب خیر بخیر ہے۔ بندہ اس کے بعد چار روزہ تبلیغی پروگرام پر لاہور چلا گیا تھا۔ بعدازاں بھی جماعتی پروگرام ہوتے رہے۔ آپ کی منقولہ عبارات پر غور نہ کر سکا۔ رمضان المبارک میں خارجی فتنہ حصہ دوم کی تکمیل کرنی ہے۔ واللہ الموفق۔ کوشش کروں گا کہ ان ایام میں امام جصاص کی عبارات بھی حل کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو سلف صالحین کی اتباع نصیب فرمائیں اور اہل السنّت و الجماعت کو ہر محاذ پر کامیابی نصیب و آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) مولانا ابو ریحان موصوف نے اپنی کتاب ''سبائی فتنہ'' حصہ اوّل کے ساتھ مندرجہ جو خط مجھے لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مجھ پر سبائیت کا فتویٰ نہیں لگاتے ورنہ اس خادم اہل السنّت کو مدظلہ کیوں لکھتے اور وہ یہ کیوں لکھتے کہ: ''میں نے حتی الامکان آپ کی جناب میں گستاخی اور آپ کی کسر شان سے اپنے آپ کو بچانے کی ہی کوشش کی ہے'' الخ اور حامیانِ یزید تو موصوف کی اس تحریر سے خوش نہیں ہوں گے کیوں کہ وہ عموماً مجھ کو سبائیت سے مہتم کرتے ہیں لیکن مولانا ابو ریحان سے یہاں میرا یہ سوال ہے کہ آپ کو اگر مجھ سے صرف علمی طور پر اختلاف ہے نہ کہ مخالفت، تو آپ نے میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل کے جواب میں اپنی کتاب کا نام ''سبائی فتنہ'' کس بنا پر رکھا ہے؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تو میں نے خطائے اجتہادی سے زائد کوئی بات نہیں لکھی ہے پھر جواب میں اتنی ضخیم کتاب لکھنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟

(۲) میں ابھی تک پوری کتاب نہیں پڑھ سکا۔ بعض دوسری مصروفیات بھی ہیں اور کمزوری صحت کی وجہ سے بھی زیادہ کام نہیں کر سکتا۔ جستہ جستہ فہرست، کتاب اور بعض صفحات پر نظر ڈالی ہے۔ اس لیے فی الحال اجمالی تبصرہ شائع کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین کرام اس کتاب کی حیثیت سے کچھ نہ کچھ واقف ہو جائیں۔

کتاب کے ص ۱۱ پر مولانا ابو ریحان نے ''افتتاحیہ'' کے تحت لکھا ہے کہ: یہ چند طالب علمانہ گزارشات ہیں جو قاضی مظہر حسین چکوالی صاحب کی تالیف ''خارجی فتنہ'' کے مطالعہ میں اُمید ہے کہ مفید ہوں گی۔ پس منظر اس جسارت کا یہ ہے کہ ایک سفر میں قاضی صاحب کی مذکورہ کتاب پر سرسری نظر ڈالنے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ موقع چل چلاؤ کا تھا اس لیے اوراق کے اُلٹ پلٹ سے اس وقت تو اس سے زیادہ اور کچھ پلے نہ پڑا کہ حضرت مولانا اسحٰق صاحب کی ''اظہار حقیقت'' اور ان کے نظریات کا ردبس اس کتاب کا موضوع ہے۔ کل تک جس سندیلوی کو آسمان تک چڑھایا جا رہا تھا۔ آج اسی سندیلوی کو وہاں سے اُتار کر پٹخیاں دی جا رہی ہیں۔ ایسی باتیں چونکہ کبھی بزرگوں کی آپس کی بزرگانہ نوک جھونک کے طور پر بھی ہوا کرتی ہیں۔ اس لیے میں نے یہی سمجھ کر ان باتوں میں پڑنا اور اطمینان کے ساتھ بالاستیعاب قاضی صاحب کی کتاب کو پڑھنا مناسب اور ضروری خیال نہ کیا لیکن بعد میں جب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کے ماہنامہ ''بینات'' میں اس پر طویل تبصرہ پڑھا جس میں انہوں نے اپنے پیر بھائی ہونے کے باوجود سندیلوی صاحب کے نظریات سے بلا رو رعایت کلی اختلاف اور قاضی صاحب سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے قاضی صاحب کی کتاب کو مسلک اہل سنت کی بالکل صحیح اور مکمل ترجمانی نیز اس کو اپنا دین و ایمان اور عقیدہ بتلایا۔ تو اس وقت محسوس ہوا کہ یہ صرف بزرگوں کی آپس کی بزرگانہ نوک جھونک کا مسئلہ

نہیں بلکہ حق و باطل اور سنّیت و خارجیت کا معرکہ ہے۔ کتاب ''خارجی فتنہ'' یوں نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں بلکہ مسلک اہلِ سنت کو سمجھنے، اس مسلکِ حق سے اپنے آپ کو وابستہ رکھنے اور خارجیت اور ناصبیت کے جراثیم سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے اس کتاب کا بالاستیعاب اور بنظر غائر مطالعہ بہت ضروری ہے اور بے حد مفید بھی۔ لہٰذا نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے کتاب ''خارجی فتنہ'' کی جلد اوّل خریدی اور اس کا بالتفصیل طرف عقیدت کی نگاہ سے ہی نہیں بلکہ تنقیدی نگاہ سے بھی اور صرف ایک بار نہیں بلکہ متعدد بار مطالعہ کیا۔ اس تفصیلی مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ کتاب مذکور فتنہ خارجیت و ناصبیت کے رد میں تو واقعی خوب ہے لیکن دوسری جانب...... عقیدت کی حد تک فساد کا تو میں قاضی صاحب کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا...... البتہ الفاظ کی حد تک بے احتیاطیوں کے بارے میں کسی قدر وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ بے احتیاطیاں اس میں یقیناً ہوئی ہیں۔ نیز مشاجرات صحابہؓ کے بیان میں اہل سنت کے ہی اصول و حدود کی جیسی رعایت ہونی چاہیے تھی اور ہو بھی سکتی تھی۔ تعبیرات کی حد تک اس کا ویسا اہتمام نہیں ہو سکا۔ خصوصاً حضرت معاویہؓ اور حضرات حکمین (رضی اللہ عنہم) سے متعلق لفظی تساہلات اور تعبیری تسامحات تو کتاب میں جا بجا ہیں جس کو قاضی صاحب کے مخاطبین بڑی آسانی کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت نگاری کے بہانہ سے حضرت معاویہؓ کی منقبت شماری کا نام دے سکتے ہیں اور یہ وہ بات ہے جس کا اعتراف خود قاضی صاحب کو بھی ہے جس کی انہوں نے تاویل بھی کی ہے لیکن ہمارے نزدیک وہ تاویل خود قابلِ تاویل ہے جیسا کہ ان شآء اللہ معلوم ہوگا۔ خارجی فتنہ کی بس ایسی ہی باتیں میری ان معروضات کا موضوع ہیں ورنہ جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ اور نواصب و خوارج کے الزامات

سے ان کی کلی برأت کا تعلق ہے میں اس عقیدہ میں اپنی نجات سمجھتا ہوں جو قاضی صاحب نے اہل السنّت کے حوالہ سے اصولی طور پر بیان فرمایا ہے۔

تبصرہ

(۱) کاش کہ ابو ریحان مولانا عبدالغفور سیالکوٹی کے بجائے میری کتاب خارجی فتنہ کا جواب خود مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صدیقی لکھتے اور غالباً ابو ریحان صاحب نے مولانا سندیلوی سے اس کتاب کے بارے میں استفاذہ بھی کیا ہوگا۔

(۲) مولانا ابو ریحان کو میری کتاب خارجی فتنہ میں جو عبارتیں ایسی ملی ہیں جن سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقصت کا پہلو نکلتا ہے لیکن ان سے دوسرے علماء اہلِ السنّت والجماعت نے تو ایسا نہیں سمجھا جنہوں نے اس کتاب پر تقریظیں لکھی ہیں اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تقریظ میں یہ تو لکھا ہے کہ: ''خلاصہ یہ کہ حضرت قاضی صاحب کے پیش کردہ اہل حق کے مؤقف و مسلک سے ہمیں نہ صرف اتفاق ہے بلکہ یہی ہمارا عقیدہ و ایمان ہے لیکن موصوف نے حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی کے خلاف جس درشتی وتندی کا اظہار کیا ہے ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے۔'' تو اگر مولانا لدھیانوی موصوف میری کتاب میں ایسی عبارتیں محسوس کرتے جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص شان ہوتی ہے تو وہ ضرور اس پر بھی مجھے تنبیہ کرتے لیکن کسی سُنّی عالم نے بھی مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا اور اگر بعض مخالفین نے اپنی کتاب میں مجھ پر اس قسم کا الزام لگایا ہے تو میں نے اپنی کتاب ''کشف خارجیت'' اور ''دفاع حضرت معاویہؓ'' میں اس کا تسلی بخش جواب دے دیا ہے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ مولانا موصوف بھی میری ان عبارتوں کو سمجھ نہیں سکے اور تنقیص کا پہلو نکال لیا۔

(۳) الحمد للہ مولانا عبدالغفور صاحب موصوف نے خارجیت اور ناصبیت کے متعلق میری تحریرات کو بالکل صحیح مان لیا ہے۔ گویا کہ خارجی فتنہ میں میرے پیش کردہ مسلک کے نصف حصہ کو تو تسلیم کر چکے ہیں، باقی رہ گیا باقی نصف حصہ تو اللہ تعالیٰ ان کو اس کے ماننے کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک الزام یا بہتان

مولانا ابوریحان نے اپنی زیرِ بحث کتاب کے ص ۵۷ پر بعنوان حضرت معاویہؓ کے ساتھ رضاء الٰہی والی شرط پوری نہیں ہوئی۔ لکھا ہے کہ: "سندیلوی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے آپ کی رائے کا مآخذ سورۃ التوبہ کی آیت والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار آلایۃ کو بتلایا تھا۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہ اس آیت کو حضرت معاویہؓ پر پلٹتے ہوئے پہلے تو یہ بتلاتے ہیں کہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین طبقوں پر اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا۔ (۱) مہاجرین، (۲) انصار۔ ان دو طبقوں کا مقام معیاری ہے۔ (۳) تیسرا طبقہ وہ ہے جو مہاجرین و انصار کی پیروی خوش اسلوبی سے کرے۔ (والذين اتبعوهم باحسان) اس تیسرے طبقے سے رضاء الٰہی مشروط ہے۔ مہاجرین اوّلین اور انصار کے اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۷۶) اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسی تیسرے طبقے سے ہونے کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان کے سلسلے میں بھی اپنے راضی ہونے کا اعلان کیا ہوا تھا۔ نیز مسابقت اور مہاجرین اوّلین میں سے ہونے کی وجہ سے بھی وہ رضی اللہ عنہم رضوا عنہ کے مصداق تھے

لیکن ان کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ والذین اتبعو ھم باحسان کے طبقہ میں تھے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ مہاجرین و انصار کی حسن اسلوب سے پیروی کریں (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۴۸) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رضائے الٰہی والی یہ شرط پوری کی یا نہیں، تو حضرت قاضی صاحب کا فرمانا یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ یہ شرط ہی پوری نہیں کی بلکہ اُلٹا قولی و عملی مخالفت کی۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> حضرت معاویہؓ نہ تو مہاجرین میں ہیں اور نہ انصار میں۔ آپ تیسرے طبقہ سے وابستہ ہیں۔ ان کے لیے حضرت علی المرتضیٰؓ کی پیروی لازم تھی بوجہ ان کے مہاجرین اوّلین میں ہونے کے۔ بہرحال از روئے نص قرآنی حضرت علیؓ کی پیروی حضرت معاویہؓ پر لازم ہے لیکن بجائے پیروی کے انہوں نے مخالفت کی اور صرف زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ بجائے اطاعت کے قتال کیا۔ (خواہ دفاعی ہی ہو) تو اس صورت میں حضرت معاویہؓ کے مؤقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے۔ (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۴۷۶) جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رضاءِ الٰہی والی شرط ہی پوری نہیں کی بلکہ قولاً و عملاً ڈٹ کر اس کی مخالفت کی تو نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے مصداق نہیں۔" (ص ۵۷۷ تا ۵۷۸)

اس کے بعد ابو ریحان صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق میری دوسری عبارتیں پیش کی ہیں مثلاً اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے آخر تک حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم نہیں کی (۴۶۲ ج ۱)...... آخر تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ موعود کی اطاعت نہیں کی۔ (ایضاً ص

۴۹۱۔ ج ۱) وغیرہ۔ پھر مولانا ابو ریحان یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ: جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اتباع باحسان کر کے رضاء الٰہی کی شرط آخر وقت تک بھی پوری نہیں کی تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ آخر وقت تک بھی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا مصداق نہیں بن سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حضرت قاضی صاحب مدظلہٗ کا یہ طرزِ استدلال بھی خلافِ ادب ہے اور خود استدلال بھی بالکل غلط ہے۔ طرزِ استدلال تو اس طرح خلافِ ادب ہے کہ مجتہدین امت کے درمیان ترجیحات قائم کرنے اور اجتہادی مسائل پر گفتگو کرتے وقت ایسا انداز اور لب ولہجہ اپنانا کہ راجح کی گود میں تو خدا کی ساری خدائی لا ڈالی جائے اور مرجوح کو خدا کی ساری خدائی کے بالکل ہی پچھواڑے جا پھینکا جائے۔ قواعد اجتہاد اور اصول اہل سنت کے خلاف ہی نہیں بلکہ مجتہدین امت کی جناب میں سوءِ ادب اور ان کے حق میں ناجائز افراط وتفریط بھی ہے الخ (ص ۷۹)

الجواب

(۱) مولانا ابو ریحان کا میری عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالنا کہ میں حضرت معاویہؓ کو رضی اللہ عنہ کا مصداق نہیں مانتا۔ یہ سراسر بہتان ہے اور اگر آپ میرے بارے میں یہی سمجھتے ہیں کہ میری تحریر میں حضرت معاویہؓ کی بے ادبی پائی جاتی ہے تو پھر آپ مجھ کو مدظلہٗ کیوں لکھ رہے ہیں۔ آخر یہ تضاد بیانی کیوں ہے؟

(۲) مؤلف ابو ریحان موصوف نے میری عبارتیں درج کرنے میں بھی دیانت سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے خارجی فتنہ حصہ اول ص ۶۷ ۴ کی عبارت پوری نہیں لکھی جس سے میرا مقصد پوری طرح سمجھا جا سکتا تھا بلکہ مابعد کی عبارت

کو چھوڑ کر انہوں نے اس کے متصل خارجی فتنہ ۴۸ ۵ کی عبارت درج کر دی ہے۔
کہاں ص ۴۷۶ اور کہاں ص ۵۴۸۔ کیا اسی کا نام تحقیقِ حق ہے؟

(۳) حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے اہل السنّت والجماعت کے متفق علیہ مسلک کے خلاف یہ لکھا تھا کہ ''جنگ صفین میں بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق تھے یعنی آپ بہ نسبت حضرت علیؓ کے حق کے زیادہ قریب تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''واقعات پر نظر کرنے سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں حضرت معاویہ اقرب الی الحق تھے کیوں کہ انہوں نے تا بامکان جنگ کو ٹالنے کی کوشش کی اور فوج کشی حضرت علیؓ نے فرمائی پھر یہ کہ صلح کی پیش کش بھی حضرت معاویہؓ ہی کی طرف سے ہوئی'' (اظہار حقیت جلد دوم ص ۴۵۵) حالاں کہ حدیث میں آتا ہے کہ خوارج سے جو جنگ کرے گا وہ اولی الطائفتین بالحق ہوگا اور چونکہ خوارج سے جنگ حضرت علی المرتضیٰؓ نے کی تھی اس لیے اس حدیث کا مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ہیں اور طائفتین سے مراد حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے دونوں گروہ ہیں۔ چنانچہ امام نووی انہی حدیث کی بنا پر ہی یہ فرماتے ہیں:

نفسہ الروایات صریحۃ فی ان علیاً کان ھو المصیب المحق والطائفۃ الاخری اصحاب معاویۃ کانوا بُغاۃ متاولین (نووی شرح مسلم جلد اوّل ص ۳۴۲۔ بیان الخوارج واحکامھم)	یہ روایات اس بارے میں صریح ہیں کہ حضرت علیؓ ہی مصیب و محق تھے (یعنی آپ کا اجتہاد حق اور صواب تھا) اور دوسرا گروہ حضرت معاویہؓ اور آپ کے ساتھی باغی تھے مگر تاویل کرنے والے تھے۔

فرمایئے، یہاں مسلم شریف کے شارح امام نوویؒ نے بھی حضرت معاویہؓ اور آپ کے گروہ کو باغی قرار دے دیا۔ اب ان پر کیا فتویٰ لگائیں گے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ خوارج سے جنگ کرنے والوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ وہ بہ نسبت فریق ثانی کے اقرب الی الحق اور اولیٰ بالحق ہوں گے۔ یہ اس جنگ کی بناء پر ہے جو فریقین کے درمیان ہوئی تھی یعنی صفین۔ ورنہ خوارج کے مقابلہ میں تو وہ یقیناً حق پر تھے۔ ان کو بہ نسبت خوارج کے اولیٰ الطائفتین بالحق کیوں کر کہا جا سکتا ہے کیوں کہ خوارج تو یقیناً باطل پر تھے۔

میں نے تو آیت والسابقون الاولون الآیۃ سے وہی استدلال پیش کیا ہے جو حضرت علی المرتضیٰؓ نے اسی آیت سے اپنے مؤقف کی تائید میں خود پیش فرمایا تھا اور اس میں سلسلے میں مولانا سندیلوی کی ہی عبارت پیش کی تھی۔ چنانچہ میں نے لکھا تھا کہ: ''سندیلوی صاحب حضرت علیؓ کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان دستوری مسائل میں حضرت علیؓ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ حق انتخاب خلیفہ مہاجرین وانصار کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ جب صفین کے موقع پر بعض قراء عراق نے بیچ میں پڑ کر فریقین کے درمیان مصالحت کی کوشش شروع کی اور حضرت معاویہؓ نے یہ سوال کیا کہ ہم لوگوں کے مشورے کے بغیر ان کا انتخاب کیسے مکمل ہو گیا تو حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا۔ انما الناس مع المھاجرین والانصار فھم شھود الناس علی ولایتھم وامر دینھم و رضواؤ بایعونی (البدایہ والنہایہ ج ۷، بیان واقعہ صفین ص ۲۵۸) سب لوگ (یعنی عام مسلمان) مہاجرین وانصار کے ساتھ ہیں کیوں کہ یہی حضرات ان کی حکومت اور دینی امور کے بارے میں ان کے نمائندے ہیں اور وہ لوگ (مہاجرین وانصار) میری خلافت پر راضی ہو گئے اور انہوں نے مجھ سے بیعت

کی۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے اعتراض کیا کہ بہت سے مہاجرین و انصار یہاں (شام میں) بھی موجود ہیں۔ ان کی شرکت اور ان کے ووٹوں کے بغیر انتخاب کو کیسے صحیح کہا جا سکتا ہے۔ جواب میں حضرت علیؓ نے فرمایا۔ انما هذا للبدریین دون غیرهم (البدایہ والنہایہ جلد ۷۔ بیان واقعہ صفین ص ۲۵۸) یہ (انتخاب خلیفہ کا حق) صرف ان مہاجرین و انصار کو حاصل ہے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے اور کسی کو نہیں حاصل ہے) ان کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے کا ماخذ سورۃ التوبہ پارہ ۱۱ کی مندرجہ ذیل آیت تھی:

السابقون الاوّلون من المهاجرین و الانصار و الذین اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم و رضوا عنه ۔ مہاجرین و انصار میں سابقین اوّلین اور جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔ وجہ استدلال و استنباط یہ ہے کہ آیت مہاجرین و انصار میں سے سابقین اوّلین کو سب مسلمانوں کا متبوع اور مقتدا قرار دے رہی ہے اور ان کی اتباع کو دوسرے مسلمانوں کے لیے رضائے الٰہی کا سبب ظاہر کر رہی ہے۔ اس لیے نصب خلیفہ کے معاملہ میں بھی وہی متبوع اور مقتدا سمجھے جائیں گے اور بدری ہی حضرات سابقون الاولون بھی تھے۔ ان کے اول الذکر قول منقولہ بالا میں ان کی دوسری دلیل یعنی تعامل کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ حضرات خلفاء ثلثہ کا انتخاب مہاجرین و انصار ہی نے کیا تھا۔ اس تعامل (Convention) میں تبدیلی کو وہ صحیح نہ سمجھتے تھے۔ شرعی زاویہ نظر سے ان کا موقف بالکل صحیح تھا۔ اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ حضرت معاویہؓ کی رائے یہ تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں حق انتخاب کا معیار بدل گیا۔ اب نصب خلیفہ کے حق کو بدری اصحاب یا مہاجرین و انصار تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ

ان کے پیشِ نظر سورۃ شوریٰ کی یہ آیت تھی۔ وَاَمْرُھُم شُوریٰ بَینَھُم ۔ ان (صحابہؓ کے) کام باہمی مشورہ سے انجام پاتے ہیں۔ آیت عام اور سب صحابہ کو شامل ہے۔ اس لیے امر خلافت جو بہت اہم امر ہے سب کے مشورے سے انجام پانا چاہیے اور مہاجرین و انصار کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ کو بھی شریک مشورہ کرنا چاہیے۔ اس سے سب صحابہؓ کے لیے حق رائے وہی ثابت ہوتا ہے۔ الخ (اظہار حقیت جلد دوم، ص ۴۱۳ تا ۴۱۵)

یہاں ابو ریحان صاحب سے ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ نے مولانا سندیلوی کی وہ پوری عبارت کیوں نقل نہیں کی جو میں نے خارجی فتنہ میں نقل کی تھی اور مولانا سندیلوی کے متعلق صرف اتنا کیوں لکھ دیا کہ: ''سندیلوی صاحب نے حضرت علیؓ کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے آپ کی رائے کا ماخذ سورۃ التوبہ کی آیت السابقون الاولون من المہاجرین والانصار الآیۃ کو بتلایا تھا۔'' حضرت قاضی صاحب مدظلہٗ اس آیت کو حضرت معاویہؓ پر پلٹتے ہوئے پہلے تو یہ بتلاتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین طبقوں پر اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ الخ (سبائی فتنہ ص ۷۶)

اب قارئین حضرات اس پوری عبارت کو پڑھیں جو میں نے مولانا سندیلوی کی کتاب ''اظہارِ حقیقت'' سے اپنی کتاب خارجی فتنہ میں نقل کی ہے۔ اس آیت سے حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے انتخابِ خلافت کے حق ہونے پر یوں استدلال فرمایا ہے کہ:

''آیت مہاجرین و انصار میں سے سابقین اوّلین کو سب مسلمانوں کا متبوع اور مقتدا قرار دے رہی ہے اور ان کی اتباع کو رضائے الٰہی کا سبب ظاہر کر رہی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ باقی مسلمانوں پر مہاجرین اوّلین کی اتباع

لازم ہے اور ان کی اتباع رضائے الٰہی حاصل ہونے کا سبب ہے۔ یعنی مہاجرین اولین کی اگر اتباع کی جائے تو اللہ تعالیٰ راضی ہو گا۔ اگر مولانا ابوریحان یہ عبارت درج کرتے تو مجھ پر ان کے بہتان کی حقیقت قارئین پر واضح ہو جاتی کیوں کہ یہ استدلال تو حضرت علی المرتضیٰؓ کا پیش کردہ ہے جس کو نقل کرنے والے بھی مولانا سندیلوی ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت علیؓ کے ارشاد سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مہاجرین اولین کی اتباع صرف ایمان میں نہیں بلکہ حق انتخاب خلیفہ اور دوسرے اعمال میں بھی ہے حالاں کہ ابوریحان صاحب کے نزدیک مہاجرین اولین کی اتباع صرف ایمان میں ضروری ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "اولاً تو اس لیے کہ آیت زیر بحث میں جس اتباع باحسان کا ذکر ہے اس سے تقریباً بالاتفاق اتباع ایمانی و احسانی مراد ہے نہ کہ اتباع اجتہادی۔ یعنی السابقون الاولون کی سابقیت و اوّلیت جس طرح ایمان لانے میں یہاں مراد ہے نہ کہ ان کے اجتہاد میں اسی طرح **والذین اتبعوھم باحسان** کا ان کی پیروی کرنا بھی ایمان لانے میں ہی مراد ہے نہ کہ ان کے اجتہاد میں۔ تو آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ: اور جو مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ (ایمان لانے میں) ان کے پیرو ہیں۔ اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے (مستفاد از تفسیر بیان القرآن) اور اخلاص کے ساتھ ایمان لانے میں دیگر غیر سابقون الاولون کی طرح حضرت معاویہؓ نے بھی حضرت علیؓ سمیت تمام السابقون الاولون (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی اتباع یقیناً کی ہے۔ چنانچہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ بھی حضرت معاویہؓ کو مومن مخلص ہی نہیں بلکہ ایک جلیل القدر مجتہد صحابی مانتے ہیں اور بقول حضرت قاضی صاحب جو اتباع حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی نہیں کی، یعنی اجتہادی معاملہ میں وہ اس

آیت میں نہ مذکور و مراد ہے اور نہ مقصود مطلوب الخ (سبائی فتنہ ص ۸۰)

بے شک ایمان لانے میں حضرت معاویہؓ، حضرت علیؓ کے متبع ہیں لیکن حضرت علیؓ کے ارشاد کے مطابق والذین اتبعوھم باحسان سے مراد صرف ایمان میں اتباع نہیں بلکہ دوسرے امور میں بھی ہے اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بیان القرآن میں صرف ایک قول کے مطابق تفسیر کی ہے لیکن میری بحث مولانا ابو ریحان سے اس بات میں ہے کہ کیا حضرت علی المرتضٰیؓ نے بھی والذین اتبعوھم سے صرف ایمان میں اتباع مراد لی ہے یا دوسرے امور میں بھی۔ تو مولانا سندیلوی کی تشریح کے مطابق حضرت علی المرتضٰی نے ایمان کے علاوہ دوسرے امور میں بھی اتباع مراد لی ہے۔ علاوہ ازیں والذین اتبعوھم سے دوسری تفاسیر میں ایمان کے علاوہ دوسرے اقوال و اعمال میں بھی اتباع مراد ہے۔ چنانچہ تفسیر قرطبی میں ہے: بین تعالی بقوله (باحسان) مایتبعون فيه من افعالهم و اقوالهم الخ (ج ۸ ص ۲۳۵) اور باحسانٍ کے قول سے اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ (مہاجرین اوّلین) کی اتباع ان کے افعال اور اقوال میں کریں۔" اور تفسیر روح البیانی میں اس آیت کے تحت لکھا ہے۔ وھو ان يقتدوا بهم في اعمالهم الحسنة ولايقتدوا بهم في غير ذالك۔ اور اتباع احسان یہ ہے کہ وہ ان مہاجرین اوّلین کے اعمالِ حسنہ کی پیروی کریں اور ان کے سوا دوسرے اعمال میں ان کی پیروی نہ کریں اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی یہی لکھا ہے یعنی جن لوگوں نے اعمال و اخلاق میں سابقین اولین کا اتباع مکمل طریقہ پر کیا۔ (معارف القرآن) اور ظاہر ہے کہ جب حضرت علی المرتضٰی قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ اس لیے بطور خلیفہ راشد ان کے اعمال حسنہ ہی ہوں گے اور ان کی خلافت کی پالیسی بھی حسنہ ہو گی جس کی پیروی

بعد والوں پر لازم ہے۔ علاوہ ازیں دوسری تفاسیر میں بھی اس قسم کی عبارتیں ہیں لیکن بخوفِ طوالت اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ بہرحال مولانا ابوریحان کا یہ حصر صحیح نہیں کہ والذین اتبعوھم باحسان میں صرف ایمان کی اتباع مراد ہے اور مولانا سندیلوی نے والذین اتبعوھم باحسان کا یہ ترجمہ لکھا ہے: ''اور جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے، اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔'' فرمایئے قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد جو مہاجرین اوّلین میں سے ہیں کیا ان کے ساتھ جنگ کرنا بھی خوبی کے ساتھ پیروی میں شامل ہے؟

(۵) ابوریحان صاحب نے میری کتاب ''خارجی فتنہ'' ص ۴۷۶ کی عبارت یہاں تک نقل کی ہے: ''تو اس صورت میں حضرت معاویہؓ کے مؤقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے اور انہوں نے اس کے بعد کی عبارت چھوڑ دی ہے جو حسب ذیل ہے،

''لیکن اس کے برعکس سندیلوی صاحب تو جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کو بہ نسبت حضرت علیؓ کے اقرب الی الحق لکھ رہے ہیں۔ کیا سندیلوی صاحب قرآن سے معارضہ اور مقابلہ نہیں کر رہے؟ مسئلہ حالات کا نہیں مسئلہ نص قرآن کے تقاضا کا ہے۔ قرآن کا جواب قرآن سے چاہیے۔ اگر جواب نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے تو حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا تسلیم کر کے نص قرآنی کے تقاضا پر عقیدہ رکھیں۔ اس میں حضرت معاویہؓ کی کوئی تنقیص لازم نہیں آتی بلکہ اجتہادی خطا کی وجہ سے وہ ایک گونہ ثواب کے ہی مستحق ہیں۔ ان حالات میں حضرت معاویہؓ تو معذور تھے لیکن اب سندیلوی صاحب تو معذور نہیں ہیں۔'' (ص ۴۷۷)

اس عبارت کے بعد کیا کوئی ذی فہم اور انصاف پسند یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضرت امیر معاویہؓ کی بے ادبی اور توہین کی ہے اور میں ان کو رضی اللہ عنہم و

رضوا عنہ کا مصداق نہیں ٹھہراتا جیسا کہ ابو ریحان صاحب مجھ پر بہتان تراشی کر رہے ہیں۔ اگر میں نے لکھ دیا کہ حضرت معاویہؓ نے آخر تک حضرت علیؓ کی اتباع نہیں کی اور آپ نے حضرت علیؓ سے جنگ وقتال کیا۔ تو فرمایئے کیا یہ غلط ہے لیکن جب میں نے تصریح کر دی کہ یہ جنگ حضرت معاویہؓ نے اپنے اجتہاد کی بنا پر کی تھی اور اس میں ان سے اجتہادی خطا ہوگئی اور اس پر بھی ان کو یک گونہ ثواب ملے گا۔ تو کیا اس سے ان کی توہین لازم آتی ہے؟ یا بوجہ مجتہد ہونے کے ان کی عظمت شان بڑھتی ہے۔ میرا طرز خطاب مولانا سندیلوی کے مقابلہ میں ہے جو حضرت معاویہؓ کو اس باہمی جنگ میں حق کے زیادہ قریب مان رہے ہیں۔ تو ان کو منوانے کے لیے میں نے یہ طرز اختیار کیا ہے۔ یہ علمی بحث ہے۔ اس کو علمی انداز میں ہی سمجھنا چاہیے لیکن ابو ریحان صاحب تو یہاں علمی حقائق کے بجائے خود ساختہ ریحانیات پیش کر رہے ہیں کہ یہ خادم اہل سنت تو حضرت معاویہؓ کو رضائے الٰہی سے محروم مانتا ہے۔ (العیاذ باللہ) فرمایئے جس کو کسی عمل پر اجر وثواب ملے۔ اس کو رضائے الٰہی سے محروم قرار دیا جا سکتا ہے اور میں نے تو سب صحابہ کرامؓ کو جنتی لکھا ہے جس میں حضرت معاویہؓ بھی شامل ہیں۔ چنانچہ میں نے لکھا ہے:

''حضرت مجدد الف ثانی، امام بن حزم (متوفی ۴۵۶ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ **الصحابہ کلھم من اھل الجنۃ قطعاً** (تمام صحابہؓ قطعی جنتی ہیں) (رسالہ ردّ الروافض ص ۱۴ نیز الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۱۴۸) بہر حال جو شخص حضرت امیر معاویہؓ کو صحابی مانتا ہے۔ اس آیت کے تحت اس کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ حضرت معاویہؓ بھی سیدھے جنت میں جائیں گے اور دوزخ کی آگ ان کو چھو بھی نہیں سکتی۔ (دفاع حضرت معاویہ ص ۱۷۸) مذکورہ آیت حسب ذیل ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اس آیت کے ترجمہ اور تشریح میں لکھتے ہیں۔یعنی قیامت کے دن نہیں رسوا کرے گا اللہ، نبی ﷺ اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان کے ساتھ ان کا نور ہوگا کہ دوڑے گا سامنے ان کے اور داہنے ان کے۔ یہ اس بات کو جتاتا ہے کہ ان کو آخرت میں کچھ عذاب نہ ہوگا اور بعد وفات پیغمبر کے نور ان کا نہ مٹے گا۔ نہ زائل ہوگا اور اگر نور حبط ہو جائے اور جاتا رہے تو قیامت میں کیوں کر ان کے کام آئے۔ (تحفہ اثنا عشریہ مترجم جلد ثانی ص ۲۰۳) (ایضاً دفاع حضرت معاویہؓ ص ۱۷۷) جب میں نے حضرت معاویہؓ کو بھی قطعی جنتیوں میں شامل کر لیا، تو پھر ابو ریحان صاحب اور کیا چاہتے ہیں اور وہ یہ کیوں لکھ رہے ہیں کہ: ”مسلک اہلِ السنّت کی ترجمانی کا یہ کیا طریقہ ہوا کہ سندیلوی صاحب نے اگر ایک آیت حضرت علیؓ کے اجتہادی مؤقف کی تائید میں پیش کی تھی تو سندیلوی صاحب کا بہرصورت رَدّ ہی کرنے کے جذبہ سے مغلوب ہو کر اس آیت کو ضرور بالضرور حضرت معاویہؓ کے خلاف ثابت کر کے ان کو رضائے الٰہی تک سے محروم ہی باور کرا کے دم لیا جاتا حالاں کہ میں نے حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا تسلیم کر کے قرآنی سند رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا مصداق ہی ٹھہرایا ہے نہ یہ کہ ان کو رضائے الٰہی سے محروم باور کرایا ہے۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم۔

حضرت علیؓ بھی حق پر نہیں (سندیلوی)

مولانا محمد اسحٰق سندیلوی لکھتے ہیں: اقرب الی الحق کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اجتہادی غلطی بمعنی ترک اولیٰ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ دونوں سے سرزد ہوئی یعنی دونوں حضرات نے حدود جواز شرعی سے تو تجاوز نہیں کیا مگر خلاف اولیٰ کا

ارتکاب کیا۔ اس معنی میں دونوں بزرگوں میں سے کوئی صاحب بھی حق پر نہ تھے۔ الخ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۵۱) یہاں مولانا سندیلوی نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے متعلق لکھ دیا ہے کہ: دونوں بزرگوں میں سے کوئی صاحب بھی حق پر نہ تھے۔ حالاں کہ مولانا موصوف کا یہ نظریہ اہلِ السنّت و الجماعت کے متفق علیہ مسلک کے خلاف ہے کیوں کہ اہل سنت کے نزدیک یہ دونوں حضرات حق پر تھے اور میں نے بھی خارجی فتنہ میں اس کی تصریح کی ہے کیوں کہ اجتہادی اختلاف حق کے دائرے میں ہی ہوتا ہے لیکن مولانا ابو ریحان نے سندیلوی کے اس باطل نظریے پر کوئی تنقید نہیں کی۔ آخر ایسا کیوں؟

☆☆☆

ابو ریحان مولانا عبدالغفور سیالکوٹی کی اس کتاب کے مطالعہ کرنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسی طرح غلو رکھتے ہیں جس طرح شیعہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو میں مبتلا ہیں۔ گو اہل سنت حضرت علی المرتضیٰ کو قرآن کا چوتھا خلیفہ راشد مانتے ہیں اور ان کے قطعی جنتی ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن ان کو خلیفہ بلا فصل (خلیفہ اوّل) نہیں مانتے اور ان کو معصوم بھی نہیں مانتے تو اس کے باوجود بھی وہ مسلمانانِ اہل السنّت والجماعت کو حضرت علیؓ سے بغض رکھنے والا قرار دیتے ہیں (العیاذ باللہ) اسی طرح گو اہل السنّت والجماعت حضرت معاویہؓ کو ایک جلیل القدر فقیہہ اور مجتہد صحابی مانتے ہیں اور ان کو جنتی بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود حضرت علی المرتضیٰ سے جنگ کرنے میں ان کی اجتہادی خطا کے قائل ہیں (کہ اس پر بھی ان کو ایک اجر ملتا ہے) تو ابو ریحان صاحب اور ان کے ہم نوا حضرت امیر معاویہؓ کی توہین گردانتے ہیں اور اس مسلک کے بیان کرنے والوں کو سبائیت کا طعنہ دیتے ہیں۔

تو فرمائیے کیا یہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں غلو نہیں ہے اور اسی مسئلہ کی وجہ سے ابوریحان صاحب بعض دفعہ انتہائی غیظ وغضب کا اظہار کرتے ہیں اور اس غلبہ جوش میں وہ خود ہی نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں اور ان کی اسی ذہنی پریشانی کا نتیجہ ہے کہ وہ اس خادم اہل سنت کی کبھی مدح کرتے ہیں اور کبھی مذمت: بطور نمونہ ان کی چند متضاد عبارات درج ذیل ہیں۔

مدح وذم کی ریحانی جھلکیاں:

میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل کے بارے میں لکھتے ہیں...... اس تفصیلی مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ کتاب مذکور فتنہ خارجیت وناصیت کے رد میں تو واقعی خوب ہے لیکن دوسری جانب عقیدت کی حد تک تو میں قاضی صاحب کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ البتہ الفاظ کی حد تک بے احتیاطیوں کے بارے میں میں کسی قدر وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ بے احتیاطیاں یقیناً ہوئی ہیں الخ (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۱۲) پھر اسی صفحہ پر لکھتے ہیں: جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ اور نواصب وخوارج کے الزامات سے ان کی کلی برات کا تعلق ہے میں اسی عقیدہ میں اپنی نجات سمجھتا ہوں جو قاضی صاحب نے اہل السنّت کے حوالے سے اصولی طور پر بیان فرمایا ہے اور پھر صفحہ ۲۵۱ پر حضرت علیؓ کی خلافت راشدہ موعودہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں ہم اپنی نجات اسی عقیدہ میں سمجھتے ہیں جو اصولی طور پر سنی عقیدہ ومسلک کے حوالہ سے حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے بیان فرمایا ہے یہ عبارتیں تو مولانا ابوریحان نے بقائمی ہوش وحواس لکھی ہیں لیکن پھر جب کسی موقع پر مغلوب الغضب ہو گئے تو اس کے برعکس یہاں تک لکھ دیا کہ: حضرت قاضی صاحب کا یہ طرز استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دفاع سے زیادہ ان پر اعتراض کا دروازہ کھولتا اور ناصبیت وخارجیت کی

تردید سے زیادہ ان کی تائید و تاکید کرتا اور دشمنان صحابہ کو خاطر خواہ تقویت پہنچاتا ہے۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے اپنے اس اسلوب بیان میں بقول اپنے بے شک قرآن کی خلافت راشدہ کے تحفظ کا فریضہ انجام دیا (خارجی فتنہ ص ۵۳۵ ج ا) اور بلا ریب ناصبیت کی خوب تردید کی ہے۔ لیکن خارجیت کا راستہ دکھلا کر کما قیل بہار آئی ہے تو گلشن میں لیکن خزاں کو باغ کا رستہ دکھا کر (ص ۱۳۳) اور پھر لکھتے ہیں: تو اس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو باغی بنے یا نہ بنے۔ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں شکوک وشبہات کی قلوب واذہان میں تخم ریزی کا سامان تو ہو ہی گیا فنتیجۃً حضرت معاویہ کو خواہ مخواہ باغی ہی بنانے کی یہ ساری شوقیہ کاوش وکاہش جو مسلک اہل السنّت کی ترجمانی تو پہلے بھی نہ تھی۔ اب سبائیت کی ترجمانی بھی نہ رہی۔ بلکہ الٹا اسی خارجیت وناصبیت کی ترجمانی ہوگئی۔ جس کی تردید کا بزعم خود بیڑا اٹھایا تھا الخ (ص ۲۳۹) ان متضاد تحریرات کے پیش نظر مولانا ابو ریحان خود ہی یہ فیصلہ فرمائیں کہ ان میں کون سی بات صحیح ہے۔ اس خادم اہلسنت کی "کتاب خارجی فتنہ" خارجیت وناصبیت کے ردّ میں تو واقعی خوب ہے یا میں نے ناصبیت کی خوب تردید کی ہے لیکن خارجیت وناصبیّت کا رستہ دکھا کر اور حضرت علی المرتضٰی کی موعودہ خلافت راشدہ کے بارے میں میں نے اہل سنت کی صحیح ترجمانی کی ہے اور اس سلسلے میں مولانا ابو ریحان بھی اپنی نجات اسی عقیدہ میں سمجھتے ہیں۔ یا خادم اہل سنت نے کتاب میں کچھ ایسے استدلال پیش کئے ہیں کہ جس کی وجہ سے حضرت علیؓ کے بارے میں بھی قلوب واذہان میں شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور بجائے اہل سنت کی ترجمانی کے اس میں" خارجیت اور ناصبیت کی ترجمانی پائی جاتی ہے۔ (العیاذ باللہ)

(۲) مولانا موصوف لکھتے ہیں: چلئے اس کو بھی جانے دیجیے۔ خود حضرت

قاضی صاحب مدظلہ کو ہی لیجئے۔ وکیل صحابہ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق وہ یہ تک برداشت نہیں کر سکتے کہ مشاجرات میں کوئی ان کو بھی صواب پر سمجھے۔ الخ (ص ۳۵۷)

یہاں تو انہوں نے مجھے واقعتاً وکیل صحابہ مان لیا ہے۔ لیکن ص ۳۰۱ پر وہ پہلے لکھ چکے ہیں کہ: اہل السنّت میں جو حضرات بھی وکیل صحابہ کی حیثیت سے معروف و مشہور ہوئے۔ دنیا نے ان کو وکیل صفائی کی حیثیت سے ہی جانا پہچانا۔ لیکن حضرت قاضی صاحب نے وکیل صحابہ کہلانے کے باوجود صفین کیس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف وکیل جرح کا کردار ادا کیا ہے الخ۔

اور پھر ص ۳۰۳ پر لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک حضرت قاضی صاحب کی یہ تحقیق مسلک اہل السنّت کی ترجمانی ہرگز نہیں۔ بلکہ سبائیت کی بھرپور وکالت وحمایت ہے۔ یہاں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مجھ کو وکیل جرح قرار دے رہے ہیں۔ لیکن اس کے بعد ص ۳۵۷ پر وکیل صحابہ تسلیم کر رہے ہیں۔

ہمارا سوال یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔ تو پھر ان کے بارے میں کیوں وکیل جرح بن گیا۔ اور بقول آپ کے جب میں وکیل صحابہ ہوں تو پھر وکیل سبائیت کا طعنہ کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ بندہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی وکیل صفائی ہے ملاحظہ ہو میری کتاب ''دفاع حضرت معاویہ''

(۳) میرے پیش کردہ موقف پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دل صاف نہ ہونے کے علاوہ بھی اس کی کوئی توجیہ ہو سکتی ہے۔ (ص ۲۱۷) یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں میرے خلوص نیت پر حملہ کیا ہے۔ حالانکہ پہلے ص ۱۲ پر لکھ چکے ہیں کہ: کتاب

مذکور فتنہ خارجیت وناصبیت کے رد میں تو واقعی خوب ہے لیکن دوسری جانب......
عقیدت کی حد تک فساد کا تو میں قاضی صاحب کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا
......تعبیرات کی حد تک اس کا ویسا اہتمام نہیں ہو سکا خصوصاً ''حضرت معاویہ) اور
حضرات حکمین (رضی اللہ عنہم) سے متعلق لفظی تساہلات اور تعبیری تسامحات تو
کتاب میں جابجا موجود ہیں۔ اس میں کوئی فساد (خراب) نہیں۔ البتہ تعبیرات
میں بے احتیاطیں ہوگئی ہیں۔ص ۲۱۷ پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ
عنہ کے بارے میں خادم اہل سنت کا دل صاف نہیں ہے۔ دل صاف نہ ہونے کا
تو یہی مطلب ہے کہ نیت میں فساد ہے۔

(۴) لکھتے ہیں: ''حضرت قاضی صاحب کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
سے بغض نہیں اور یقیناً نہیں۔ لیکن ان کے لفظ لفظ سے ٹپکتا بغض معاویہ رضی اللہ
عنہ ہی ہے۔ دراصل چپقلش ان کی سندیلوی صاحب سے ہے۔ بدقسمتی سے نزلہ
اس کا بیچارے معاویہ رضی اللہ عنہ پر جا گرا ہے۔ لیکن آفریں ہے معاویہ رضی اللہ
عنہ پر اس کو جننے والی ماں پر کہ اس نے اس پر بھی قاضی صاحب کو اپنے گلے لگالیا
ہے۔ (دفاع معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۸۶) واہ رے حلم معاویہؓ ''واہ'' (حاشیہ
۲۱۹) قارئین حضرات بھی محظوظ ہوں گے کہ ایک سطر میں مولانا ابو ریحان نے
خادم اہل سنت پر یہ کرم فرمائی کی کہ: ''حضرت قاضی صاحب کو حضرت معاویہ رضی
اللہ عنہ سے بغض نہیں اور یقیناً نہیں۔'' اور ساتھ ہی لکھ دیا ہے کہ ''لیکن ان کے لفظ
لفظ سے ٹپکتا بغض معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ہے۔'' اگر دل میں بغض نہیں تو پھر ان
کے بغض ٹپکتا ہوا کہاں سے نظر آ گیا؟...... یہ بیچارے کا لفظ بھی قابل غور ہے۔
اس مجاہد جلیل کو اپنے قلم سے بیچارے بنا دیا۔

کہیں ابو ریحان تقیہ کی چادر تو اوڑھے ہوئے نہیں، اور اس ضخیم کتاب

میں بجائے نام کے کنیت ابوریحان سے مولف کا تعارف کرانا۔ اور یہ بھی نہ ظاہر کرنا کہ موصوف مولانا عبداللہ صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے مدرسہ فریدیہ کے مدرس ہیں۔ شیعوں کے نزدیک تو دین کے نو حصے تقیہ میں ہیں اور وہ اپنے مزعومہ ائمہ معصومین کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنا مذہب ظاہر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان ائمہ کی مرویہ احادیث میں شیعہ راوی نام کے بجائے ان کی کنیت استعمال کرتے تھے۔

چنانچہ شیعہ ادیب اعظم مولوی ظفر حسن امروہوی لکھتے ہیں۔

''امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علماء اسلام کے نام لے کر کوئی حدیث بیان کرنا جرم تھا یہی وجہ ہے کہ تمام احادیث ان حضرات کی کنیت سے منقول ہیں۔ یعنی قال ابوجعفر (مراد امام باقر علیہ السلام ہیں) قال ابوعبداللہ (مراد امام جعفر صادق) الخ (دیباچہ شافی ترجمہ اصول کافی)

فرمایئے ان شیعہ راویوں کو تو اپنے قتل کا خوف تھا اس لیے بجائے نام کے اماموں کی کنیت لکھتے ہیں: لیکن ابوریحان کو کس کا خوف تھا کہ اپنا نام ظاہر نہیں کیا کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

حضرت معاویہؓ اور ریحانی عقیدت:

جن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت کو بھی وہ توہین سمجھتے ہیں اور ایسے لوگوں کو وہ عموماً سبائی قرار دیتے ہیں جو ان کو مجتہد مخطی قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب اپنی باری آئی تو یہاں تک لکھ دیا کہ '' آفریں ہے معاویہ رضی اللہ عنہ پر اور اس کو جننے والی ماں پر''

کیا ہی شستہ اور شائستہ زبان ہے۔ مولانا ابوریحان اپنے ممدوح جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ پر کیسے عقیدت کے ریحانی پھول نچھاور کر رہے ہیں''۔

یزیدی ٹولہ تو غالباً غش غش کرتا ہوگا کہ ان کو ایسا باادب محقق مل گیا۔ اور ان کلمات مدحیہ میں مولانا موصوف کی مراد میرا ایک خواب ہے جو میں نے اپنی کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں لکھا ہے کہ:

''گذشتہ سال ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ میں بندہ کو بفضلہٖ تعالیٰ چوتھی مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضہ مقدسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت نصیب ہوئی تھی منیٰ میں شب جمعہ ۹ ذی الحجہ نماز عشاء پڑھ کر جلدی سو گیا تو خواب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیادت نصیب ہوئی۔ اپ نے بندہ ناکارہ سے معانقہ فرمایا: اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ: حضرت بندہ نے کتاب ''خارجی فتنہ'' لکھی ہے۔ اگر اس میں آپ کے متعلق کوئی تنقیص وتوہین پائی جاتی ہے تو معاف فرمائیں۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ باوقار اور سفید نورانی تھا۔ اور بندہ کی معافی کی درخواست پر آپ کے چہرہ پر کوئی ملال ظاہر نہیں ہوا بلکہ حسب سابق شفقت کی نگاہ تھی۔

خواب گو شرعی حجت نہیں ہے لیکن حسب ارشاد رسالتؐ ایسے خواب مبشرات میں سے ہوتے ہیں۔ شرعی دلائل کی بنا پر بندہ خارجی فتنہ حصہ اول سے مطمئن ہے۔ علماء اہل السنت والجماعت نے اصل مسئلہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہ میں اس کی تائید وتصویب بھی کر دی ہے۔ البتہ منیٰ کے مقدس مقام میں ایام حج کے دوران حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیارت ومعانقہ بندہ کے لیے ایک بڑی سعادت ہے جس سے مزید اطمینان نصیب ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور رحمت للعالمین، شفیع المذنبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین، تمام صحابہ کرام واہل بیت عظام، تمام ازواج مطہرات (امہات المومنین) رضوان اللہ علیہم اجمعین کی درجہ بدرجہ عقیدت ومحبت عطا فرمائیں۔ ان

کے بارے میں ہر قسم کی تنقیص و بے ادبی سے بچائیں۔ اعتقادی اور عملی فتنوں سے محفوظ رکھیں۔ اور مذہب اہل السنّت والجماعت کی اتباع، تبلیغ، خدمت اور نصرت ودفاع کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین بجاہِ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم "(دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۸۶۔ ۱۸۷) مولانا ابو ریحان میرے اس خواب کو سچا مان کر مذکورہ تبصرہ لکھ رہے ہیں۔ اب ناظرین ہی فیصلہ فرمائیں کہ مندرجہ تحریر کے لفظ لفظ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بغض ٹپک رہا ہے یا عقیدت ومحبت ظاہر ہو رہی ہے۔ واللہ الھادی۔

ابو ریحان کا غضبناک قلم

فرماتے ہیں، چھوڑیے اوروں کو حضرت قاضی صاحب نے تو یہاں میں نہ مانوں کی وہ رٹ لگائی ہوئی ہے کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی بالتصریح حکم دیں کہ اذا ذکر الصحابی فامسکوا (جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو بس رک جاؤ) (خارجی فتنہ حصہ اول ۳۰۵۔ ۳۰۷) ایاکم وماشجر بین اصحابی۔ (اپنے آپ کو میرے صحابہ کے مشاجرات سے بچاؤ) (مکتوبات امام ربانیؒ مکتوب ۲۵۱۔ دفتر اول)

تو ان کا ارشاد تو تب بھی یہی ہوتا کہ امساک وتوقف ثابت نہیں۔ امساک وتوقف اہل سنت کا مذہب نہیں۔ اب ایک خدا کی ذات باقی رہ گئی ہے۔ وہ بھی اگر مشاجرات صحابہؓ کے متعلق سکوت وتوقف کا براہ راست حکم دیں تو کچھ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت قاضی صاحب کے نزدیک پھر بھی سکوت وتوقف ثابت ہو گا یا نہیں۔

حاشیہ میں مزید خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

براہ راست اس لیے کہا کہ براہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی تو اللہ تعالیٰ

اذا ذکر اصحابی فاسکوا، اور ، **ایاکم وما شجر بین اصحابی** کا حکم دلوا ہی چکے ہیں لیکن اس سے حضرت قاضی صاحب کے نزدیک سکوت وتوقف ثابت نہیں۔ تو باقی براہ راست حکم آنا ہی اللہ تعالیٰ کا رہ گیا (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۵۳۱۔۵۳۲) یہ ہیں ابو ریحان صاحب کے زہر آلود قلم کی زہر افشانیاں، اور یہ ہے ریحانی بہتان کا ایک نمونہ، باقی رہی توقف وسکوت کی بحث تو انشاء اللہ آرہی ہے۔

جس سے واضح ہوگا کہ خود مولانا ریحان صاحب ارشاد رسالت **اذا ذکر اصحابی فامسکوا**۔ کی کھلی خلافت ورزی کی ہے۔ یہ سب کچھ لکھنے کے بعد بھی ابو ریحان صاحب خادم اہل سنت کو حضرت اور مدظلہ کے الفاظ سے نوازتے رہتے ہیں۔ وہ کبھی باہوش ہوتے ہیں کبھی مدہوش۔ واللہ اعلم

توقف وامساک کی بحث

مولانا ابو ریحان مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہل السنّت والجماعت کے مختلف مسالک اور مولانا سندیلوی اور میرے اختلاف کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: ہم صرف تین مسالک تک ہی اپنی گفتگو محدود رکھیں گے۔ جن کا ذکر حضرت قاضی صاحب نے اپنی اس کتاب کے آخر میں کتاب کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کیا ہے۔ (۱) توقف (۲) جانبین مصیب (۳) حضرت علیؓ مصیب اور دوسرے حضرات مخطی (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ از ص ۵۸۴ تا آخر کتاب ج ۱) ان میں سے سندیلوی صاحب کے نزدیک قوی ترین مذہب پہلا ہے پھر دوسرا اور تیسرا مذہب ان کے نزدیک بالکل غلط، بے دلیل، بلکہ خلاف دلیل ہے (ملاحظہ ہو اظہار حقیقت ص ۴۴۴ ج ۲) لیکن حضرت قاضی صاحب کے نزدیک اس کے بالکل برعکس قوی ترین مذہب تیسرا ہے جب کہ دوسرا مرجوع اور پہلا

کمزور ترین ہے (خارجی فتنہ ص ۵۸۴۔ ج ا۔ ۵۸۷ ج اول ۵۸۸ ج اول)
ہمارے نزدیک مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہ اصل مذہب ہے ہی توقف اور یہی قوی ترین، راجح ترین اور مقبول ترین ہے۔ جس میں نہ کوئی خطرہ ہے او نہ کوئی خدشہ، نہ کوئی کھٹکا ہے اور نہ کوئی دغدغہ الخ (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۳۱۱۔۳۱۲)

(۲) اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں: پھر کف کامل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک امساک اور دوسری توقف" اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: امساک اور توقف اس حد تک تو ایک ہی ہیں لیکن ان دونوں میں صحابہ کرامؓ پر اجتہادی خطا جیسا کوئی حکم بھی نہیں لگایا جاتا۔ لیکن اس لحاظ سے دونوں میں فرق ہے کہ توقف اگر بلیغ فی الکف ہے تو امساک ابلغ فی الکف ہے۔ اس لیے کہ امساک کا مفہوم یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مکمل طور پر اپنی زبان اس طرح بند رکھی جائے کہ مشاجراتی واقعات کا ذکر تک بھی زبان وقلم پر نہ آنے پائے نہ کتابتاً "نہ قرائتاً" یہ اقرائت "اور نہ استماعاً" وتمیعاً" ظاہر ہے کہ اس صورت میں صحابہؓ کے بارے میں عدم کف کا کوئی موقع ہی نہیں رہتا۔ بخلاف توقف کے کہ اس کے مفہوم میں چونکہ ذکر مشاجرات کی ممانعت داخل نہیں اس لئے اس میں یہ دغدغہ رہتا ہے کہ شاید کسی وقت مشاجراتی واقعات کا ذکر چل نکلے اور کف کا بندھن ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ اس طرح امساک کا کف نہ زیادہ موکد ہے توقف سے الخ (بسائی فتنہ ص ۳۱۳)

تبصرہ

(۱) ابو ریحان صاحب ص ۳۱۲ پر تو لکھتے ہیں: کہ ہمارے نزدیک مشاجرات صحابہ میں اصل مذہب ہے ہی توقف...... جس میں نہ کوئی خطرہ ہے اور نہ کوئی خدشہ نہ کوئی کھٹکا ہے اور نہ کوئی دغدغہ۔ لیکن اس کے بعد ص ۳۱۳ کے حاشیہ

میں توقف اور امساک کا فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ اس میں (یعنی توقف میں) یہ دغدغہ رہتا ہے الخ ص ۳۱۲ پر تو توقف میں کوئی دغدغہ نہیں تھا۔ اور ص ۳۱۳ پر اس میں بھی دغدغہ آ گیا ماشاء اللہ ابو ریحان صاحب ایک صفحہ پورا بھی نہیں کرتے کہ پہلی بات بھول جاتے ہیں۔ کہ کیا لکھا تھا، اور اگر توقف میں دغدغہ بھی پایا جاتا ہے۔ تو اس کو پھر قوی ترین اور مقبول ترین مذہب کیوں قرار دے رہے ہیں؟ آپ کو تو یہ لکھنا چاہئے تھا کہ اصل مذہب مشاجرات صحابہ میں امساک ہی ہے کیونکہ اس میں کوئی دغدغہ نہیں ہے۔ (۲) ابو ریحان صاحب ۳۱۳ کے حاشیہ میں امساک کا یہ بیان کرتے ہیں کہ مشاجرات صحابہ کا کسی طرح بھی ذکر نہ کیا جائے نہ زبان سے اور نہ قلم سے اور اس کی دلیل میں احادیث پیش کرتے ہیں۔ کہ اذا ذکر اصحابی فامسکوا (جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو بس رک جاؤ) اور ایاکم وما شجر بین اصحابی (اپنے آپ کو میرے صحابہ کے مشاجرات سے بچاؤ) (سبائی فتنہ ص ۵۳۱) اور ان کی یہ عبارتیں بھی نقل کر دی گئی ہے یہاں ہمارا سوال یہ ہے کہ جب آپ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاجرات صحابہ کا ذکر کرنے سے بالکل روک دیا ہے تو پھر آپ نے مشاجرات صحابہ کی بحث میں سبائی فتنہ حصہ اول جیسی ۵۶۸ صفحات پر مشتمل کتاب کیوں لکھی ہے۔ کیا آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلم کھلا نافرمانی نہیں کی؟ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث سے مطلقاً مشاجرات ذکر کرنے کی ممانعت فرمائی ہے یہ نہیں فرمایا کہ فلاں ضرورت کے تحت میرے صحابہ کے مشاجرات کا ذکر کر سکتے ہو۔

☆☆☆

مولانا ابو ریحان موصوف ص ۳۱۲ پر تو لکھتے ہیں کہ: مشاجرات صحابہ

رضی اللہ عنہ میں اصل مذہب ہے ہی توقف...... جس میں نہ کوئی کھٹکا ہے نہ کوئی دغدغہ لیکن اس کے بعد ص ۳۱۴ پر خود ہی فرماتے ہیں کہ: اس میں (یعنی توقف میں) یہ دغدغہ رہتا ہے اس لیے وہ بہ نسبت توقف کے مشاجرات صحابہ میں امساک کو ابلغ فی الکف قرار دیتے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک امساک ہی احوط اسلم مسلک ہونا چاہیے لیکن تعجب ہے کہ اس کے برعکس انہوں نے ساری کتاب میں توقف کو ہی اسلم اور اقوی مسلک قرار دیا ہے۔ چنانچہ ص ۲۳۷ پر بعنوان توقف ہی احوط واسلم اور اقوی واتقن ہے لکھتے ہیں...... جہاں تک حقیقت نفس الامری کا تعلق ہے نیز مشاجراتی مواقف میں قوی اور ضعیف کی تعیین اگر اتنی ہی ضروری ہے تو پھر بلا تردد وتذبذب ہماری چوتھی گذارش یہ ہے کہ پھر احوط واسلم، اولیٰ واحسن اور اقوی واتقن مسلک ہے ہی توقف۔ حالانکہ ان کو اس بحث میں بجائے توقف کو احوط واسلم وغیرہ قرار دینے کے امساک کو احوط واسلم مسلک قرار دینا چاہیئے تھا اور ان کی پیش کردہ حدیث **اذاذُکر اصحابی فامسکوا** میں بھی امساک کا لفظ ہے نہ کہ توقف کا۔ لہٰذا ان کا بار بار توقف کو اسلم واحوط لکھنا ارشادِ رسالتؐ کے بھی خلاف ہے۔

امام نوویؒ کی عبارت

میں نے خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۷۶ میں توقف کو کمزور ترین مسلک قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کی حسب ذیل عبارت بھی پیش کی ہے جو انہوں نے غیر جانبدار صحابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھی ہے کہ:

"غیر جانبدار صحابہؓ کی غیر جانبداری خود اس بات کی برہان جلی ہے کہ ان کا مسلک اس مسئلہ میں توقف ہی تھا۔ فریقین میں کسی کو وہ

غلطی پر نہیں سمجھتے تھے۔ عام طور پر یہ حضرات اسے "قتال فتنہ" کے نام سے موسوم کرتے تھے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ فریقین کے بارے میں صواب وخطا کا کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور مسئلہ ان پر مشتبہ ہو گیا" الخ

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۱)

علاوہ ازیں اس کی تائید میں امام نوویؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی عبارتیں بھی پیش کی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ تیسرے گروہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اس بارے میں کوئی فیصلہ ہی نہ کر سکے اور معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔ اس کے جواب میں مولانا ابو ریحان لکھتے ہیں:

"تیسری گذارش اس سلسلے میں یہ ہے کہ حضرت قاضی صاحب کے نزدیک اس مسلک توقف کے کمزور ترین ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ اس میں حقیقت حال واضح ہی نہیں ہوئی تھی۔ یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ حقیقت حال کے اس عدم وضوح سے کونسا عدم وضوح مراد ہے۔ قطعی یا ظنی الخ (ص ۳۳۲) پھر لکھتے ہیں: بالفاظ دیگر اشتباہ اور تردد وتذبذب اگر تھا تو سب ہی کو تھا اور اگر نہیں تھا تو کسی فریق کو بھی نہیں تھا۔ چنانچہ امام نووی کی یہ تصریح خود حضرت قاضی صاحب نے نقل فرمائی ہے کہ: واما الحروب التی جرت فکانت لکل طائفة شبهة...... واعلم ان سبب الحروب ان القضایا کانت مشتبة فلشدة اشتباهها اختلفت اجتهادهم وصاروا ثلثه الخ

(نووی شرح مسلم ص ۲۷۲ جلد ۲ خارجی فتنہ ص ۵۵۲ ج ۱)

دیکھئے امام نوویؒ بالتصریح فرما رہے ہیں کہ شبہ ہر جماعت کو تھا صرف قضیہ توقف ہی نہیں بلکہ تمام ہی قضایا مشتبہ تھے اور اس شدت اشتباہ کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کے اجتہادات آپس میں مختلف ہو گئے اور ان کی تین جماعتیں ہو گئی تھیں یعنی حضرت

علیؓ، اصحاب جمل وصفین اور حضرات متوقفین (رضی اللہ عنہم) سب کا اجتہاد قضایا کے اشتباہ پر ہی مبنی تھا۔ کسی بھی فریق کا اجتہاد شبہ سے خالی نہ تھا۔ حافظ ابن حجرؒ ایک جگہ حجت علی رضی اللہ عنہ اور حجت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

فعظمت الشبهة حتى اشدّ القتال و كثر القتل فى الجانبين

(فتح الباری ص ۲۸۸۔ ج ۱۳)

ملاحظہ فرمایئے کہ یہاں حافظ الدنیا نے ذکر ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا ہے۔ تیسرے فریق کا یہاں ذکر ہی نہیں۔ اس پر فرماتے ہیں عظمت الشبهة جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شبہ سے خالی اگر موقف توقف نہ تھا تو موقف علی رضی اللہ عنہ وموقف معاویہ رضی اللہ عنہ بھی نہ تھا۔ یہی حال موقف عائشہ رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔ لہٰذا صرف موقف توقف کو ہی اشتباہ اور تردد وتذبذب کے ساتھ خاص کرنا اور پھر اس بنیاد پر اس کو کمزور ترین بنانا بالکل بلا جواز بلا دلیل ہے بلکہ اشتباہ اور تردد وتذبذب سے کسی درجہ میں اگر کسی موقف کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے تو وہ ہمارے نزدیک ہے ہی موقف توقف۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں یا اصحاب رضی اللہ عنہ جمل وصفین ان سب حضرات کو اپنے اپنے موقف کے نتیجے میں ہونے والے مسلمانوں کے خون خرابے پر افسوس ہوا۔ (دیکھئے منہاج السنۃ ص ۱۸۰ ج ۳) لیکن اصحاب رضی اللہ عنہ توقف کو اپنے موقف کے انجام پر قطعاً کوئی افسوس نہیں ہوا کیونکہ ان کے موقف کے نتیجے میں نہ ان کا کچھ بگڑا اور نہ کسی مسلمان کے ہی خون کا ایک قطرہ بھی بہا الخ (سبائی فتنہ ص ۳۳۴۔۳۳۵)

الجواب

(۱) شارح صحیح مسلم امام محی الدین النوویؒ (متوفی ۶۷۶ھ) کی عبارت

جو میں نے خارجی فتنہ میں لکھی تھی مولانا ابو ریحان نے یہاں وہ ساری عبارت نہیں لکھی اور درمیان میں سے ایک عبارت لکھ کر اس کی من گھڑت تشریح پیش کر دی۔ انہوں نے ان القضایا کانت مشتبهةً کے الفاظ کا غلط مفہوم بیان کر کے اپنی بات بنانے کی لا حاصل کوشش کی ہے۔ پوری عبارت حسب ذیل ہے:

واما علی رضی الله عنه فخلافة صحیحة بالا جماع و کان هوا الخلیفة فی وقته لا خلافة لغیره (اور بالا جماع حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح ہے اور اپنے وقت میں وہی خلیفہ تھے اور آپ کے سوا اور کسی کی خلافت نہ تھی)

(ابو ریحان صاحب نے یہ عبارت غالباً اس لیے نہیں لکھی کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ کیا ہے تو ان کی خلافت اس وقت صحیح نہ تھی لیکن ابو ریحان صاحب اس کو کیونکر برداشت کر سکتے ہیں جب کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا ماننے کے لیے بھی آمادہ نہیں)

واما معاویة رضی الله عنه فهو من العدول الفضلا والصحابة النجباء

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عالم، فاضل اور شریف صحابہ میں سے ہیں۔

یہاں امام نووی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کر دی ہے تا کہ کوئی معاند حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق پہلی عبارت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کا پہلو نہ نکال سکے۔)

واما الحروب التی جرَت فکانت لکل طائفةٍ شبهة فاعتقدت تصویب النفسها بسبها و کلهم عدول متاولون

فی حروبهم وغیر ها ولم یخرج شی من ذالک احداً منهم من العدالة لانهم مجتهدون اختلفوا فی مسائل من محل الاجتهاد کما یختلف المجتهدون بعد هم فی مسائل من الدمآء وغیر هما وَلاَ یلزم من ذالک نقص احدٍ منهم (مگر جو جنگیں آپس میں لڑی گئی ہیں تو ان میں ہر گروہ کو ایک شبہ لاحق تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو صواب پر ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور سب صحابہ رضی اللہ عنہ عادل ہیں اور جنگوں وغیرہ کے اختلافات میں تاویل کرنے والے ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی ان میں سے کسی کو (ضعیف) عدالت سے خارج نہیں کرتی کیونکہ وہ مجتہد ہیں۔ انہوں نے ان مسائل میں جو اجتہاد سے تعلق رکھتے تھے اس طرح اختلاف کیا ہے جس طرح ان کے بعد والے مجتہدین نے قصاص وخوں بہا وغیرہ مسائل میں اختلاف کیا ہے اور اس اجتہادی اختلاف کی وجہ سے ان میں سے کسی کے لیے نقص لازم نہیں آتا۔

واعلم ان سبب تلک الحروب ان القضایا کانت مشتبهة فاشدة اشتبا هها اختلف اجتهاد هم وصار واثلثة اقسام اور جاننا چاہیے کہ ان جنگوں کا سبب یہ ہوا کہ سخت اشتباہ کی وجہ سے حالات ومعاملات مشتبہ ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کے اجتہاد میں اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ تین گروہ بن گئے۔

منقولہ بالا عبارتوں میں فکانت لکل طائفةٍ شبهة اور ان القضا یا مشتبهة سے ابوریحان صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ: دیکھئے امام نوی بالتصریح فرما رہے ہیں کہ شبہ ہر جماعت کو تھا۔ صرف قضیہ توقف ہی نہیں بلکہ تمام ہی قضایا مشتبہ

تھے...... جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شبہ سے خالی اگر موقف توقف نہ تھا تو موقف علی رضی اللہ عنہ وموقف معاویہ رضی اللہ عنہ بھی نہ تھا حالانکہ ان کا یہ نتیجہ نکالنا بالکل بے اصل ہے۔ کیونکہ امام نووی کی عبارت فکانت لکل طائفة شبهة کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر گروہ کو اپنے بارے میں شبہ تھا کہ ان کا موقف صحیح ہے یا نہیں بلکہ یہ شبہ ان کو دوسرے حضرات کے بارے میں تھا۔ یعنی وہ یہ سمجھتے تھے کہ فریق مخالف کا موقف صحیح نہیں ہے۔ ابوریحان صاحب اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے بارے میں شبہ ہوتا تو وہ اس شبہ کی بنا پر دوسروں سے قتال کیوں کرتے اور امام نووی نے بھی یہ وضاحت کردی ہے کہ وہ حضرات بھی اپنے اجتہادی موقف کو برحق سمجھتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وصاروا ثلثة اقسام قسم ظهر لهم بالاجتهاد ان الحق فی هذا الطرف وان مخالفه باغ فوجب عليهم نصرته وقتال الباغی عليه فيما اعتقدوه ففعلوا ذلک ولم يكن يحل لمن هذه صفته التاخر عن مساعدة امام العدل فی قتال البغاة فی اعتقاده وقسم عكس هم لاَ ظهرلهم بالاجتهاد ان الحق فی الطرف الآخر فوجب عليهم مساعدته وقتال الباغی عليه (اور وہ تین گروہ بن گئے ایک فریق وہ تھا جن پر اپنے اجتہاد کی وجہ سے یہ ظاہر ہوا کہ حق کہ اس کی طرف ہے اور اس کا مخالف باغی ہے لہٰذا ان کی نصرت واجب ہے اور اپنے اعتقاء میں انہوں نے جس کو باغی قرار دیا تھا اس سے قتال کرنا واجب تھا۔ پس انہوں نے ایسا کیا اور جس کی یہ حالت ہو اس کے لیے باغیوںؒ کے ساتھ جنگ کرنے میں امام عادل کی مدد سے پیچھے ہٹنا حلال نہیں ہے اور ایک فریق ان

کے برعکس تھا۔ ان پر اپنے اجتہاد کی وجہ سے یہ ظاہر ہوا کہ حق دوسری طرف ہے اس لیے اس کی مدد کرنا اور اس کے خلاف جو باغی ہے اس سے لڑنا واجب ہے۔

فرمائیے، امام نوویؒ تو تصریح فرما رہے ہے کہ ان دو گروہوں میں سے جنھوں نے باہمی قتال کیا ہر ایک اپنے اجتہاد کو برحق سمجھتا تھا اس بنا پر وہ دوسرے فریق کو باغی قرار دے کر ان سے لڑنا ضروری سمجھتا تھا لیکن ابو ریحان صاحب اس کے برعکس امام نوویؒ پر بھی یہ الزام تراشی کر رہے ہیں کہ ان کے نزدیک بھی ان دونوں گروہوں میں سے ہر گروہ شبہ اور تردد میں تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اگر مولانا ابو ریحان، امام نوویؒ کی اس واضح عبارت کو سمجھ ہی نہیں سکے تو انہیں کس نے مجبور کیا ہے کہ وہ اس علمی و تحقیقی بحث کے میدان میں کود پڑیں اور اگر انہوں نے امام نوویؒ کی عبارت کو سمجھ تو لیا ہے لیکن اپنی بات بنانے کے لیے تلبیس سے کام لے رہے ہیں تو یہ بھی قابلِ مذمت بات ہے۔ ان دونوں صورتوں میں سے ایک صورت تو بہر حال ان کو اختیار کرنی پڑے گی۔ نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن والا معاملہ بن گیا۔

صحابہ کرامؓ کا فریق ثالث

صحابہ کرامؓ کے ان مذکورہ تین گروہوں میں سے تیسرے فریق کے بارے میں امام نوویؒ لکھتے ہیں:

وقسمٌ ثالث اشتبهت عليهم القضية و تحيروا فيها وَلم يظهر لهم ترجيح احد الطرفين فاعتزل الفريقين و كان هذا الاعتزال هو الواجب فى حقهم لانه لا يَحلّ الاقدام على قتال مسلم حتى يظهرانه مستحق لذالك. ولو ظهر لهؤلآء رجحان احد

الطرفين وانه الحق لما جائزلهم الستاخر عن نصرته في قتال البغاة عليه فكلهم معذورون رضي الله عنهم ولهذا اتفق اهل الحق ومن يعتدبه في الاجماع على قبول شهاداتهم ورداياتهم دكمال عدالتهم رضي اللّٰه عنهم اجمعين (نووی شرح مسلم جلد ثانی ص ۲۷۲ کتاب فضائل الصحابۃ) اور تیسری قسم ان صحابہؓ کی تھی کہ ان پر قضیہ (معاملہ) مشتبہ ہو گیا اور اس میں وہ حیران رہ گئے اور دونوں (گروہوں) میں سے کسی طرف ترجیح دینا ان پر کھل نہ سکا، اس لیے انہوں نے فریقین سے علیحدگی اختیار کی اور ان کی یہ علیحدگی (کنارہ کشی) ان کے حق میں واجب تھی، کیوں کہ جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ وہ جنگ کرنے کا مستحق ہے کسی مسلمان کے خلاف لڑنے کا اقدام کرنا حلال نہیں ہے اور اگر ان حضرات کے لیے کسی ایک طرف کو ترجیح دینا اور اس کا حق پر ہونا واضح ہو جاتا تو ان کے لیے ان کی نصرت سے ہاتھ کھینچ لینا اور اس کے بالمقابل باغیوں سے تلبیس جنگ نہ کرنا جائز نہ ہوتا۔ پس تمام صحابہ اس بارے میں معذور ہیں اس لیے تمام اہلِ حق کا اور ان کا جن کا اجماع میں اعتبار کیا جاتا ہے، اس بات پر اتفاق ہے کہ ان کی شہادتیں اور روایتیں قابلِ قبول ہیں اور ان کی عدالت کامل ہے)۔

یہاں امام نوویؒ نے صحابہ کرامؓ کی اس تیسری قسم کے بارے میں وضاحت کر دی کہ اس قضیہ میں وہ حیران رہ گئے۔ ان پر کوئی بات واضح نہ ہو سکی کہ جس کی بنا پر وہ ان پہلے دو گروہوں میں سے کسی کی مدد کرتے۔ اس لیے وہ دونوں سے کنارہ کش رہے لیکن امام نوویؒ صحابہ کرامؓ کے پہلے دونوں گروہوں کے بارے میں یہ نہیں فرماتے کہ وہ بھی حیران رہ گئے اور ان پر اپنے اجتہاد کی بنا پر کوئی پہلو کھل نہ سکا بلکہ ان کے بارے میں تصریح فرماتے ہیں کہ:

قسم ظهر لهم بالاجتهاد ان الحق في هذا لطرف وان مخالفه باغ فوجب عليهم نصرته الخ (ایک فریق وہ تھا جن پر اپنے اجتہاد کی وجہ سے یہ ظاہر ہوا کہ حق اس طرف ہے اور اس کا مخالف باغی ہے لہٰذا ان کی نصرت واجب ہے۔

اس کے باوجود ابو ریحان صاحب کا یہ لکھنا کہ کسی بھی فریق کا اجتہاد شبہ سے خالی نہ تھا اور پھر یہ لکھنا کہ۔ لہٰذا صرف موقف توقف کو ہی اشتباہ اور تردد و تذبذب کے ساتھ خاص کرنا اور پھر اس بنیاد پر اس کو کمزور ترین بنانا بالکل بلا جواز اور بلا دلیل ہے۔ ان کی خود ساختہ (من گھڑت) تشریح ہے جس کا امام نودیؒ کی عبارت سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) اور ابو ریحان صاحب یہ بھی تو سمجھیں کہ اگر صحابہ کرامؓ کے تینوں گروہوں کو اپنے اپنے اجتہاد میں تردد و تذبذب تھا تو پھر تینوں کے مسلک کو توقف کا مسلک قرار دینا چاہیے لیکن خود ابو ریحان بھی اس تیسرے گروہ کے مسلک کو توقف کا مسلک قرار دیتے ہیں۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

(۳) ابو ریحان صاحب نے امام نوویؒ کی عبارت کے ان الفاظ کا مطلب بھی غلط سمجھا ہے کہ: ان سبب الحروب ان القضايا كانت مشتبهة (صرف قضیہ توقف ہی نہیں بلکہ تمام ہی قضایا مشتبہ تھے۔ (سبائی فتنہ ص ۳۳۴) حالاں کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت کے حالات اور واقعات بہت پیچیدہ ہو گئے تھے۔ قرآن کے موعودہ تیسرے خلیفہ راشد شہید ہو چکے تھے۔ مدینہ منورہ پر سبائی بلوائیوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص بھی لازم تھا۔ پیچیدہ حالات کی وجہ سے قاتلین کا قصاص لینا آسان نہ تھا۔ ان حالات میں

صحابہ کرامؓ میں اجتہادی اختلاف پیدا ہو گیا۔ تو یہ اجتہادی اختلاف قضایا یعنی معاملات کے اشتباہ کی وجہ سے تھا نہ یہ کہ صحابہؓ کے پہلے دونوں گروہوں کو اپنے اپنے اجتہاد میں شبہ تھا۔

امام نوویؒ کا مسلک

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان تینوں گروہوں کے اجتہادی موقف کو بیان کرنے کے بعد امام نودی اہل سنت کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وکان علی رضی اللہ عنہ هو الحق و المصیب فی تلک الحروب هذا مذهب اهل السنة (نودی جلد ثانی۔ کتاب الفتن ص ۳۹۰)

اور ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حق وصواب پر تھے۔ کاش! کہ مولانا ابوریحان امام نوویؒ کی یہ عبارت بھی اپنی کتاب سبائی فتنے میں درج کر دیتے۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی تشریح

میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے مذکورہ تینوں گروہوںؓ کے اجتہادی اختلاف کے سلسلے میں خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۵۱ پر امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کی حسب ذیل عبارت بھی پیش کی ہے۔

☆☆☆

نزد اکابر اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم
اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ
والتسلیمات دروقت منازعات
ومحاربات یکدگر سہ گروہ بودند۔ جمعے
بدلیل واجتہاد حقیقت جانب امیر را
معلوم نمودہ بوند جمعے دیگر بدلیل
واجتہاد حقیقت جانب دیگر رایافتہ
وطائفہ دیگر متوقف بودند وہیچ جانب
رابدلیل ترجیح ندادہ پس طائفہ اولیٰ
نصرت جانب امیر واجب آمد کہ موافق
اجتہاد ایشاں است وبرطائفہ دوم
نصرت بجانب مخالف امیر لازم آمد کہ
مودّی اجتہاد است وبرطائفہ سوم
توقف لازم آمد ترجیح یکے بر دیگرے
خطا۔ پس ہر سہ فرقہ بمقتضائے اجتہاد
خود عمل نمودندہ آنچہ بہ ایشاں لازم و
واجب بود بجا آوردند پس

اکابر اہل سنت کے نزدیک (اللہ تعالیٰ
ان کی کوششیں قبول فرمائیں) باہمی
جھگڑوں اور لڑائیوں کی وجہ سے صحابہ
کرام رضی اللہ عنہ کے تین گروہ ہو گئے
تھے۔ ایک گروہ نے اپنی دلیل اور
اجتہاد کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ
کا حق پر ہونا معلوم کر لیا۔ دوسرے
گروہ نے اپنی دلیل اور اجتہاد کی بنا پر
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف
رکھنے والوں کا حق پر ہونا معلوم کیا اور
تیسرے گروہ نے اس میں توقف
اختیار کیا اور وہ دلیل کی بنا پر کسی ایک
جانب کو ترجیح نہ دے سکے۔ پس پہلے
گروہ کے لیے اپنے اجتہاد کی بنا پر
حضرت امیر رضی اللہ عنہ (علی) کی
نصرت واجب ہو گئی اور دوسرے
گروہ پر حضرت امیرؓ

ملامت چہ گنجائش دارد و طعن چہ مناسب بود۔ (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی طبع قدیم ص ۵۳ مکتوب نمبر ۳۶)	کے مخالف جانب نصرت واجب ہو گئی کیوں کہ ان کے اجتہاد کا یہی تقاضا تھا اور تیسرے گروہ پر توقف لازم ہوا کیوں کہ وہ اپنے اجتہاد و دلیل کی بنا پر کسی کو ترجیح نہ دے سکے (اس لیے وہ کسی کی نصرت نہیں کر سکتے تھے۔ پس صحابہ کرامؓ کے ہر سہ گروہ نے اپنے اجتہاد کی بنا پر عمل کیا اس لیے کسی کو ملامت کرنے کی گنجائش نہیں اور نہ کسی پر طعن کرنا مناسب ہے۔

(ب) اس کے بعد حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:

لیکن جمہور اہل سنت بدلیلے کہ برایشاں ظاہر شدہ باشد تبرا تند کہ حقیقت در جانب امیر بودہ و مخالف او راہِ خطا را پیمودہ لیکن ایں خطا چوں خطائے اجتہادی است از ملامت و طعن دور است۔ الخ	لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل کی بناء پر جو ان پر ظاہر ہوئی ہے یہ مسلک رکھتے ہیں کہ حق حضرت علیؓ کی جانب تھا اور آپ کے مخالف راہِ خطا پر چلے ہیں لیکن ان کا اختلاف چونکہ اجتہاد پر مبنی ہے اس لیے اس خطا کی وجہ سے ان پر لعن و طعن نہیں کی جا سکتی۔

حضرت مجدد الف ثانی نے بھی صحابہ کرامؓ کے تیسرے گروہ کے متعلق یہی فرمایا ہے کہ وہ اپنے اجتہاد و دلیل کی بنا پر پہلے دو گروہوں میں سے کسی کو ترجیح نہ دے سکے۔

امام اسفرائینیؒ:

امام ابوالحسن اشعری کے شاگرد امام ابواسحٰق اسفرائینی (متوفی ۲۲۴) کی عبارت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مؤلف تفسیر معارف القرآن نے مقام صحابہؓ میں مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں نقل کی ہے جس میں صحابہ کرامؓ کے تینوں گروہوں کے اجتہادی اختلاف کے بارے میں لکھتے ہیں:

وسبب تلک الحروب اشتباه القضايا فلشدة اشتبا هها اختلفه اجتهادهم و صاروا ثلاثه اقسام قسيم ظهرلهم اجتهاد ان الحق فی هذا الطرف وان المخالفه با غ فوجب عليه نصرة الحق و قتال الباغی عليه فيما اعتقدوه ففعلوا ذلک ولم يكن لمن هذا صنعة التاخر عن مساعده الامام العادل فی قتال البغاة فی اعتقادهم. وقسم عكسه سواء بسواء. وقسم ثالث اشتبهت عليهم القضيه فلم يظهرلهم ترجيح احد الطرفين فاعتزلوا الفريقين كان هذا الاعتزال هو الواجب فی حقهم لانه لايحل الاقدام على قتال مسلم حتى يظهر ما يوجب ذلک و بالجملة فكلهم معذورون و ماجورون لا مازرون. الخ

ترجمہ: اور درحقیقت ان جنگوں کا سبب معاملات کا اشتباہ تھا۔ یہ اشتباہ اتنا شدید تھا کہ صحابہؓ کی اجتہادی آراء مختلف ہو گئیں اور وہ تین قسموں میں بٹ گئے۔ صحابہ کی ایک جماعت تو وہ تھی جس کے اجتہاد نے اسے اس نتیجہ تک پہنچایا کہ حق فلاں فریق کے ساتھ ہے اور اس کا مخالف باغی ہے۔ لہٰذا اس پر اپنے اجتہاد کے مطابق برحق فریق کی مدد کرنا اور باغی فریق سے لڑنا واجب ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ظاہر ہے کہ جس شخص کا حال یہ ہو اس کے لیے ہرگز

مناسب نہیں تھا کہ امام عادل و برحق کی مدد اور باغیوں سے جنگ کے فریضے میں کوتاہی کرے۔ دوسری قسم اس کے برعکس ہے اور اس پر بھی تمام وہ باتیں صادق آتی ہیں جو پہلی قسم کے لیے بیان کی گئی ہیں۔ صحابہ کی ایک تیسری جماعت وہ تھی جس کے لیے کچھ فیصلہ کرنا مشکل تھا اور اس پر یہ واضح نہ ہو سکا کہ فریقین میں سے کس کو ترجیح دے۔ یہ جماعت فریقین سے کنارہ کش رہی اور ان حضرات کے حق میں یہ کنارہ کشی ہی واجب تھی۔ اس لیے کہ جب تک کوئی شرعی وجہ واضح نہ ہو کسی مسلمان کے خلاف قتال کا اقدام حلال نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ تمام صحابہ معذور اور ماجور ہیں، گناہگار نہیں۔ الخ

(مقام صحابہؓ ص ۱۰۷۔۱۰۸ بحوالہ شرح عقائد اسفرائینیؒ ج ۲، ص ۳۸۶)

یہاں امام اسفرائینیؒ نے بھی صحابہ کرامؓ کے تیسرے گروہ (متوقفین) کے بارے میں وہی لکھا ہے جو امام نوویؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے یعنی ان صحابہؓ پر یہ واضح نہ ہو سکا کہ فریقین میں سے کس کو ترجیح دے۔ علاوہ ازیں امام اسفرائینی نے بھی مشاجرات صحابہ میں اپنا مسلک واضح کر دیا ہے۔ چنانچہ منقولہ بالا عبارت کے شروع میں یہ لکھتے ہیں:

فانه ای التخاصم والنزاع و التقاتل والدفاع الذی جری بنیهم کان عن اجتهاد قد صدر عن کل واحد من الرؤسین الفریقین و مقصد سائغ لکل فرقة من الطائفتین وان کان المصیب فی ذالک واحد هما وهو علی رضوان الله علیه ومن والاه الخطئی هو من نازعة وعاداه غیران المخطی فی الاجتهاد اجراً و ثواب خلافاً لاهل الجفاء والعناد فکل ماصح محاجری بین الصحابة الکرام وجب حمله. علی وجه ینفی عنهم الذنوب والآثام. الخ

اس لیے کہ جو نزاع و جدال اور دفاع و قتال صحابہؓ کے درمیان پیش آیا وہ اس اجتہاد کی بنا پر پیش آیا جو فریقین کے سرداروں نے کیا تھا اور فریقین میں سے ہر ایک کا مقصد اچھا تھا۔ اگرچہ اس اجتہاد میں برحق فریق ایک ہی ہے اور وہ حضرت علیؓ اور ان کے رفقاء ہیں اور خطا پر وہ حضرات ہیں جنہوں نے حضرت علیؓ سے نزاع و عداوت کا معاملہ کیا۔ البتہ جو فریق خطا پر تھا اسے بھی ایک اجر و ثواب ملے گا۔ اس عقیدہ میں صرف اہل جفاء و عناد ہی اختلاف کرتے ہیں۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کے درمیان مشاجرات کی جو صحیح روایات ہیں ان کی بھی اس میں تشریح کرنا واجب ہے۔ جو ان حضرات سے گناہوں کے الزام کو دور کرنے والی ہو۔ الخ

(ایضاً مقامِ صحابہؓ، ص ۱۰۴)

یہاں امام اسفرائینیؒ نے صراحتاً حضرت علیؓ اور ان کی جماعت کو مصیب اور ان کے فریق مخالف کو مخطی قرار دیا ہے۔ مولانا ابو ریحان امام موصوف کے یہ الفاظ بھی پیشِ نظر رکھیں۔

والخطی ھو من نازعہ و عاداہ	اور خطا کرنے والے وہ تھے جنہوں نے حضرت علیؓ سے نزاع کیا اور عداوت (دشمنی) کی۔

ابو ریحان الفاظ سے ہٹ جائیں گے تو ضرور۔ اب انہوں نے ہی یہ فیصلہ کرنا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت کی حضرت علی سے یہ عداوت صورتاً تھی یا حقیقتاً۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ محدث کی حسب ذیل عبارت بھی مولنا ابو ریحان نے پیش کی ہے: فعظمت الشبھۃ حتی اشتد القتال و کثر القتل فی

الجانبین ۔الخ (فتح الباری ص ۲۸۸۔ج ۳) ملاحظہ فرمایئے یہاں حافظ الدنیا (یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی) نے ذکر ہی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ (رضی اللہ عنہما) کا کیا ہے۔تیسرے فریق کا یہاں ذکر ہی نہیں۔الخ (ص ۳۴۵) (الجواب) یہاں تیسرے فریق کے ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کیوں کہ جن فریقین کے درمیان قتال ہوا ہے انہی کا ذکر ہے اور عظمت الشبهۃ سے مراد بھی قضایا اور معاملات میں اشتباہ کا واقع ہونا ہے نہ یہ کہ ان حضرات کو اپنے اپنے اجتہادی شبہ تھا۔اگر ان کو اس قسم کا شبہ ہوتا تو وہ باہمی جنگ وقتال کیوں کرتے؟ کاش کہ مولانا ابوریحان اس کے ساتھ ہی حافظ ابن حجر محدثؒ کی حسبِ ذیل عبارت بھی پیش کر دیتے:

وذهب جمهور اهل السنة الى تصويب من قاتل مع عليؓ لامتثال قوله تعالى وَاِنْ طائفتان مِنَ المومنين اقتتلو الآية و فيها الامر بقتال الفئة الباغية و قد ثبت ان من قتال علياً كانوا بغاة وهولآء مع هذا التصويب متفقون على انه لاينام واحد من هولاء بل يقولون اجتهدوا واخطؤا و ذهب طائفة قليلة من اهل السنة وهو قول كثير من المعتزلة الى ان كلا من الطائفتين مصيب و طائفة الى ان المصيب طائفة لا بعينها (فتح الباری جلد ۱۳ کتاب الفتن ص ۵۸)

اور جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ جو حضرت علیؓ کے ساتھ ہو کر لڑنے والے ہیں وہ صواب پر تھے (یعنی ان کا اجتہاد صحیح تھا) کیوں کہ انہوں نے اس آیت پر عمل کیا تھا کہ: اگر مومنین میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو الخ (سورۃ الحجرات) اور اس آیت میں باغی گروہ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہے اور تحقیق یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جنہوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ لڑائی کی ہے وہ باغی تھے

اور یہ حضرات (یعنی جمہور اہل السنّت والجماعۃ) باوجود حضرت علیؓ اور ان کے گروہ کو صواب پر قرار دینے کے اس امر پر بھی متفق ہیں کہ جنہوں نے ان سے جنگ کی ہے، وہ قابلِ مذمت نہیں ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد کیا جس میں ان سے خطا ہوگئی اور اہل سنت میں سے ایک قلیل گروہ کا یہ مسلک ہے۔ اور اکثر معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ دونوں گروہ صواب پر تھے اور ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ ان میں سے بلاتعین ایک گروہ صواب پر ہے۔ الخ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی منقولہ بالا عبارت خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۶۰۲-۶۰۳ پر درج کردی ہے۔ مولانا ابوریحان تو حیران ہوں گے اور حافظ ابن حجرؒ کو دل ہی دل میں تو ضرور کوستے ہوں گے کہ اس اللہ کے بندہ نے بھی حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والوں کو باغی قرار دے دیا ہے۔ جی ہاں یہ وہی حافظ الدنیا (حافظ ابن حجر) ہیں جن کی عبارت اسی فتح الباری سے آپ نے اپنی کتاب ص ۳۳۵ پر درج کی ہے۔ اب ابوریحان خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والوں کی بغاوت صورتاً تھی یا حقیقتاً؟

مولانا ابوریحان متو کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: بلکہ اشتباہ اور تردد و تذبذب سے کسی درجہ میں اگر کسی موقف کو مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے تو وہ ہمارے نزدیک ہے ہی موقف توقف۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی ہوں یا اصحابِ جمل وصفین، ان سب حضرات کو تو اپنے اپنے موقف کے نتیجہ میں ہونے والے مسلمانوں کے خون خرابے پر افسوس ہوا (دیکھئے منہاج السنۃ ص ۱۸۰ ج ۳) لیکن اصحاب توقف کو اپنے موقف کے انجام پر قطعاً کوئی افسوس نہ ہوا کیوں کہ ان کے موقف کے نتیجہ میں نہ ان کا کچھ بگڑا اور نہ ہی کسی مسلمان کے خون کا ایک قطرہ بھی بہا۔ الخ (ص ۳۳۵)۔ اسی سلسلہ میں مولانا ابوریحان لکھتے ہیں:

''نیز مشاجراتی مواقف میں قوی اور ضعیف کی تعیین اگر اتنی ہی ضروری ہے تو پھر بلاتردد و تذبذب ہماری چوتھی گزارش یہ ہے کہ پھر احوط و اسلم۔ اولی و احسن اور اقوی و اتقف مسلک ہے ہی مسلک توقف''۔ (ص ۳۳۸)

تبصرہ:

اگر آپ امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ اکابر کی عبارتوں سے صحابہؓ کے تیسرے گروہ کے توقف کو احوط و اسلم وغیرہ ثابت کر رہے ہیں تو یہ آپ کی انتہائی کم عقلی اور کم فہمی ہے کیوں کہ جن اکابر کی میں نے عبارتیں نقل کی ہیں ان میں سب نے یہی لکھا ہے کہ ان حضرات صحابہؓ کو تردد و تذبذب ہی رہا۔ ان پر اپنے اجتہاد کی بنا پر کوئی بات واضح ہو سکی تو تردد و تذبذب والے موقف کو کون عقل مند اقوی اور اولی قرار دے سکتا ہے۔ اس لیے میں نے لکھا تھا کہ توقف والا مسلک سب سے کمزور ترین مسلک ہے۔ آپ کسی بھی عربی دان اور عالم کے سامنے اکابر کی منقولہ بالا عبارتیں پیش کریں اور پھر ان سے فیصلہ لیں کہ ان عبارتوں کا کیا مطلب ہے؟ باقی رہا آپ کا توقف اور امساک کے قوی ترین مسلک ہونے پر یہ حدیث نبوی پیش کرنا کہ **اذا ذکر اصحابی فاسکوا** (جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو رُک جاؤ) تو اس حدیث کا تعلق تو صحابہ کرامؓ کے تیسرے گروہ متوقفین سے ہے ہی نہیں کیوں کہ یہاں تو یہ ہے کہ تم صحابہ کرامؓ کے مشاجرات کا تذکرہ ہی نہ کرو) کہاں تذکرہ کرنا اور کہاں صحابہ کی باہمی جنگ و قتال میں تردد و تذبذب کی بنا پر کسی بھی فریق کا ساتھ نہ دینا۔ یہ دونوں باتیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

(۲) اگر حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم نے ان جنگوں کے نتیجے میں ندامت و پشیمانی کا اظہار کیا تھا تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے موقف کو خلافِ حق قرار دیتے تھے بلکہ ان کو افسوس ان ہزاروں مسلمانوں

کے قتل و شہادت پر ہوا اور اہلِ اسلام کی باہمی خیر خواہی اور ہمدردی کا یہ طبعی تقاضا تھا۔ چنانچہ مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

> ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (اس قتال میں حق پر ہونے کے باوجود) بہت سے پیش آنے والے واقعات پر ندامت کا اظہار فرمایا''۔ (مقامِ صحابہؓ ص ۱۲۹)

اور وہ بطور افسوس اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ کاش یہ واقعات پیش نہ آتے۔ مقرباں رابیش بود حیرانی عارفانہ مقولہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا رونا وغیرہ اور **ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا النکونن من الخاصرین**۔ اسی قربِ خداوندی کی بنا پر ہے حالاں کہ انہوں نے جو درخت کا پھل کھایا تھا تو وہ بوجو نسیان تھا نہ بطور عمد۔ اگر انبیائے معصومین کا یہ حال ہے تو اگر حضرت علیؓ وغیرہ غیر معصومین اس قسم کے واقعات پر اظہارِ افسوس کریں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

(۳) ہم مولانا ابو ریحان سے پوچھتے ہیں کہ منصب خلافت راشدہ موعودہ پر متمکن ہونے کے بعد حضرت علیؓ کی طرف سے باہمی جنگ سے بچنے کے لیے اور کیا صورت ہو سکتی تھی؟

(۴) آپ نے سبائی فتنہ حصہ اوّل کی ضخیم کتاب میں اپنے موقف کی تائید کے لیے آیات بھی پیش کی ہیں اور احادیث بھی، لیکن میری نظر سے نہیں گزرا کہ آپ نے سورۃ الحجرات کی یہ آیت کہیں پیش کی ہو۔ **وان طائفتان من المومنین اقتلوا فا صلحوا بینھما الآیۃ**۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ حالاں کہ صحابہ کرام کے اس باہمی جنگ وقتال کے فیصلے کے لیے یہی بنیادی آیت ہے اور حافظ

ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ نے بھی یہی آیت پیش کی ہے۔

ریحانی لطیفہ

مشاجراتِ صحابہؓ کے سلسلے میں ریحانی لطیفہ یہ ہے کہ مولانا ابو ریحان لکھتے ہیں کہ ''اصحاب توقف کو اپنے موقف کے انجام پر قطعاً کوئی افسوس نہیں ہوا۔ ان کے موقف کے نتیجے میں نہ ان کا کچھ بگڑا اور نہ کسی مسلمان کے ہی خون کا ایک قطرہ بھی بہا۔'' یہ ٹھیک ہے کہ ان کی وجہ سے کسی مسلمان کا کوئی ایک قطرہ خون کا بھی نہیں بہا لیکن ان کو ان ہزاروں مسلمان مقتولین پر بھی کوئی دُکھ اور افسوس نہیں ہوا ہوگا۔

متوقفین صحابہ کی تعداد:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں، **ومن ثم کان الذین توقفو عن القتال فی الجمل و الصفین اقل عدداً من الذین قاتلوا و کلهم متاول ماجوراً انشاء اللّٰه**۔ الخ (فتح الباری جلد ۳، ص ۲۹) اور اس وجہ سے جن حضرات نے جنگ جمل اور صفین میں توقف کیا ہے ان کی تعداد بہ نسبت ان صحابہ کے بہت قلیل تھی جنہوں نے ان جنگوں میں حصہ لیا ہے۔

☆☆☆

امام نودی، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی اور امام اسفرائینی وغیرہ اکابر نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے تین گروہوں میں سے پہلے دو گروہوں کو اپنے اپنے اجتہاد میں کوئی تردد و تذبذب نہیں تھا بلکہ اپنے اجتہاد کی بنا پر جو حق ظاہر ہوا انہوں نے اسی پر عمل کیا۔ لیکن تیسرے گروہ کو واقعی اپنے اجتہاد میں تردد و تذبذب لاحق تھا اور وہ فریقین میں سے کسی کی نصرت کے لیے کوئی فیصلہ نہ کر سکے اس لیے وہ غیر جانبدار رہے اسی سلسلے میں مولانا ابو ریحان آگے

چل کر لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ حضرت علیؓ اور اصحاب جمل وصفین (رضی اللہ عنہم) کے اجتہادی مواقف پر گفتگو کرنے کے بعد غیر جانبدار صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اجتہادی موقف کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پہلے تو یہ بتاتے ہیں کہ: ''باقی رہا ایک مسئلہ جو نہایت دقیق ہے اور اس مسئلہ میں اکثر لوگوں کے قدم لغزش کھا گئے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد سے تخلف کرنے والے مجتہد مصیب تھے یا مجتہد مخطی ومعذور'' اور پھر اس نہایت دقیق مسئلہ سے متعلق اپنی تحقیق انیق یوں پیش کرتے ہیں کہ ''وآنچہ درپیش بندہ محقق شدہ است آنست کہ متخلفاں آخذ بعزیمت بودند متمسک بصریح احادیث صحیحہ متواتر المعنی (بندہ کے نزدیک محقق بات یہ ہے کہ تخلف کرنے والے عزیمت پر کاربند تھے اور صریح احادیث سے جو صحیح اور متواتر المعنی میں دلیل پکڑے ہوئے تھے (ازالۃ الخفاء مترجم ص ۵۲۷ ج ۴) پھر آگے صریح وصحیح اور متواتر المعنی احادیث ذکر فرماتے ہیں اور یہ بات محتاج ثبوت وبیان نہیں کہ ان حضرات متخلفین نے جس طرح عملاً مشاجرات میں حصہ نہیں لیا قولاً بھی کسی جماعت پر خطا وصواب کا حکم نہیں لگایا بلکہ جس طرح عملاً متوقف رہے اسی طرح قولاً بھی امساک وتوقف ہی کو انہوں نے اپنایا خواہ اس لیے کہ قطعی طور پر کسی جماعت کا مخطی ومصیب ہونا ان پر واضح ہی نہیں ہوا تھا یا واضح تو ہوگیا تھا لیکن اس کے باوجود قولاً بھی توقف کو ہی انہوں نے مناسب خیال کیا۔ الغرض کوئی صورت بھی ہوئی ہو بہر صورت ان حضرات متخلفین سے عام طور پر

قولاً بھی کسی جماعت پر خطا وصواب کا حکم لگانا ثابت نہیں۔ لہذا ان کے فعلی توقف وتخلف کی طرح ان کا قولی امساک وتوقف بھی احادیث صریحہ وصحیحہ متواتر المعنی پر ہی مبنی سمجھا جائے گا۔ حضرت قاضی صاحب نے تو فرماتے ہیں کہ متوقفین متخلفین حضرات صحابہ پر چونکہ معاملہ مشتبہ ہوگیا تھا اور ان پر حقیقت حالی واضح ہی نہ ہوئی تھی وہ تردد وتذبذب میں پڑے ہوئے تھے اس لیے یہ موقف کمزور ترین موقف ہے لیکن حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ واشگاف الفاظ میں تصریح فرمارہے ہیں کہ ان حضرات کا موقف کسی اشتباہ اور تردد وتذبذب پر مبنی نہ تھا بلکہ صریح اور صحیح متواتر المعنی احادیث پر مبنی تھا اور کمزور ترین ہونا تو دور کی بات ہے نرا کمزور بھی نہ تھا بلکہ عزیمت اور اس موقع پر اصل حکم نبویؐ یہی موقف تھا۔ (ص ۳۵۳۔۳۵۴)

الجواب

(۱) میں نے اپنی طرف سے تو متوقفین حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو تردد وتذبذب پر مبنی نہیں کہا بلکہ میں نے امام نووی، حضرت مجدد الف ثانی اور امام اسفرائینی رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتیں پیش کی ہیں جن میں ان حضرات نے یہی فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ تردد وتذبذب والے موقف کو اقوی واحوط وغیرہ نہیں کہہ سکتے۔

(۲) خود مولانا ابوریحان صاحب نے تو امام نوویؒ کی عبارت سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ صحابہؓ کے ان تینوں گروہوں کو اپنے اپنے اجتہاد میں شبہ لاحق تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ: دیکھئے امام نووی تصریح فرمارہے ہیں کہ شبہ ہر جماعت کو تھا الخ (ص ۳۴۴) اور اس سے پہلے اسی صفحہ پر یہ لکھ چکے ہیں کہ: بالفاظ دیگر اشتباہ

وتردد و تذبذب اگر تھا تو سب ہی کو تھا اور اگر نہیں تھا تو کسی فریق کو بھی نہ تھا الخ تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی منقولہ عبارت تو آپ کی بیان کردہ تشریح کے بھی خلاف پڑتی ہے پھر آپ نے حسب تصریح شاہ صاحب دہلوی کی صریح وصحیح متواتر المعنیٰ احادیث کے خلاف ایسی تشریح کیوں فرمائی۔ کیا اس وقت حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ عبارت آپ پیش نظر نہ تھی اور بعد میں معلوم ہوئی؟

(۳) آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث کی عبارت کی تشریح میں یہ لکھا ہے کہ ''ان حضرات متخلفین نے جس طرح عملاً مشاجرات میں حصہ نہیں لیا قولاً بھی کسی جماعت پر خطا وصواب کا کوئی حکم نہیں لگایا۔ خواہ اس لیے کہ قطعی طور پر کسی جماعت کا مخطی ومصیب ہونا ان پر واضح ہی نہیں ہوا تھا یا واضح تو ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود قولاً بھی توقف کو ہی انہوں نے مناسب خیال کیا الخ (ص ۳۵۳) یہاں آپ نے صراحتاً مان لیا کہ اجتہادی اختلاف میں کسی مجتہد پر قطعی طور پر مصیب یا مخطی ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے لیکن آپ ہی اس کے برعکس بعنوان: ''**اجتہادیات سے متعلق اہل سنت کے اصول اربعہ**'' لکھتے ہیں کہ:

اصحاب جمل وصفین اور خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کی اجتہادی خطا کے سلسلے میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ نے اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر لگا دیا ہے کہ یہ حضرات ایسے مجتہد مخطی ہیں کہ ان کو مخطی کہے بغیر نہ کوئی چارہ ہے اور نہ اس کے علاوہ صحیح راہ ہے اور یہی قوی ترین نیز اہل سنت کا ممتاز مذہب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مجتہدین کے اجتہادات میں خطا وصواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور مجتہدین میں سے کسی کو مخطی اور کسی کو مصیب کہا جا سکتا ہے لیکن اس میں اجتہادی خطا وصواب کو زبان وقلم پر لانے اور اس کی تعیین کے علماء اہلسنت نے چند اصول بیان فرمائے ہیں جن کی پابندی اس دوران نہایت

ضروری ہے۔ وہ اصول پہلے مجملاً اور پھر مفصلاً پیش خدمت ہیں۔ (اصل اصول) ائمہ مجتہدین کے اجتہادات سے متعلق یہ بات اصولی طور پر طے شدہ ہے کہ ہر ایک مجتہد کے اجتہاد میں احتمال تو گو صواب وخطا دونوں کا ہوتا ہے لیکن وحی کا دروازہ بند ہو چکنے کے بعد اب اس صواب وخطا کی حتمی اور قطعی تعیین نہ قیامت تک ہو سکتی ہے اور نہ یہ راز قیامت کے دن ہی اللہ تعالیٰ کھولیں گے۔ کسی کو مصیب یا مخطی جو کہا جاتا ہے تو محض ظناً نہ کہ حتماً وقطعاً۔ لیکن اس کے برخلاف حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے حضرت علیؓ اور اصحاب جمل وصفین بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرات حکمین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے اجتہادی صواب وخطا کی حتمی وقطعی تعیین میں اپنی ساری کوشش صرف کر دی ہے۔ (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۱۴۔۱۵) اس کے بعد انہوں نے تفصیلاً اس پیش کردہ اصل اجتہاد کی تائید میں اہل السنّت والجماعت کی کتابوں کی متعدد عبارتیں پیش کی ہیں بلکہ میرے پیش کردہ مسلک کو خلاف اصول اہلسنت ثابت کرنے کے لیے انہوں نے ساری کتاب میں جا بجا اس مذکورہ اصل کو پیش فرمایا ہے لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی منقولہ عبارت کی تشریح میں متوقفین صحابہ کے متعلق جو یہ لکھ دیا ہے کہ "خواہ اس لیے کہ قطعی طور پر کسی جماعت کا مخطی ومصیب ہونا ان پر واضح ہی نہیں ہوا تھا یا واضح تو ہو گیا تھا" الخ اس سے انہوں نے اپنے مسلک کی بنی بنائی عمارت کی بنیاد کو خود اپنے ہاتھوں سے ہی گرا دیا ہے کیونکہ اس میں دونوں پہلوؤں کی وضاحت کی ہے یعنی ان حضرات پر دوسرے صحابہ کرام کا مصیب یا مخطی ہونا یا قطعی طور پر واضح ہی نہیں ہوا تھا یا (قطعی طور پر) واضح تو ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود قولاً بھی توقف کو ہی انہوں نے مناسب خیال کیا الخ

(۲) جن صریح اور صحیح متواتر المعنی احادیث کی بنا پر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہ

نے موقف اختیار کیا اور ان جنگوں میں حصہ نہیں لیا تو کیا یہ متواتر المعنی احادیث حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو نہیں پہنچی تھیں اس لیے انہوں نے ان پر عمل نہ کیا۔ اس صورت میں تو وہ معذور تھے لیکن اگر یہ احادیث ان کو پہنچ چکی تھیں لیکن انہوں نے ان پر عمل نہ کیا تو کیا ان کو مخالف احادیث نبویؐ قرار دیا جائے گا یا یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ احادیث مختلف مواقع سے متعلق ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ان پر اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا ہے۔ اس لیے جو امر اصحاب توقف کے نزدیک عزیمت تھا وہ ان حضرات کے لیے عزیمت نہ تھا۔ اصحاب توقف کے لیے توقف کرنا اگر عزیمت تھا اور ان جنگوں میں شامل ہونا رخصت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعتوں کے نزدیک اس جنگ میں حصہ لینا عزیمت بلکہ ضروری اور ان میں حصہ نہ لینا رخصت تھا۔ اس لیے حضرت شاہ ولی اللہ کی منقولہ عبارت سے یہ نتیجہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ فی الواقع صحابہؓ کے اس تیسرے گروہ کا اجتہاد پہلے دو گروہوں کے اجتہاد سے بہتر تھا اور بہر حال توقف میں ہی بقول مولانا ابو ریحان احوط اور اسلم موقف ہے۔

اصحاب توقف مختلف الرائے تھے

دور فتنہ کے متعلق جو احادیث حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری جلد ۱۳ میں نقل کی ہیں وہی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں لکھی ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ غیر جانبدار رہے ان کے اندر بھی اختلاف رائے پایا جاتا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: **وکان رای ابن عمر ترن القتال فی الفتنۃ ولو ظہران احدی الطائفتین محقۃ والاخری مبطلۃ** (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۴۰) اور حضرت عبداللہ عمر

رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ دور فتنہ میں جنگ نہ کی جائے اگرچہ یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ ان دونوں گروہوں میں سے ایک حق پر ہے اور دوسرا باطل پر۔

(۲) صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا تواجه المسلمان بینهما کلما هما من اهل النار. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کریں تو دونوں جہنمی ہیں اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: واجتح بامن معالم یر القتال فی المفتنة وهم کل من ترک القتال مع علی رضی الله عنه فی حروبه کسعد بن ابی وقاص، عبدالله بن عمرو محمد بن مسلمة و ابی بکره وغیر هم وقالوا ایحبب الکن حتی لو ارادهٌ قتله لم یرفعه عن نفسه. ومنهم من قال لایدهل فی الفتنة فان اراد احد فتله دفع عن نفسه (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۲۸) اور اس حدیث سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو فتنہ میں جنگ کو جائز نہیں قرار دیتے اور یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگوں میں ان کے ساتھ ہو کر لڑائی نہیں کی مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت محمد بن مسلم اور حضرت ابو بکر وغیرہم اور انہوں نے کہا کہ جنگ وقتال سے رک جانا واجب ہے حتی کہ اگر کوئی شخص ان کے قتل کا ارادہ کرے تو وہ اپنی طرف سے دفاع نہ کرے اور ان حضرات میں سے بعض کا یہ قول ہے کہ فتنہ میں خود تو داخل نہ ہو اور اگر کوئی اس کے قتل کا ارادہ کرے تو وہ اپنی طرف سے دفاع کرے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دور فتنہ کے متعلق جو احادیث وارد ہیں ان سے متوقفین صحابہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا جدا جدا استنباط کیا ہے اور اس کے بارے میں ان کی آراء متحد نہیں تھیں۔

(۳) اصحاب توقف کے اقوال نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وذهب جمهور الصحابة والتابعين الى وجوب نصر الحق وقتال الباغين وحمل هئولاء الاحاديث ارده فى ذلك على من ضعف على القتال اوقصر نظره عن معرفة صاحب الحق. اواتفق اهل السنة على وجوب منع الطعن على احد من الصحابة بسبب ماوقع لهم من ذلك ولوعرف الحق منهم لا نهم كم يقاتلوا فى تلك الحروب الاعن اجتهادو قد عفا الله تعالىٰ عن الخطى فى الاجتهاد مل مثبت انه يوجر اجراً واحداوان المصيب يوجر اجرين الخ (ایضاً ص ۲۸) اور جمہور صحابہ اور تابعین کے نزدیک حق کی نصرت اور باغیوں سے قتال واجب ہے اور جو احادیث اس بارے میں وارد ہیں وہ اس کے لیے ہیں جو قتال کرنے میں کمزور ہو یا وہ کسی صاحب حق کو پہچان نہ کر سکے اور اہل سنت اس پر بھی متفق ہیں کہ ان محاربات و مشاجرات کی وجہ سے کسی صحابہ پر بھی طعن نہ کرنا واجب ہے اگرچہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے فلاں حق پر ہے کیونکہ انہوں نے ان جنگوں میں اجتہاد کی بنا پر حصہ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اجتہاد میں خطا کرنے کی خطا معاف کر دی ہے بلکہ یہ ثابت ہے کہ اس کو بھی ایک اجر ملے گا اور صواب پر پہنچنے والے کو دو اجر ملیں گے۔

(۴) اور زیر بحث حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وحمل هولآء الوعيد المزكور فى الحديث على من قاتل بغير تاويل سائغ بل بمجبرو طلب الملك الخ (ایضاً ص ۲۸) اوران حضرات نے حدیث کی مذکورہ وعید کو اس شخص پر محمول کیا ہے جو بغیر کسی اچھی تاویل کے قتال کرے بلکہ اس کی لڑائی محض ملک و سلطنت کے لیے ہو۔ بہر حال مندرجہ روایات اور متوقفین

صحابہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف آراء اور جمہور اہل سنت کے مذکورہ موقف کے پیش نظریہ نہیں کہا جا سکتا کہ توقف کا موقف اسلم واقوی ہے۔

(۵) کاش کہ ابو ریحان صاحب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی دوسری عبارت بھی نقل کر دیتے جس میں انہوں نے قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو شرعی دلیل قرار دیا ہے اور ان کے اجتہاد کو دوسرے صحابہ مجتہدین کے اجتہاد سے فائق قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب سورۃ النور کی آیت استخلاف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ معلوم ہو گیا کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوا سے مراد وقتِ نزول سورۃ النور کے مسلمان ہیں تو (یہ بھی واضح ہو گیا کہ) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفائے بنی امیہ اور (خلفائے) بنی عباس اس آیت کے وعدہ سے خارج ہیں۔ لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم (اور ضرور ضرور مضبوط اور پائیدار کر دے گا ان کے لیے دین کو وہ دین جس کو پسند کیا اللہ نے ان کے لیے) دو معنی پر دلالت کرتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ خلفاء جن کی خلافت کا (اس آیت میں) وعدہ ہے جب وہ وعدہ پورا ہو گا تو دین نہایت کامل طور پر ظاہر ہو گا۔ دوسرے یہ کہ عقائد وعبادات ومعاملات ومسائل نکاح واحکام خراج (غرض) جو جو باتیں ان خلفاء کے عہد میں ظاہر ہوں گی اور وہ جن چیزوں کی ترویج میں پورے اہتمام کے ساتھ کوشش کریں گے وہ سب چیزیں پسندیدہ دین ہوں گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت اگر ان خلفاء کا فیصلہ کسی مسئلہ کے متعلق یا ان کا فتویٰ کسی واقعہ کے مطابق پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو (وہ فیصلہ اور فتویٰ) دلیل شرعی ہو گا کہ مجتہد اس سے تمسک کرے گا کیونکہ وہ فیصلہ اور فتویٰ (بحکم اس آیت کے) وہی پسندیدہ دین ہے جس کی تمکین واقع ہوئی۔ گو اجتہاد ہر مجتہد کا چاہے وہ مجتہد صحابی ہی کیوں نہ ہو خطا کا احتمال رکھتا ہے (اور جو

لوگ ہر مجتہد کو (تمام مسائل میں) صواب پر ہی سمجھتے ہیں ان کے نزدیک ہر مسئلہ میں کئی کئی جواب ممکن ہیں) اور جو لوگ کہتے ہیں کہ صواب پر ایک ہی مجتہد ہوتا ہے اور دوسرا مجتہد (خطا پر مگر) معذور بے گناہ۔ ان کے نزدیک احتمال خطا کا دونوں جانب ہے (اور چونکہ خلیفہ بھی مجتہد ہے لہٰذا ان کے فیصلہ اور فتوی میں بھی احتمال خطا کا ہونا چاہیے) لیکن یہ احتمالات ان مسائل کی حقیقت کو جو خلفاء کے زمانے میں ان کی کوشش سے شائع ہوئے نہیں مٹا سکتے (کیونکہ ان مسائل کی حقیقت آیت قرآنیہ سے ثابت ہو چکی) بہر حال (یہ تو یقینی ہے کہ) ان کا قول دوسروں کے قیاس اور استنباط سے زیادہ قوی ہوگا الخ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد ا ص ۷۹۔ ۸۰) اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ہر مجتہد کے مصیب یا مخطی ہونے کا ضابطہ یہی ہے لیکن اس آیت کے موعودہ خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) اس ضابطہ سے اس آیت استخلاف کے تحت مستثنیٰ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنے پسندیدہ دین کو مضبوط اور پائیدار کرنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ حاشیہ میں امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ لکھتے ہیں: جیسے حضرت عمر بن خطاب نے نماز تراویح کی ترویج میں اور حضرت عثمان نے جمعہ کی دوسری اذان کی ترویج میں کوشش کی۔ اگر یہ کوشش پورے اہتمام کے ساتھ نہ ہو مثلاً حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے کسی امر کے متعلق معمولی طور پر فرما دیا ہو اور لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہو پھر حضرت ممدوح رضی اللہ عنہ نے اس اختلاف کے مٹانے کی طرف توجہ نہ کی ہو تو ایسے امور اس سے خارج رہیں گے اس سے معلوم ہوا کہ چونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی موعودہ خلافت کے استحکام اور غلبہ دین کے لیے پوری کوشش کی حتیٰ کہ جمل اور

صفین کی جنگوں تک نوبت پہنچ گئی۔ آپ نے ان جنگوں کی قیادت کی تو اس بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ایک شرعی دلیل اور آیت قرآنی کی روشنی میں صحیح بھی ہوگا۔ اسی وجہ سے ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان میں مخطی قرار دینا جمہور اہل سنت کا مذہب قرار پایا۔

(۶) اور سورہ الحج کی آیت تمکین (الذین ان مکنا ھم فی الارض) کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: (یہ ظاہر ہے کہ) حضرات خلفاء رضی اللہ عنہ، مہاجرین اولین میں سے تھے جن کی نسبت یقاتلون اور اخرجوا من یار ھم آیا ہے اور جن کے لیے اذن جہاد کا قطعی ثبوت ہے اور ان کو زمین میں تمکین ملنا بھی یقینی ہے۔ پس بمقتضائے تعلیق مذکور یقیناً انہوں نے اقامت دین کی ہوگی (اس سے صاف) نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حضرات خلیفہ راشد تھے۔ کیونکہ خلافت راشدہ انہی دو جزو (یعنی تمکین اور اقامت دین) کا نام ہے۔ اقامو الصلوۃ او ر آتو والزکوٰۃ میں ارکان اسلام کو قائم کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ امر و بالمعروف (تمام) علوم دینیہ کے زندہ رکھنے کو شامل ہے۔ نَھَوا عَنِ المنکر کافروں سے جہاد کرنے اور ان سے جزیہ لینے کو شامل ہے۔ کوئی منکر کفر سے زیادہ (قبیح) نہیں ہے اور کوئی نہی کافروں کے قتل کرنے اور ان سے جزیہ لینے سے زیادہ سخت نہیں ہے اور (نیز یہ کلمہ) شامل ہے نافرمانی کرنے والے مسلمانوں پر حدود و تعزیرات قائم کرنے کو۔ پھر (یہ بھی واضح رہے کہ) اَقامُو اور اَمَر وا اور نَھَوا کے الفاظ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ ان تمکین یافتہ لوگوں سے ان کے تمکین کے زمانے میں نماز و زکوۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق جو باتیں ظاہر ہوں گی وہ سب شرع میں معتبر ہوں گی (اگر غیر معتبر ہوتیں تو قرآن ہیں قابل ذکر نہیں ہوتیں) اس کے حاشیہ میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور

صاحب لکھنویؒ لکھتے ہیں: جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نماز تراویح کی ترویج ہوئی۔ تمام مسلمانوں نے اس کو منجانب شرع سمجھا۔ (ایضاً ص ۸۹)

(۷) حضرت شاہ صاحبؒ دہلوی لکھتے ہیں: جس طرح نبوت کسبی اور پیدائشی چیز نہیں ہے (بلکہ وہبی ارادۂ الٰہی جو سات آسمانوں کے اوپر سے ہدایت پیغمبر کو لوگوں میں جاری کرنے اور نور پیغمبر کو کامل کرنے اور اس کے دین کو غالب کرنے اور جو وعدے پیغمبرؐ سے ہوئے ہیں ان کے پورا کرنے کے لئے نازل ہوتا ہے۔ ایک داعیہ خلیفہ کے دل میں پیدا کرتا ہے (اس داعیہ کا پیدا ہونا ہی خلافت خاصہ ہے تو یہ داعیہ نہ کسبی ہے نہ پیدائشی) پیغمبرؐ کے حواری جن کے دل میں دین پیغمبر کی مدد کرنے کا داعیہ افاضات غیبیہ کی وجہ سے جاگزیں ہو۔ ہزاروں ہوں، مگر یہ خلیفہ (ان میں) بمنزلہ دل کے ہوتا ہے اور باقی سب لوگ بمنزلہ ہاتھ پیر کے۔ سب سے پہلے داعیہ الٰہیہ کے حلول کرنے کا مقام خلیفہ کا دل ہے پھر خلیفہ کے دل سے وہ داعیہ (مثلی روشنی چراغ کے کہ (چراغ سے نکل کر) دیواروں میں لگے ہوئے آئینوں میں چھپ جاتی ہے۔ دوسروں (کے دل) میں اترتا ہے اور یہ سب باتیں حدس قریب الماخذ سے معلوم ہو جاتی ہیں گویا ایک بدیہی چیز ہے بلکہ (ایسا سمجھو کہ) آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے (جس طرح نبی کی تعریف کے یہ) الفاظ۔ نبی وہ ہے جو شریعت الٰہیہ کی تبلیغ پر مامور ہو۔ ایک ظاہری صورت رکھتے ہیں اور ایک باطنی، ظاہری صورت ان کی شریعت کا لوگوں میں پہنچا دینا اور باطنی صورت ان کی وہ داعیہ تو یہ ہے جو اس کے دل کے درمیان سے جوش کرتا ہے۔ اسی طرح (خلیفہ خاص کی تعریف کے یہ) الفاظ۔ خلیفہ وہ ہے جو نبی کی شریعت کو لوگوں میں جاری کرے اور اس کے ہاتھ پر خدا کے وہ وعدے جو اس کے نبی کے ساتھ تھے پورے ہوں ایک ظاہری صورت رکھتے ہیں اور ایک باطنی۔ ظاہر صورت ان کی احکام نبی

کا نافذ کرنا اور باطنی صورت ان کی وہ داعیہ تو یہ ہے جو بواسطہ پیغمبر کے اس کے دل میں جاگزین ہو گیا ہے بلکہ اس کے دل کی جڑ سے جوش مارتا ہے۔ یہ داعیہ جس کے دل سے جوش نہ کرے اس کو خلیفہ خاص نہ کہیں گے (گو اس سے دین کی خدمت ظاہر ہوتی ہو) (ایضاً ازالۃ الخفاء ص ۱۹۸)

فرمایئے یہاں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے خلافت خاصہ کو نبوت کی طرح وہبی قرار دیا ہے نہ کہ کسبی۔ حضرت امام حسن ہوں یا حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔ ان کی خلافت کسبی ہے نہ کہ وہبی لیکن آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت قرآن کے موعودہ چار خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کی خلافت خاصہ وہبی ہے نہ کہ کسبی۔

زمانہ خلافت تتمّہ زمانہ نبوت تھا

حضرت شاہ صاحب دہلویؒ فرماتے ہیں "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کاموں کو (جو خلفاء رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہوئے) بوجہ اس کے کہ آپ ایک طرح پر سبب ان کاموں کے تھے اپنی طرف منسوب فرمایا اور ظاہر میں وہ کام خلفاء کے قرار پائے اور دراصل (ان خلفاء کا زمانہ خلافت (تتمہ) زمانہ نبوت تھا لیکن (فرق صرف یہ تھا کہ) وحی آسمان سے نہ آتی تھی۔ یہ فضیلت بھی مشائخ ثلاثہ میں بہت زیادہ واضح ہے الخ (ایضاً ص ۳۷) نیز فرماتے ہیں، تیسری قسم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس سے وہ افعال صادر ہوں جو جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کا تتمّہ ہوں اور جو وعدے (من جانب اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئے تھے وہ وعدے ان افعال سے پورے ہوں مثلاً ملت کسری و قیصر کے درہم برہم کردینے کا اور ممالک کے فتح ہو جانے کا اور علم دین کے شائع ہونے کا اور اس مثل دوسری چیزوں کا وعدہ (آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے تھا) یہ وعدے اس خلیفہ کے ہاتھ سے پورے ہوئے۔''

(ایضاً ص ۴۲۰)

خلافت خاصہ کا مصداق صرف چار یارؓ ہیں

حضرت دہلوی لکھتے ہیں: ''خلافت خاصہ کے لوازم بیان ہو چکے۔ اب جاننا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے (اپنے اپنے) نصیب کے موافق ان اوصاف (یعنی لوازم خلافت خاصہ) کو حاصل کر لیا تھا اور ان میں سے بعض حضرات خاص خاص باتوں میں خلافت کے منصب پر فائز ہو گئے تھے۔ مثل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے (کہ وہ) قرأۃ وفقہ میں خلیفہ تھے اور (مثل) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے (کہ وہ) فیصلہ خصومات میں (خلیفہ تھے) اور (مثل) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ کے (کہ وہ) فرائض میں (خلیفہ تھے) اور ان میں سے بعض حضرات جو قریشی تھے اور بار خلافت کے اٹھانے کی قابلیت رکھتے تھے خلافت مطلقہ کے مستحق ہوئے۔ اب جتنے حضرات خلافت مطلقہ کے مستحق ہوئے بارگاہ عزت میں منتظر کھڑے ہوئے ہیں کہ فضل الٰہی کس کو خلافت مطلقہ کے منصب پر فائز کرتا ہے (مگر بارگاہ احدیت سے انہی چار کو یہ منصب ملتا ہے (اور باقی مستحقین ان کے تابع بنائے جاتے ہیں) یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔ (ایضاً ص ۷۴)

(۲) اور منجملہ لوازم خلافت خاصہ کے ایک یہ ہے کہ خلیفہ بہشت کی بشارت پا چکا ہو۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے خاص نام لے کر بغیر کسی تعلیق اور شرط کے فرمایا ہو کہ فلاں شخص اہل بہشت سے ہے اور اس کا انجام کار نجات اور سعادت ہے...... (اب رہا یہ کہ خلفاء اربعہ مبشر بہ جنت تھے یا

نہیں تو کیفیت یہ ہے کہ) خلفائے اربعہؓ کے لیے جنت کی بشارت اس طرح حد تواتر کو پہنچ گئی ہے کہ اس کے خلاف کا احتمال ہی نہیں باقی رہا الخ (ایضاً ص ۴۹) اور خلافت خاصہ کے لوازم میں سے سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ: ''منجملہ لوازم خلافت خاصہ کے ایک یہ ہے کہ خلیفہ مہاجرین اولین میں سے ہو اور (نیز) ان لوگوں میں سے ہو جو حدیبیہ میں (شریک) اور سورہ نور کے نزول کے وقت موجود تھے الخ (ص ۴۳) بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافت خاصہ (یعنی قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ) کا مصداق خلفاء اربعہ یعنی امام الخلفاء حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضی تھے (رضی اللہ عنہم) باقی رہا یہ کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت خاصہ منتظمہ نہیں ہو سکی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا اجتہاد دوسروں پر فائق نہ ہو اور بحیثیت خلیفہ خاص ان کی اطاعت دوسروں پر واجب نہ ہو کیونکہ ان کی خلافت راشدہ بھی وہبی ہے نہ کہ کسبی۔ ان کے افعال خلافت بھی زمانہ نبوت کا تتمہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے تحت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خارجیوں سے جنگ اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے تحت اولی الطائفتین بالحق ہونا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کی خلافت کی مرکزی پالیسی تمکین دین اور مرضی خداوندی کا حصہ ہے اس بارے میں آپ سے اجتہادی خطا کا صدور نہیں ہوا بلکہ جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خلافت کو بالفعل تسلیم نہیں کیا یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی یہ عبارت آیت استخلاف کی تشریح میں نقل کی گئی ہے کہ: نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت اگر ان خلفاء کا فیصلہ کسی مسئلہ کے متعلق یا ان کا فتویٰ کسی واقعہ کے متعلق پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ (فیصلہ اور فتویٰ) دلیل شرعی ہوگا الخ (ایضاً ازالۃ الخفاء مترجم ص

۷۹۔۸۰) اس سے ثابت ہوا کہ خلفاء راشدین (رضی اللہ عنہ) کے جن امور کا ان کی خلافت سے مخصوص تعلق ہے ان میں یہ ضابطہ جاری نہیں ہوسکتا کہ المجتهد يخطي ويصيب (مجتہد اپنے اجتہاد میں خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی) کیونکہ ان کا یہ اجتہاد دلیل شرعی پر مبنی ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث نے لکھا ہے کہ......اسی طرح خلفاء راشدین کے احکام میں ان کی رائے کے صائب ہونے کا علم ان دو مصلحتوں (یعنی اقامت خلافت وحفاظت شریعت) کے ساتھ جمع ہوا اور یہ علم نہایت مضبوط ہوگیا (مگر جس مقام میں صرف ایک ہی مصلحت پائی جائے وہاں بھی صائب الرائے ہونے کا علم حاصل ہوجائے گا اور اتباع ضروری ہوگا)۔ صاحب الرائے ہونے کے خیال میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حدیث وقرات میں اور حضرت اُبی بن کعب قرات میں اور حضرت علی المرتضیٰؓ قضاء میں اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرائض میں خلفائے راشدین کے ہم پلہ ہیں (اس لیے کہ ان امور کے متعلق) ان کی عمدہ تعریف زبان غیب ترجمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گزر چکی ہے مگر اعتبار دوسری دو مصلحتوں کے (جن کا ذکر ابھی ہوا (خلفاء راشدین سے) پیچھے ہیں الخ (ایضاً ص ۴۳۹) اور امور خلافت کے بارے میں خلفاء راشدین کے اجتہاد کے صحیح ہونے کے یہی وہ دلائل ہیں جن کی بنا پر جنگ جمل اور جنگ صفین کے سلسلے میں کسی اہل سنت محقق نے یہ نہیں کہا کہ اس میں حضرت علی المرتضیٰؓ سے خطائے اجتہادی کا صدور ہوا ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ لکھتے ہیں: ولم يذهب الى تخطِئَة علي رضى الله عنه ذو تحصيل اَصْلاً (احیاء العلوم جلد اول اور یہ کسی اہل علم کی تجویز نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا ہو کہ وہ خطا پر تھے) اور اس کے برعکس امام غزالیؒ کے حوالے سے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کے بارے میں لکھتے ہیں: و کتب القوم مشحونة بالخطا الاجتهادی کما صرح به الامام الغزالی والقاضی ابوبکر وغیرهما (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۲۴۹) اور اہل سنت کی کتابیں (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق خطائے اجتہادی کے قول سے بھری ہوئی ہیں) ابوریحان مولانا عبدالغفور صاحب موصوف نے مذکورہ دونوں عبارتوں کو صحیح تو مان لیا ہے لیکن ان کی تاویل میں عجیب وغریب قلابازیاں کھائی ہیں۔ حالانکہ بات صاف ہے۔ اب آخر کوئی تو ایسے شرعی دلائل ہیں کہ کوئی اہل سنت بھی ان جنگوں میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کا قائل نہیں ہے (حالانکہ عموماً ضابطہ یہی) کہ ہر مجتہد سے خطا کا بھی صدور ہو سکتا ہے اور اہل سنت نے اپنی کتابوں میں اس بات کی تصریح کردی ہے کہ ان جنگوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا سرزد ہوگئی تھی۔ ابو ریحان صاحب کچھ تو عقل وفہم سے کام لینے کی کوشش فرمائیں۔ واللہ الهادی۔

خلاصہ بحث

مولانا ابوریحان نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ "کسی کو مصیب یا مخطی جو کہا جاتا ہے تو محض ظناً نہ کہ حتماً وقطعاً لیکن اس کے برخلاف حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے حضرت علی اور اصحاب جمل وصفین بالخصوص حضرت معاویہ اور حضرات حکمین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے اجتہادی صواب وخطا کی حتمی اور قطعی تعین میں اپنی ساری کوشش صرف کردی۔ (ص۔۱۴۔۱۵)

یہ ان کا ضابطہ کلیہ غلط ہے کیونکہ قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین امور خلافت کے بارے میں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کا اجتہاد ایک شرعی دلیل ہے اور اس کے خلاف اگر کوئی مجتہد کرے تو بوجہ مجتہد ہونے کے اس کو خطائے اجتہادی

قرار دیا جائے گا اور وہ معذور ہوگا۔

حضرت شاہ اسمٰعیل دہلویؒ

اسی سلسلے میں حدیث فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین (اور اختلاف کثیر کے زمانے میں تم پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت (طریقے) کی اتباع لازم ہے) سے متعلق خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۳۲ پر حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کی حسب ذیل عبارت پیش کی تھی: اسی بنا پر علمائے امت نے اطاعت امام کو غیر منصوصہ مقام میں صحت قیاس پر موقوف نہیں رکھا بلکہ اس کی اطاعت کو باوجود اس کے ضعیف قیاس کے بھی واجب جانا ہے اور اس کے مخالف کو اگرچہ اس کا قیاس امام کے قیاس سے اظہر اور قوی ہو جائز نہیں رکھا اور اس میں راز یہی ہے کہ اس کا حکم بذاتہ اصول دین میں سے ایک اصل ہے اور ادلہ شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے۔ (منصب امامت مترجم اردو)

(۲) جس وقت مواضع اختلاف اور مسائل اجتہاد میں امام کا حکم دو جانب میں سے ایک جانب متوجہ ہو تو ہر مجتہد۔ مخلص۔ عالم۔ عامی۔ عارف اور غیر عارف پر واجب العمل ہوگا۔ کسی کو اس کے ساتھ اپنے اجتہاد یا مجتہدین سابقین کے اجتہاد یا اپنے الہام یا شیوخ متقدمین کے الہام سے تعرض نہیں ہو سکتا۔ جو کوئی حکم امام کے مخالف کرے اور مذکور الصدور امور کے خلاف تمسک کرے تو بے شک عنداللہ عاصی ہوگا اور اس کا اختلاف عندرب العالمین۔ انبیائے مرسلین اور مجتہدین اور علماء کے حضور میں قابل قبول نہ ہوگا اور یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ دین اسلام میں سے کسی کو اس کے ساتھ اختلاف نہیں ہے۔ ایک امر یہ ہے کہ قوانین ریاست اور آئین سیاست جو خلیفہ راشد سے ظاہر ہوئے ہیں سنت نبویہ کا حکم رکھتے ہیں پس خلفاء عظام کا طریقہ بمنزلہ سنن انبیاء کے ہے اور مناظرات میں

استدلال اور معاملات و عادات میں ان سے تمسک کافی وشافی ہے۔ پس اس کے آئینی استنباط قبیل سنت سے ہیں نہ کہ جنس بدعت سے۔ الخ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۵۶۔ ۵۵۷ بحوالہ منصب امامت ص ۸۹)

یہاں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ نے اپنے دادا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ارشادات کی ہی ترجمانی کی ہے اور مزید وضاحت سے بیان کر دیا ہے کہ: قوانین ریاست اور آئین سیاست جو خلیفہ راشد سے ظاہر ہوتے ہیں سنتِ نبویہ کا حکم رکھتے ہیں۔'' اور اس کو انہوں نے اجماعی مسئلہ قرار دیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان جنگوں میں کسی اہل سنت نے حضرت علیؓ کو اجتہاد میں خطا کرنے والا قرار نہیں دیا اور جمہور اہل سنت نے اس میں حضرت معاویہؓ کو مجتہد مخطی اجتہاد میں خطا کرنے والا قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کی ان عبارتوں کے جواب میں مولانا ابو ریحان نے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن بے سود۔ چنانچہ لکھتے ہیں: (۱) پہلا قابل غور اور اصولی امر تو یہ ہے کہ حضرت شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ یہاں امام وقت کی بات کر رہے ہیں جبکہ حضرت قاضی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت پر نہ امت کا اتفاق ہوا اور صحابہؓ کو حضرت علیؓ کی حیات کے آخری لمحہ تک اس کا قطعی اور یقینی علم ہی ہو سکا کہ واقعی حضرت علیؓ ہی قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد ہیں بلکہ آخر تک صحابہؓ کہ یہ اشکال واحتمال رہا کہ شاید کوئی اور صحابی مراد ہے۔ یہ تمام مراحل دور مرتضوی کے بعد طے پائے۔ (دیکھئے دفاع حضرت معاویہؓ ص ۱۷۵۔ ۵۴۔ ۵۷ اور خارجی فتنہ ص ۳۷۶۔ ۵۲۲۔ ۲۴۸۔ ۵۲۱ جلد اول اور بالخصوص حضرت معاویہؓ کے بارے میں تو آپ ابھی نمبر ۴ میں حضرت قاضی صاحب مدظلہ سے ہی سن آئے ہیں کہ انہوں نے آخر تک حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم ہی نہیں کی تھی۔ جب صورت حال حضرت

قاضی صاحب کے نزدیک یہ ہے تو مشاجراتی دور میں حضرت علیؓ سے مشاجراتی اور وہ بھی شرعی زیادہ انتظامی حیثیت کے حامل بعض امور میں اجتہاد آاجتہاد اختلاف کرنے والے کسی بھی صحابی پر اور بالخصوص حضرت معاویہؓ پر حضرت علیؓ کے اجتہاد کی پیروی کا لازم ہونا شاہ شہیدؒ کی اس عبارت سے کیسے ثابت ہوسکتا ہے''۔(سبائی فتنہ ص ۱۹۲)

الجواب:

(۱) کیا آپ بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کو امام وقت اور خلیفہ راشد مانتے ہیں یا نہیں؟ حالانکہ تمام اہل سنت حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنے وقت کا امام اور خلیفہ راشد مانتے ہیں۔ چنانچہ امام نودیؒ کی یہ عبارت پہلے نقل کی جا چکی ہے کہ: وانا علیؓ فخلافته صحیحته بالاجماع وکان هو الخلیفة فی وقته لاخلافته لغیره الخ اور بالاجماع حضرت علیؓ کی خلافت صحیح ہے اور اپنے وقت میں وہی خلیفہ تھے اور آپ کے سوا کسی کی خلافت نہ تھی (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۵۲)

(۲) شرح عقائد نسفی میں ہے: وافضل البشر بعد نبینا ابو بکر الصدیق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذوالنورین ثم علی المرتضیٰ هذا وجدنا السلف (نبی کریم ﷺ کے بعد افضل البشر حضرت ابوبکر صدیق میں پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان ذوالنورین پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم) اور اسی عقیدہ پر ہم نے سلف کو پایا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: وخلافتهم ثابته علی هذا الترتیب (اور ان (چاروں) کی خلافت اسی ترتیب پر ثابت ہے)۔

(۳) امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وافضل الناس

بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکر صدیق ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ثم علی بن ابی طالب (اور رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام انسانوں سے افضل حضرت ابو بکر صدیق پھر حضرت عمر بن خطاب پھر حضرت عثمان بن عفان پھر حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہم)

(۴) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ عقائد کے تحت لکھتے ہیں: ان الامام الحق بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علیؓ (احیاء العلوم جلد اول) رسول اللہ ﷺ کے بعد امام حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں

(۵) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تو ان خلفاء اربعہ (چار یار) کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت خلافت راشدہ خاصہ کا مصداق قرار دیا ہے اور اسی خلافت کی ترتیب سے ان کی باہمی فضیلت ثابت کی ہے جیسا کہ ازالۃ الخفاء سے بعض عبارتیں پہلے نقل کر دی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں۔ وابو بکر الصدیق امام حق بعد رسول اللہ ثم عمر ثم عثمان ثم علیؓ ثم تحت الخلافتہ وبعد ملک عضوض (تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص ۱۴۸) رسول اللہ ﷺ کے بعد امام حق حضرت ابو بکر صدیق پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں پھر خلافت تمام ہوگئی اور اس کے بعد کاٹنے والی بادشاہت ہے۔

علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحبؒ دہلوی نے تو حضرت علی المرتضیٰؓ کا امام وقت ہونا حدیث نبوی کے اشارے سے ثابت کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت معاویہؓ) سے فرمایا اگر تو بادشاہ ہو جائے تو نیک کام کرنا اور فرمایا کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا اگر اللہ نے تجھے قمیص پہنائی۔ اس سے آپ

خلافت مراد لے رہے تھے تو (ام المومنین) ام حبیبہؓ نے کہا کہ کیا اللہ میرے بھائی کو قمیص پہنانے والا ہے؟ فرمایا کہ ہاں اور لیکن اس میں فسادات ہوں گے اور فسادات اور فسادات۔ اور اس کلمہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی خلافت تسلط کے ذریعہ سے منعقد ہوگی بیعت کے ذریعہ سے نہ ہوگی اور ان کی سیرت شیخین کی سیرت کے موافق نہ ہوگی۔ اور وہ خلافت امام وقت سے بغاوت کے بعد منعقد ہوگی۔ اسی لیے آپ ﷺ نے تین مرتب لفظ مضات (فسادات) فرمایا اور نیز (حضرت) معاویہؓ سے فرمایا۔ اگر تو والی امر بن جائے تو اللہ سے ڈر اور انصاف کر اور یہ اشارہ امارت شام اور خلافت دونوں کی طرف ہے (ازالۃ الخلفاء مترجم جلد دوم ص ۳۷۲)

(۶) امام عبدالقاہر بغدادیؒ متوفی ۴۲۹ھ عقائد اہل سنت کے بیان میں لکھتے ہیں: وقالوا باماماتہ علیؓ فی وقتہ (الفرق بین الفرق ص ۳۴۳ طبع بیروت) اور اہل سنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ اپنے وقت میں حضرت علیؓ ہی امام تھے۔

(۷) علامہ ابن حزم اندلسیؒ متوفی ۴۵۶ھ فرماتے ہیں فبھذا قطعنا علی صواب علیؓ وصحتہ امامتہ وانہ صاحب الحق الخ (الفصل فی الملل والنحل ص ۶۱) اور اس بنا پر یقین رکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے اجتہاد میں صواب پر ہیں اور آپ کی امامت (خلافت) صحیح ہے اور آپ صاحب حق تھے)

(۸) غوث اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ عقائد اہل سنت والجماعت کے بیان میں لکھتے ہیں: وکان اماماً حقا الیٰ ان قتل خلاف ماقالت الخوارج انہ لم یکن اماماً قط تبالھم (غنیۃ الطالبین) اور حضرت علیؓ امام حق تھے حتی کہ آپ مقتول (شہید) ہو گئے لیکن خوارج اس کے خلاف کہتے

ہیں کہ آپ کبھی بھی امام نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو حضرت علیؓ کو امامِ وقت نہ مانے وہ خارجی ہے۔

ہمارا سوال یہ ہے اگر اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدے کے مطابق مولانا ابو ریحان حضرت علی المرتضیٰؓ کو امام وقت اور قرآن کا چوتھا موعودہ خلیفہ راشد مانتے ہیں تو پھر یہ کیوں لکھا کہ: ''حضرت شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ امام وقت کی بات کر رہے ہیں۔'' معلوم ہوتا ہے کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے اور میرے متعلق یہ لکھنا بھی ان کو مفید نہیں کہ: جبکہ حضرت قاضی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت پر امت کا اتفاق ہوا اور نہ صحابہؓ کو حضرت علیؓ کی حیات کے آخری لمحہ تک اس کا قطعی اور یقینی علم ہی ہو سکا کہ واقعی حضرت علیؓ ہی قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد ہیں۔ (ایضاً ص ۱۹۲)

الجواب:

(۱) حضرت امیر معاویہؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی بیعت خلافت نہ کرنے سے یہ کیونکہ لازم آ گیا کہ حضرت علیؓ امام وقت اور خلیفہ راشد نہ تھے اور پھر اگر حضرت امیر معاویہؓ کے نزدیک اس وقت حضرت علیؓ کی خلافت شرعاً منعقد نہ ہوئی تھی تو پھر انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے قصاص لینے کا مطالبہ کیوں کیا؟

(۲) علامہ علی قاری حنفی محدثؒ لکھتے ہیں:

فلما مضت ثلثته ایام من قتله اجتمع المهاجرون والانصار وسئلوا علیاً وناشدوه بالله فی حفظ الاسلام وصیانه دارالهجرة النبی ﷺ فقبلها بعد شدة وبعدان راه مصلحتاً لیعلمهم وعلمه انه اعلم ممن بقر من الصحابة وافضلهم وانهم به فبایعوده ولکن من

شرط نبوت الخلافة اجماع الامة على ذلك بل متى عقد بعض صالحى الامة لمن هو صالح لذلك انعقدت وليس لغيره بعد ذلك ان يخالفه ولا وجه الى اشتراط الاجماع لمافيه من تاخير الاماته عن وقت الحاجة اليها على ان الصحابة لم يشترطوا فيها الاجماع عنهو الاختيار والمبايعة الخ (شرح فقہ اکبر ص ۸۱)'' جب حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے قتل (شہادت) پر تین دن گزر گئے تو مہاجرین و انصار (صحابہ کرام) جمع ہوئے تو انہوں نے اسلام اور نبی کریم ﷺ کے دارالہجرت (مدینہ منورہ) کی حفاظت قبول کرنے کا پرزور مطالبہ کیا۔ آپ نے ان کے اصرار اور مصلحت کے تحت خلافت قبول کو کرلیا اور صحابہ کرامؓ اور آپ خود بھی یہ جانتے تھے کہ آپ ہی باقی تمام صحابہ کرامؓ سے زیادہ علم والے اور افضل ہیں اور خلافت کے زیادہ حق دار ہیں اور خلافت کے ثبوت کے لیے اس پر امت کا اجماع شرط نہیں ہے بلکہ جب امت کے بعض صالحین کسی ایسے شخص کی بیعت کرلیں جو اس کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کا اہل تو خلافت منعقد ہو جاتی ہے اور اس انعقاد خلافت کے بعد کسی دوسرے کی اس کے ساتھ مخالفت جائز نہیں ہوتی اور اجماع کے شرط ہونے کی کوئی وجہ نہیں بن سکتی کیونکہ اس کی وجہ سے بوقت حاجت امامت (خلافت) میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں صحابہ کرامؓ نے خلیفہ کے انتخاب اور اس کی خلافت کے لیے اجماع کی شرط نہیں لگائی۔

(۳) شرح عقائد نسفی میں علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں:

ناجتمع كبار المهاجرين والانصار والتمسو منه قبول الخلافة وبايعوه ماكان افضل اهل عصره واولهم بالخلافة (اور اکابر مہاجرین اور انصار جمع ہوئے اور انہوں نے آپ (حضرت علیؓ) سے خلافت قبول

کرنے کی درخواست کی اور آپ کی بیعت کر لی کیونکہ آپ اپنے معاصرین میں سب سے افضل اور خلافت کے لیے سب سے زیادہ مستحق تھے)۔

علامہ عبدالعزیز صاحب فرہارویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

واعلم ان بعض الناس بزعم ان خلافة علیؓ لم تثبت بالاجماع لان بعض الصحابة خالفوده وحاربوه واجيب بوجوهٍ. احدهما وهو الحق ان صحته الخلافة غير محتاجتهٍ الیٰ الاجماع بل يكفی ببعة بعض اهل الحلّ والعقد والعقه حتی قيل يكفی الواحد منهم وقد بايع علياً الوف المهاجرين والانصار (جاننا چاہیے کہ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت اجماع سے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ بعض صحابہؓ نے آپ کی مخالفت کی اور آپ سے جنگ کی ہے۔ تو کئی طرح سے اس کا جواب دیا گیا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ اور وہ حق ہے کہ خلافت کا صحیح ہونا اجماع کا محتاج نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بعض اہل حل وعقد کا بیعت کر لینا کافی ہے حتی کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل حل وعقد میں سے ایک کی بیعت بھی کافی ہے حالانکہ حضرت علیؓ کی بیعت تو ہزاروں مہاجرین وانصار صحابہ نے کی ہے) (النبراس ص ۵۰۳ ناشر مکتبہ رضویہ لاہور)

اس سے ثابت ہوا کہ مہاجرین وانصار اور اہل حل وعقد کے بیعت کرنے سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت شرعاً منعقد ہو گئی تھی۔ اس کے بعد اگر صحابہ کرامؓ میں سے بھی کوئی بیعت نہ کرے تو اس سے آپ کی خلافت میں کوئی نقص نہیں لازم آتا۔

(۴) اور خود ابو ریحان صاحب کے ممدوح مولانا محمد اسحٰق سندیلوی بھی تو لکھ رہے ہیں کہ: جنگ کے بعد بکثرت مہاجرین وانصار اور اکابر صحابہ نے

ان (یعنی حضرت علیؓ) کی خلافت تسلیم کر لی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہوگئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔" (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۷۵۔ بحوالہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۱۲) علاوہ ازیں لکھتے ہیں:

ہماری حیثیت اور صحابہ کرامؓ کی حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم کرنا ان کے لیے عقیدے کی حیثیت نہیں رکھتا تھا جبکہ ہمارے لیے اس کی حیثیت عقیدے کی ہے۔ وہ انہیں معزول کرنے یا ان کی خلافت سے اختلاف کرنے کا حق بھی رکھتے ہیں جبکہ ہمیں یہ حق حاصل نہیں۔"

(خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۲۲ بحوالہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۲۵) یہاں مولانا سندیلوی کے جواب میں میں نے لکھا ہے کہ "یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرامؓ آپس میں اس قسم کے اختلاف کا حق رکھتے تھے لیکن یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت تو قطعی طور پر معلوم نہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ ہی قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد ہیں۔ فرمائیے اگر حضرت معاویہؓ کو اس وقت یہ یقین ہو جاتا تو کیا پھر بھی وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے معزول ہونے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ ہرگز نہیں۔ وہ معذور تھے لیکن اب جب ہمیں یہ یقین حاصل ہے اور حضرت علیؓ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنا ہمارے لیے عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی بناء پر امام غزالی بھی خلفائے اربعہ کو بالترتیب امام حق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں تو اب زیر بحث مسئلہ میں اہل السنّت والجماعت کا یہی مؤقف صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس وقت حضرت امیر معاویہؓ سے خلیفہ راشد موعودہ کے ساتھ جنگ وقتال کرنے میں خطا ہوگئی تھی۔ اس میں حضرت معاویہؓ کی نہ تنقیص ہے نہ بے ادبی۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۲۲) ابو ریحان صاحب بھی میرے اس جواب کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ کہ جب اہل السنّت والجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت

قرآن کے چوتھے خلیفہ راشد ہیں اور مولانا سندیلوی نے بھی یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ”حضرت علیؓ کی خلافت بھی آیت استخلاف وآیت تمکین کا مصداق ہے یعنی حضرات خلفاء ثلثہؓ کی خلافتوں کی طرح حضرت علیؓ کی خلافت بھی وہی خلافت تھی جس کا وعدہ آیت استخلاف میں فرمایا گیا ہے (جواب شافی ص ۱۰) تو جب حضرت علیؓ اللہ تعالیٰ کے ہاں برحق خلیفہ راشد تھے اور ان کو وعدہ خداوندی کے تحت خلیفہ بنایا گیا تھا۔ تو حضرت معاویہؓ کو گو اس کا علم نہ تھا اس لیے آپ نے آپ کی خلافت کی بیعت نہیں کی۔ لیکن جب حقیقت نفس الامری یہی تھا کہ حضرت علیؓ ہی چوتھے موعودہ خلیفہ راشد ہیں تو حضرت معاویہؓ سے اس حقیقت کے خلاف کا ارتکاب تو ثابت ہوگیا اور اسی بنا پر اہل السنّت والجماعت ان کو بوجہ مجتہد ہونے کے حضرت علیؓ سے قتال کرنے پر خطائے اجتہادی کا مرتکب قرار دیتے ہیں اور ابو ریحان صاحب نے یہ لکھ کر میرے متعلق کتنی غلط بیانی کی ہے کہ ”حضرت قاضی صاحب کی اپنی تحقیق یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی ساری زندگی میں ان کی امامت وخلافت کا یقینی فیصلہ ہی نہیں ہو سکا۔“ (ص ۱۹۲) میں نے یہ کہاں لکھا ہے؟ میرے لکھنے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کی خلافت پر تمام صحابہؓ کا اجماع نہیں ہو سکا۔ یہ نہیں کہ ان کی امامت وخلافت کا ساری زندگی میں یقینی فیصلہ ہی نہیں سکا۔ میں نے اکابر اہل سنّت کی عبارتوں سے ثابت کیا کہ حضرت علیؓ اپنی زندگی میں امام حق تھے۔

ایک ریحانی الزام:

مولانا ابو ریحان لکھتے ہیں ”بالخصوص حضرت معاویہؓ پر حضرت علیؓ کے اجتہاد کی پیروی لازم ہونا شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ کی اس عبارت سے آخر کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ کیونکہ شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ تو اس امام وقت کے حکم کی بات کر رہے ہیں جس کی کم از کم امامت کا فیصلہ تو اس کی زندگی میں ہوگیا ہو اور یہاں حضرت

قاضی صاحب کی اپنی تحقیق یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی ساری زندگی میں ان کی امامت خلافت کا یقینی فیصلہ ہی نہیں ہوسکا۔ (ص ۱۹۲) سوال یہ ہے کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ نے یہ کہاں لکھا ہے کہ اس امام وقت کے حکم کی اتباع لازم ہے جس کی کم از کم امامت کا فیصلہ تو اس کی زندگی میں ہوگیا ہو بلکہ حضرت شاہ شہید تو حضرت علی المرتضیٰ کو خلفاء راشدین میں شمار کرتے ہیں۔ البتہ خلافت راشدہ کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''پس خلافت راشدہ کی دو قسمیں ہوئیں ایک خلافت منتظمہ جیسا کہ خلافت خلفائے ثلثہؓ۔ دوسری خلافت غیر منتظمہ جیسا کہ خلافت علی المرتضیٰ۔ پس خلافت غیر منتظمہ میں امر خلافت کا انتشار باوجود خلیفہ راشد ہونے کے ہدایت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کی قلت کے سبب سے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام۔ پس جس طرح ظہور ہدایت کی تعلیل نوح علیہ السلام کے دامن پاک کو غبار آلود نہیں کرسکتی اسی طرح انتظام خلافت کا انجام نہ پانا کسی وجہ سے خلیفہ راشد (حضرت علیؓ) کے نقص کا باعث نہیں ہوسکتا۔ پس خلافت غیر منتظمہ کو اگر خلیفہ راشد کی موجودگی میں دیکھ لیں تو ہمیں کہنا پڑے گا کہ خلافت راشدہ ثابت ہے اور اگر عدم انتظام وتفرقہ اہل اسلام کے اعتبار سے دیکھیں تو کہیں گے کہ مستحق نہیں ہے۔ پس جو کہ حدیث شریف میں الخلافتہ بعدی ثلثون سنة (میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی) وہ اول الذکر خلافت کے بارے میں ہے اور بعض وہ احادیث جو ذوالنورینؓ کی خلافت کے اختتام پر دلالت کرتی ہیں وہ موخر الذکر کے اعتبار سے ہے الخ (منصب امامت اردو ص ۸۰-۷۹) اس سے ثابت ہوا کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنے وقت میں یقیناً خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں۔

(۲) پھر نکتہ دوم کے تحت لکھتے ہیں: خلیفہ راشد سایہ رب العالمین ہمسایہ

انبیاء والمرسلین سرمایہ ترقی دین اور ہم پایہ ملائکہ مقربین ہے۔ دائرہ امکان کا مرکز، تمام وجوہ سے باعث فخر اور ارباب عرفان کا افسر اس کا دل تجلی رحمٰن کا عرش اور اس کا سینہ رحمت وافرہ اور اقبال جلالت یزداں کا پرتو ہے۔ اس کی مقبولیت جمال ربانی کا عکس ہے۔ اس کا قہر و تیغِ قضا اور مہر عطیات کا منبع ہے۔ اس سے اعراض معارضہ تقدیر اور اس سے مخالفت مخالفت رب قدیر ہے الخ (ایضاً منصب امامت ص ۸۶)

(۳) حضرت شاہ شہیدؒ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی خلافت کو بھی خلافت مفتونہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: اور کبھی اہل زمانہ خلیفہ راشد کے تسلط سے رنج اٹھاتے اور اس پر طعن و ملامت کی زبان دراز کر دیتے ہیں لیکن حفاظت ربانی اور تائید آسمانی کے باعث ان کی ردوقدح بغاوت اور خروج نہیں پہنچتی اور ان کا ملال قلبی خلع بیعت کی نوبت نہیں لاتا اور خلافت کا انتظام بظاہر خلیفہ راشد کے حسب مرضی چلتا ہے اگرچہ اس کے احکام بعض اہل زمانہ کے دلوں پر شاق گزریں۔ اسے ہم خلافت مفتونہ کہتے ہیں۔ پس خلافت منتظمہ بھی دو قسم پر منقسم ہوئی۔ محفوظ مثل خلافت شیخین اور مفتونہ مثل خلافت ذوالنورینؓ۔ لیکن خلافت مفتونہ اگرچہ خلیفہ راشد کے وجود کسے اعتبار سے انتظام ظاہری کے لحاظ سے موجود ہے لیکن باعتبار عدم اطمینان قلبی حکماً مفقود ہے الخ (ایضاً ص ۸۱) لیکن حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی خلافت کو مفتونہ اور حضرت علی المرتضٰی کی خلافت کو غیر منتظمہ قرار دینے سے ان کی موعودہ خلافت راشدہ میں کوئی نقص لازم نہیں آتا کیونکہ یہ ساری قسمیں خلافت راشدہ موعودہ ہی کی ہیں البتہ ان میں باہمی فرق مراتب پایا جاتا ہے۔

حضرت معاویہؓ نے خلافت میں نزاع نہیں کیا

علاوہ ازیں اُمر بھی قابل غور ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی

خلافت کے بارے میں نزاع نہیں کیا بلکہ ان کا نزع صرف حضرت عثمانؓ کے قصاص کے بارے میں تھا۔ چنانچہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں: وما جرنی بین معاویة وعلیؓ کان مبینا علی الاجتهاد لامنازعة من معاویة فی الامة اذظن علیؓ ان تسلیم قتله عثمان مع کثرة عشائر هم واختلاطهم بالعسکر یؤدی ای اضطراب امر الامامة فی بدایتها فرأی التاخیر اصوب وظن معاویةؓ ان تاخیر امرهم مع عظم جنایتهم یو جب الاغراء بالائمة ویقرض الدماء للسفک وقد قال افاضل العلماء کل مجتهد مصیب وقال قائلون المصیبه واحد ولم یذهب الی تخطئة علیؓ ذواصیل اصلاً (احیاء العلوم جلد اول) اور جو نزاع کہ حضرت امیرؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں ہوا اس کی بنا اجتہاد پر تھی۔ یہ نہیں کہ امامت کے باب میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے نزاع ہوا ہو بلکہ حضرت علیؓ نے یہ گمان کیا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں کو سپرد کر دینے کا انجام یہ ہوگا کہ امارت کا معاملہ ابھی درہم برہم ہو جائے گا بایں لحاظ کہ ان کے قبائل بہت ہیں اور لشکر میں ملے جلے ہیں۔ اس لیے ان کے سپرد کرنے میں تاخیر کو اچھا جانا اور حضرت امیر معاویہؓ نے یہ سمجھا کہ کہ باوجود اتنے قصور (جرم) کے ان کے باب میں تاخیر کرنا اماموں کے اوپر ان کو ابھارنا ہے اور کشت وخون ناحق کے درپے ہونا۔ اور بڑے بڑے علماء کا قول ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہے اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ صواب (یعنی صحیح رائے) کو پہنچنے والا ایک ہی ہوتا ہے اور یہ کسی اہل علم کی تجویز نہیں ہے کہ حضرت علیؓ کو کہا ہو کہ خطا پر تھے۔ (ترجمہ مذاق العارفین جلد اول)

(۲) علامہ ابن ہمامؒ متوفی ۶۸۱ھ لکھتے ہیں: والامام الحق بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علیؓ (المسایرہ) رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امامِ حق حضرت ابو بکرؓ ہیں پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ اور مشاجرات کے سلسلے میں لکھتے ہیں و ماجری بین معاویة و علیؓ کان سبیناً علی الاجتهاد ولا منازعة من معاویةؓ فی الامامة اذظن علی ان تسلیم قتلـه عثمـان مع کثیره عشائرهم واختلاطهم بالعسکر یؤدی الـی اضـطـراب امـر الامـاتـه خصوصاً بدایتها فرأی التاخیر اصوب الی ان یتحقق التمکن الخ (ایضاً المسایرة) اور یہ وہی عبارت ہے جو امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھی ہے۔ اسی سلسلہ میں علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:واتـفق اهل الحق ان معاویة ایام من الملوک لا الخلفاء (اور اہل حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کے ایام خلافت میں حضرت معاویہؓ بادشاہوں میں سے تھے نہ کہ خلفاء میں سے)

(۳) ملا (علامہ) علیؒ قاری محدث حنفی جنگ جمل وصفین کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:اذلـم یـکـن ذلـک عـن نـزاعٍ فی حقیقة امارته بل کان عن خـطـائی اجتهاد هم حیث انکر وعلیه ترک القدو من قتله عثمان بل زعـم بـعـضـهـم انه کان مائلا الی قتله (شرح فقہ اکبر)(یہ نزاع حضرت علیؓ کی خلافت کے حق ہونے میں نہ تھا بلکہ ان حضرات کی خطائے اجتہادی کی وجہ سے تھا جبکہ انہوں نے بوجہ قاتلین حضرت عثمانؓ سے قصاص نہ لینے کے حضرت علیؓ پر اعتراض کیا تھا بلکہ ان میں سے بعض کا تو یہ بھی گمان تھا کہ حضرت علیؓ بھی حضرت عثمانؓ کے قتل کی طرف مائل تھے)

اور یہ تو خود مولانا ابو ریحان بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے فضائل کے قائل تھے اور ان کو احق بالخلافۃ تسلیم کرتے تھے۔ ان کا نزاع حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لینے کے بارے میں تھا۔ چنانچہ

لکھتے ہیں: اسی طرح حضرت معاویہؓ سے جب پوچھا گیا کہ: انت تنازع علیاً ام انت مثلہ کہ آپ حضرت علیؓ سے لڑنے کو پھرتے ہیں۔ کیا آپ ان کے مرتبے کے ہیں تو حضرت معاویہؓ نے صاف صاف اقرار کیا کہ: واللہ انی لاعلم انہ خیر منی وافضل واحق بالامر منی ولکن انتم تعلمون ان عثمان قتل مظلوماً الخ (یعنی قسم بخدا میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں (اور مانتا) ہوں کہ یقیناً حضرت علیؓ ہی مجھ سے کہیں بہتر اور بدرجہا بہتر ہیں اور ہاں وہی امر خلافت کے میری نسبت کہیں زیادہ حقدار ہیں۔ مسئلہ صرف دم عثمانؓ کا ہے اور بس (البدایہ ۱۲۹۔ ج ۸ فتح الباری ص ۸۶۔ ج ۱۳) اسی طرح حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت معاویہؓ سے پوچھا کہ: یا معاویہ علی کم تقاتل ھذا الرجل؟ اے معاویہ تم کس بات پر اس عظیم انسان سے لڑنے کو تیار پھرتے ہو۔ اللہ کی قسم وہ تو تم سے ہی نہیں تمہارے باپ سے بھی زیادہ قدیم الاسلام اور تم سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب اور امر خلافت کے تم سے زیادہ حق دار ہیں۔ تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میرا امر خلافت میں ان سے قطعاً کوئی نزاع نہیں بلکہ میری ان سے کھٹ پٹ اور اَن بن تو صرف دم عثمانؓ پر ہے۔ انہوں نے قاتلین عثمانؓ کو پناہ دے رکھی ہے۔ آپ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ وہ ہمیں قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے دیں۔ پھر اہلِ شام میں سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جو ان کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ بحوالہ البدایہ والنہایہ ص ۲۶، ج ۷، سبائی فتنہ حصہ اوّل ص ۱۴۰)

اب مولانا ابوریحان ہی عقل وانصاف سے کام لیں کہ (۱) حضرت علی المرتضیٰؓ قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین میں سے ہیں۔ (۲) اہل السنّت کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی بیعت اکثر مہاجرین وانصار نے کر لی تھی اور اپنے دور میں

آپ ہی امام وخلیفہ تھے۔ (۳) حضرت معاویہؓ بھی بہ نسبت، اپنے آپ کو خلافت کے لیے سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور آپ کی بیعت خلافت پر آمادہ ہیں البتہ آپ کا صرف یہ مطالبہ ہے کہ قصاص کے لیے قاتلین عثمانؓ کو آپ کے حوالے کر دیں۔ تو قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لے لینے کے لیے کیا یہ صورت زیادہ مفید اور موثر ثابت نہیں ہو سکتی تھی کہ حضرت معاویہؓ، حضرت علیؓ کو الحق بالخلافۃ مانتے ہوئے بیعت کے لیے کوئی شرط نہ لگاتے بلکہ آپ اور آپ کی جماعت سب سے پہلے آپ کی بیعت کر لیتے اور پھر ایک متحدہ اسلامی طاقت سے قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لیتے اور سبائیوں کا قلع قمع کر دیتے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن العربی متوفی ۴۵۳ھ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ: اور یہ جوان میں جنگ ہوئی تھی وہ تو قطعی معلوم ہے اور اس کا اس سبب سے ہونا بھی معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس معاملہ میں حق حضرت علیؓ کی طرف تھا کیوں کہ خون کا مطالبہ کرنے والے کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ خود فیصلہ کرے اور اگر مدعی کو قاضی پر شک ہو تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ اس کے خلاف بغاوت کرے بلکہ حق کا اس سے مطالبہ کرے۔ اگر فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے تو فبہا ورنہ خاموش رہے اور صبر کرے۔ (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۹۵۔ بحوالہ العواصم من القواصم مترجم اردو ص ۲۷۳ ایضاً متن عربی ص ۱۶۴۔ مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور) علاوہ ازیں قاضی ابوبکر بن العربیؒ فرماتے ہیں: اور علمائے اہل اسلام کے نزدیک یہ بات مقرر اور دینی دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی امام تھے اور جس کسی نے بھی آپ کے خلاف خروج کیا ہے، باغی تھے۔" (احکام القرآن جلد رابع ص ۱۷۱۸)

ایک ریحانی توجیہہ

مولانا ابو ریحان اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں: ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی

اللہ عنہ کا اپنے جائز اور معقول مجبوریوں کی وجہ سے سبائی فسادیوں اور قاتلوں کو ایک وقت تک ڈھیل دینا اگر ناجائز نہ تھا تو اپنی معقول معذوریوں کے سبب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک وقت تک ڈھیل مانگنا کیوں کر بغاوت ہو سکتا ہے۔ ہم دونوں حضرات میں سے کسی کی رائے کو غلط کہنے کی جرأت یا حماقت نہیں کر سکتے۔

الجواب:

(۱) حضرت معاویہؓ کی طرف سے ایک وقت تک ڈھیل مانگنے کو تو کسی نے بھی بغاوت نہیں کہا۔ یہ آپ کہہ رہے ہیں۔

(۲) کیا ان دونوں حضرات میں سے کسی کی رائے غلط نہیں ہو سکتی تھی؟ کیا وہ معصوم تھے؟ جمہور اہل سنت نے تو حضرت معاویہؓ کی اس رائے کو غلط قرار دیا ہے۔ کیا وہ سب اساطین امت آپ کے نزدیک حماقت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ البتہ اس قضیہ میں حضرت علیؓ کی رائے کو اس لیے غلط نہیں قرار دے سکتے کہ وہ جب خلیفہ قرار پائے تو حضرت معاویہؓ وغیرہ سے بیعت کا مطالبہ ان کا حق تھا۔ وہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی قائم کردہ تمام مملکت اسلامیہ کے لیے خلیفہ منتخب ہوئے تھے جس میں صوبہ شام بھی شامل تھا۔ وہ حضرت معاویہؓ کو شام کی گورنری سے معزول کر سکتے تھے۔ اسی لیے امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ اس قضیہ میں کسی اہلِ علم نے بھی یہ نہیں کہا کہ حضرت علیؓ سے اجتہادی خطا ہو گئی تھی۔ اس کے بعد ابوریحان صاحب لکھتے ہیں: البتہ اتنی بات تو بالکل واضح ہے جس کی تائید بعد کے حالات نے کر دی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے میں خود انہی کے لیے دوہری مشقت تھی کہ پہلے بیعت لینے کے لیے جدوجہد کرنا تھا اور پھر سبائیوں سے نمٹنا تھا اور حضرت معاویہؓ کی رائے میں ان کے لیے اکہری مشقت تھی کہ صرف سبائیوں

سے نمٹنا تھا اور بیعت خود بخود ہو جانا تھی کیوں کہ سبائی قاتلین تو سرے سے قصاص دینے کے ہی منکر تھے جب کہ غیر مبایعین حضرات نہ تو بیعت سے آبی تھے اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لیاقت و استحقاق خلافت ہی کے منکر تھے لیکن حضرت علیؓ کا راستہ طویل تھا اور حضرت معاویہؓ کا بتایا ہوا راستہ بہ نسبت مختصر۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے آخری لمحہ تک حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر وہ طویل راستہ طے نہ کر پائے، نہ بیعت کی تکمیل ہو سکی بلکہ روز بہ روز دائرہ مملکت تنگ ہی ہوتا رہا۔ الخ (ص ۲۳۳)

الجواب:

(۱) اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ بقول امام غزالیؒ اس قضیہ میں (جس کے نتیجے میں جنگ (صفین واقع ہوئی) کسی اہلِ علم نے یہ نہیں کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے غلط تھی یا یہ کہ مرجوع تھی اور اگر آپ بھی اہلِ سنت کے زمرے میں اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں تو آپ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو کم از کم راجح تو مان لیں۔

(۲) حضرت علیؓ کے لیے ان کی رائے میں دوہری مشقت کیوں کر ہو سکتی تھی جب کہ حضرت معاویہؓ آپ کو احق بالخلافۃ بھی تسلیم کر رہے تھے۔ تو وہ آپ کے مطالبہ کی بنا پر بخوشی بیعت کر لیتے۔ تو فرمایئے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے کون سی مشقت تھی۔ ہاں اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اور ان کی پارٹی بیعت کرنے سے حیل و حجت کر سکتی تھی تو اس میں تو مشقت ہے لیکن آپ پھر یہ کیوں کر تسلیم کر لیں گے کہ حضرت معاویہؓ آپ کے فضائل کے قائل تھے اور آپ کو احق بالخلافۃ تسلیم کرتے تھے؟ دوہری مشقت تو آپ کو اس صورت میں پیش آئی کہ حضرت معاویہؓ اپنی شرط پر قائم رہے۔ صوبہ کی گورنری کو بھی ترک

نہ کیا حتیٰ کہ باہمی جنگ وقتال تک نوبت پہنچ گئی اور جانبین سے ہزاروں افراد قتل ہو گئے۔ فرمایئے! اگر حضرت معاویہؓ بیعت کر لیتے اور پھر متحدہ قوت سے بلوائیوں اور قاتلوں کا مقابلہ آسان تھا یا مشکل تھا۔ بہر حال آسان تھا۔ اس صورت میں ہزار ہا مسلمان قتل نہ ہوتے اور آسانی سے بلوائیوں کا قلع قمع ہو سکتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تو بہت زیادہ مشکل اس صورت میں پیش آ گئی کہ ادھر حضرت معاویہؓ کی جنگی قوت مقابلہ میں ہے۔ ادھر بلوائیوں کی سازشیں اور شر انگیزیاں ہیں۔ یہاں دو طاقتوں کا مقابلہ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کی بنا پر صرف ایک طاقت کا مقابلہ تھا یعنی بلوائیوں اور مفسدین کا اور اس باہمی قتل وقتال کی وجہ سے حضرت علیؓ کی مملکت کو نقصان پہنچا اور انہی وجوہات کی بنیاد پر جمہور اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت معاویہؓ سے اس معاملہ میں اجتہادی خطا سرزد ہوئی تھی اور اگر آپ کے نزدیک امامِ وقت سے اپنے مطالبہ کو با اصرار منوانا اور مطالبہ منظور نہ ہونے کے صورت میں جنگ وقتال تک کرنا ہی صحیح راستہ ہے تو فرمایئے خلافتِ راشدہ کی اور امامِ وقت کی پھر کیا حیثیت رہ جاتی ہے اور فرمایئے کہ حضرت معاویہؓ کی اس سیاسی تدبیر کی وجہ سے قاتلین حضرت عثمانؓ کو نقصان زیادہ پہنچا ہے یا اُس دور کے صحابہؓ اور تابعین کو؟ کچھ تو ان علمی مباحث میں عقل و فہم سے کام لیا کریں۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہمارے سامنے حضرت امیر معاویہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما کا قضیہ بھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امام حسنؓ جانشین ہوئے۔ مقابلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے تحت حضرت امام حسنؓ اپنی خلافت حقہ سے دست بردار ہو گئے اور حضرت معاویہؓ کی بیعت کر لی۔ تو اس متحدہ قوت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تمام عالم اسلام کے متفق علیہ برحق خلیفہ بن گئے۔ اس

وجہ سے اس سال کو سال جماعت کہا جاتا ہے لیکن اگر بالفرض حضرت امام حسنؓ، حضرت معاویہ کی بیعت نہ کرتے اور بہر حال جنگ کرتے تو کیا اتنی آسانی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تمام مملکت اسلامیہ کے متفق علیہ خلیفہ بن سکے تھے؟ تو فرمائیے کہ کیا امام حسنؓ کے اس طرزِ عمل سے حضرت معاویہؓ کو دوہری مشقت اُٹھانا پڑی یا دوہری مشقت دوسری صورت میں ہوسکتی تھی۔ اسی طرح اگر حضرت معاویہؓ، حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کر لیتے تو دیکھتے ہی دیکھتے تمام مملکت اسلامیہ کے حضرت علی المرتضٰی بہت کامیاب اور متفق علیہ خلیفہ قرار پا سکتے تھے۔ اگر عالم اسباب اور اصول شرع کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت علیؓ کی رائے اور تدبیر ہی صحیح تھی۔

☆☆☆

ایک ریحانی اشکال اور اس کا حل

مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ کی زیر بحث عبارت پر ایک اشکال وارد کرتے ہوئے مولانا ابو ریحان موصوف لکھتے ہیں کہ: ”دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ تو زیر بحث عبارت میں امام وقت کے حکم کے خلاف کرنے والے کو بیشک عند اللہ عاصی فرما رہے ہیں جب کہ حضرت قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کے باوجود عاصی کہنے اور ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں بلکہ بہر صورت ماجور فرماتے ہیں اور مانتے ہیں۔ حضرت قاضی صاحب کا یہ کہنا کہ: لیکن حضرت معاویہؓ کی خطاء چونکہ اجتہاد پر مبنی ہے اس لیے آپ پر طعن کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ بالکل غیر موثر ہے اس لیے کہ شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ بلا تفریق و بلا تخصیص امام وقت سے اختلاف کرنے والے ہر مجتہد، مقلد مخلص و عامی، عالم و عارف اور غیر عارف کو

عاصی کہہ رہے ہیں۔ حضرت معاویہؓ کی خطاء اگر اجتہاد پر مبنی ہے تب بھی وہ شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ کی اس عبارت کے پیش نظر ''بیشک عنداللہ عاصی'' ہی ٹھہرتے ہیں۔ شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ کی یہ عبارت حضرت معاویہؓ پر اگر لاگو ہوتی ہے تو ساری کی ساری لاگو ہوگی اور اگر عبارت کا یہ عاصی والا حصہ ان پر لاگو نہیں ہوتا تو پھر بقیہ عبارت کو بھی قضیہ جمل وصفین سے غیر متعلق کہا جا سکتا ہے۔ (ص ۱۹۳)

الجواب

(۱) اس عبارت میں مجتہد اور مجتہدین سے مراد صحابہ کرامؓ کے علاوہ دوسرے مجتہدین امت ہیں اور اس کا قرینہ یہ الفاظ ہیں ''کسی کو اس کے ساتھ اپنے اجتہاد یا مجتہدین سابقین کے اجتہاد یا اپنے الہام یا شیوخ متقدین کے الہام سے تعرض نہیں ہوسکتا'' اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اور یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ دین اسلام میں سے کسی کو اس کے ساتھ اختلاف نہیں ہے۔ حالانکہ اس بات پر کوئی اجماع نہیں ہے کہ امام وقت (حضرت علی المرتضیٰ) کے اجتہاد کی جس نے مخالفت کی ہے صحابہ کرامؓ میں سے وہ عنداللہ عاصی ہے بلکہ جمہور اہلسنت کا مسلک یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ سے قتال کرنے کی وجہ سے بھی حضرت امیر معاویہؓ عاصی نہیں ہیں بلکہ مجتہد ماجور ہیں اور ان کو بھی ایک اجر ملے گا اور حضرت شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ کی زیر بحث عبارت جو میں نے پیش کی تھی تو اس سے امام وقت کا اصل مقام سمجھانا مقصود تھا کیونکہ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی حضرت علی المرتضیٰ کو قرآن کا چوتھا موعودہ خلیفہ راشد تسلیم کرنے کے باوجود حضرت امیر معاویہؓ کو ان کے باہمی اختلاف میں اقرب الی الحق مانتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت ہنگامی تھی اور اس کے بعد استصواب رائے عامہ ضروری تھا۔

(۲) حضرت شاہ ولیٰ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ: اس وقت اگر ان خلفاء کا فیصلہ کسی مسئلہ کے متعلق یا ان کا فتویٰ کسی واقعہ کے متعلق پایہ ثبوت تک پہنچ جائے تو وہ (فیصلہ اور فتویٰ) دلیل شرعی ہوگا (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اول ص ۷۹) اور ظاہر ہے کہ دلیل شرعی کی مخالفت معصیت ہے لیکن اس کے باوجود حضرت شاہ ولیٰ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مخالفت کی بناء پر عاصی نہیں کہتے بلکہ ان کو مخطی مجتہد ماجور قرار دیتے ہیں۔

(۳) حضرت شاہ صاحب دہلویؒ خلیفہ سے بغاوت کی مختلف صورتوں میں سے ایک یہ صورت لکھتے ہیں: تیسری صورت (خلیفہ سے بغاوت کرنے کی) یہ ہے کہ دین قائم کرنے کی غرض سے لوگ بغاوت کریں اور خلیفہ (کی حقیقت) اور اس کے احکام (کے وجوب اطاعت) میں شبہ بیان کریں۔ پس اگر (باغیوں کی) یہ تاویل قطعی البطلان ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتدوں کی اور زکوۃ دینے سے انکار کرنے والوں کی تاویل (ناقابل اعتبار تھی) اور تاویل کے قطعی البطلان ہونے کے یہ معنی ہیں کہ (یہ تاویل) نص قرآنی یا سنت مشہورہ یا اجماع یا قیاس جلی کے مخالف ہو اور اگر وہ تاویل قطعی البطلان نہ ہو بلکہ مجتہد فیہ ہو تو وہ گروہ باغی تو ضرور ہوگا مگر قرن اول میں ایسے گروہ کا حکم وہی ہے جو مجتہد مخطی کا ہوتا ہے کہ اگر وہ گروہ خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے لیکن جب کہ (خلیفہ وقت سے) بغاوت کرنے کی مخالفت کی حدیثیں جو صحیح مسلم وغیرہ میں مستفیض میں شائع ہوگئیں اور امت کا اجماع اس پر متفق ہوگیا تو اب اگر کوئی بغاوت کرے تو اس باغی کے عاصی ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ (ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۳۲) اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ حضرات اپنے دور میں معذور تھے اور وہ حضرت شاہ اسمعیل شہیدؒ کے پیش کردہ ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں۔

(۴) علاوہ ازیں حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ کی حسب ذیل عبارت آیت وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ کی تشریح میں پیش کی جا چکی ہے کہ: ایک یہ کہ وہ خلفاء جن کی خلافت کا (اس آیت میں) وعدہ ہے جب وہ وعدہ پورا ہوگا تو دین نہایت کامل طور پر ظاہر ہوگا۔ دوسرے یہ کہ عقائد و عبادات ومعاملات ومسائل نکاح واحکام خراج (غرض) جو جو باتیں ان خلفاء کے عہد میں ظاہر ہوں گی اور وہ جن جن چیزوں کی ترویج میں پورے اہتمام کے ساتھ کوشش کریں گے یہ سب چیزیں پسندیدہ دین ہوں گی الخ (ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۷۹) اس کے حاشیہ میں امام اہل سنت مولانا لکھنوی لکھتے ہیں: جیسے حضرت عمرؓ بن خطاب نے نماز تراویح کی ترویج میں اور حضرت عثمانؓ نے جمعہ کی دوسری اذان کی بھی ترویج میں کوشش کی۔ اگر یہ کوشش پورے اہتمام کے ساتھ نہ ہو مثلاً حضرت فاروقؓ نے کسی امر کے متعلق معمولی طور پر فرما دیا ہو اور لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہو۔ پھر حضرت ممدوح نے اس اختلاف کے مٹانے کی طرف توجہ نہ کی ہو تو ایسے امور اس سے خارج ہوں گے۔" اس استثنائی صورت کے تحت ہم کہتے ہیں کہ گو شروع شروع میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے امام وقت ہونے کی حیثیت سے فریق ثانی (یعنی قصاص کا مطالبہ کرنے والے صحابہ کرامؓ) کے بارے میں کوئی لچک اختیار نہیں کی اور جنگ جمل اور جنگ صفین تک نوبت پہنچ گئی۔ لیکن بعد میں آپ نے نرمی اختیار کر لی حتیٰ کہ حکمین کی ثالثی کی صورت بھی قبول کر لی۔ اس اعتبار سے آپ کے اجتہاد سے اختلاف کرنے والے عاصی نہیں قرار دیے جا سکتے اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کا ضابطہ بھی برقرار رہتا ہے اور اسی مشاجرات صحابہؓ کی بحث میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: اہل سنت سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ابتدائے

امامت سے لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے معاملہ امامت حوالہ کرنے تک وہ حق پر نہیں تھے بلکہ باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے اس لیے کہ امام وقت کی اطاعت چھوڑ بیٹھے تھے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب امامت سپرد کی تو اس وقت وہ بادشاہ ہوئے یا ان کی حیثیت کے لیے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک عام بادشاہ تھے۔ تمام اسلامی ممالک کے فرمانروا اور جناب امیر رضی اللہ عنہ نے کسی ناگزیر مصلحت کے سبب ان کی سلطنت کی وسعت کو گوارا کر لیا تھا اور وہ امام کی اتباع جیسا کہ چاہیے نہ کرتے تھے۔ (تحفہ اثنا عشریہ مترجم ص ۳۶۰)

جب امام وقت نے گوارا کر لیا تو پھر حضرت معاویہؓ کو عاصی نہیں کہا جائے گا بلکہ جمہور اہلسنت کے مسلک کے مطابق وہ مجتہد مخطی معذور ہو سکتے ہیں۔ بہر حال مذکورہ وجوہ کی بنا پر جناب ابو ریحان کا حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی زیر بحث عبارت پر جو اشکال تھا اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ یہ ایک سطحی اشکال تھا جس کا کوئی وزن نہیں۔

ج۔ اسی زیر بحث عبارت کے سلسلہ میں نمبر ج کے تحت مولانا ابو ریحان لکھتے ہیں: تیسری بات جس پر غور کرنا ضروری ہے یہ کہ حضرت شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ یہاں عام امام وقت سے اختلاف کرنے والے کے اختلاف کو عند رب العلمین، انبیاء، ومرسلین، مجتہدین اور علماء کے حضور ناقابل قبول فرمار ہے ہیں اور بظاہر اس کی وجہ سے اس کے غیر صحیح اور غیر حق ہونے کے علاوہ اور کچھ سمجھ نہیں آتی۔ اس اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا امام وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف غیر صحیح اور غیر حق ہوگا نہ کہ صحیح اور حق۔ حالانکہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ، اس کو بھی حق اور حق کی ایک فرد اور کار ثواب قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں: ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس جنگ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں حق پر تھے الخ (کشف خارجیت ص ۳۲۳۔ خارجی فتنہ ۳۲۶ ج ۱۔ وص ۵۳۲ ۔ ج ا وغیرہ الخ (ص ۱۹۳)

الجواب

(۱) سابقہ حل اشکال کے پیش نظر یہ اعتراض نا قابل التفات رہ جاتا ہے

(۲) اہل حق کے نزدیک مجتہدین کے اختلاف میں حق و باطل کا اختلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ صواب وخطا اور صحیح و غلط کا تقابل ہوتا ہے۔ یہ اختلاف حق کے دائرہ میں ہی ہوتا ہے۔

(۳) ابوریحان صاحب نے خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۲۶ کا جو حوالہ دیا ہے اس میں میں نے مولانا سندیلوی کی ایک عبارت کا جواب دیا ہے۔ انہوں نے کل مُجتهد مصیب کے تحت امام غزالیؒ کی عبارت پیش کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ: ان اکابر علمائے اہلسنت کا مسلک یہ تھا کہ ان سب مشاجرات مذکورہ میں فریقین حق پر تھے یعنی حضرات اصحاب صفین بھی حق پر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے موئدین بھی حق پر تھے۔ ان میں سے کسی سے بھی خطائے اجتہادی کا صدور نہیں ہوا۔ ان علماء کو افاضل کے لقب سے اور ان سے اختلاف کرنے والوں کو قائلوں کے لفظ سے ذکر کرنا واضح اشارہ ہے کہ خود امام غزالیؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ ہر فریق حق پر تھا کسی سے غلطی نہیں ہوئی (اظہار حقیقت ج ۲ ص ۴۴۴) اس کے جواب میں میں نے لکھا تھا کہ: فریقین کے حق پر ہونے سے نتیجہ نکالنا کہ ان میں سے کسی سے خطا نہیں ہوئی بالکل غلط ہے کیونکہ حق پر ہونے اور غلطی کرنے میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ اجتہادی خطا حق کے دائرہ میں ہی رہتی ہے۔ اس کو خلاف حق نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ سندیلوی صاحب نے خود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک غیر مطبوعہ مکتوب (محررہ ۱۸ ذی الحجہ ۹۵ ۱۳ھ جو

پہلے بھی نقل کیا جا چکا ہے) میں لکھا ہے کہ: اپنے اجتہاد کے لحاظ سے وہ حق پر تھے۔ اگرچہ واقع کے لحاظ سے اُن کی غلطی تھی۔" سندیلوی صاحب یہ بھی نہیں سمجھتے کہ اجتہادی اختلاف میں حق و باطل کا تقابل نہیں ہوتا بلکہ صواب و خطا اور صحیح و غلط کا تقابل ہوتا ہے۔ لہٰذا امام غزالیؒ کا فریقین کو اس اجتہاد میں حق پر کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی فریق سے غلطی نہیں ہوئی الخ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۲۶)
کاش کہ جناب ابو ریحان خارجی فتنہ سے میری منقولہ عبارت بھی نقل کر دیتے جس سے قارئین حضرات کو مولانا سندیلوی کی علمی غلطی معلوم ہو جاتی۔

عجیب و غریب ریحانی توجیہہ

مولانا ابو ریحان موصوف حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی زیرِ بحث عبارت کے سلسلہ میں ہی لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک حضرت شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق انیق ازروئے قواعد و اصول مشروط ہے چند شرطوں کے ساتھ۔

(و) امام کی امامت منظمہ ہو ورنہ یہ حکم نہ ہوگا (ازالۃ الخفاء مترجم ص ۵۴۵۔ ۵۴۳ ج) جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں جانے سے معذرت کر دی تھی (البدایہ ص ۲۳۱ ج ۷)

(ب) امام وقت کے حکم کا خلاف شرع ہونا متحقق نہ ہو۔

(ج) امام وقت اس مسئلہ مختلف فیہ میں خود فریق نہ ہو جیسے ایک مقدمہ میں قاضی شریح نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی گواہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول نہ کرتے ہوئے فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف دے دیا تھا۔ (فتح القدیر ابن ہمام ص ۳۲۔ ج ۶۔ لتفصیل مقام آخر۔)

(د) حضرت قاضی صاحب مدظلہ، نے ایک دوسری جگہ انہی شاہ شہیدؒ کی اس کتاب منصب امامت سے ان کا یہ ارشاد سلطان کامل سے متعلق فرمایا ہے کہ: پس

اگر کسی وقت سلطان کامل تخت سلطنت پر متمکن ہو اور اس وقت امام حق کا بھی وجود ہو جو خلافت کی اہلیت رکھتا ہے تو مناسب یہ ہے کہ امام حق منصب امامت پر قناعت کرے اور اپنی کوشش ہدایت وارشاد کی طرف مبذول کرے اور سلطان کے ساتھ اور سیاست میں دست بگریبان نہ ہو اور رعایا ولشکر کو جنگ وجدل کے بپا کرنے میں بے سروساماں نہ کرے اگرچہ خلافت راشدہ کا منصب اعلیٰ اس کے ہاتھ سے جارہا ہو لیکن عباداللہ کی خیر خواہی کے مدنظر اس کو گوارہ کرے اور راضی بقضا ہو رہے اور تمام مسلمانوں پر اس کو تصدق کردے جیسا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے سلطان شام (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) سے یہی طریقہ اختیار کیا اور مخالفت کا دروازہ نہ کھولا الخ (منصف امامت بحوالہ خارجی فتنہ ص ۳۹۴۔۴۹۳۔ج ۱) تو چوتھا امر قابل غور یہ ہے کہ جس طرح حضرت قاضی صاحب شاہ شہید رحمۃ اللہ کی منصب امامت کے حوالہ سے حضرت معاویہؓ پر حضرت علیؓ کی پیروی کو لازم کر رہے ہیں بالکل اسی طرح حضرت قاضی صاحب کا کوئی مدمقابل خارجی وناصبی انہی شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اسی منصب امامت کی اور وہ بھی حضرت قاضی صاحب ہی کی ذکر کردہ مذکورہ عبارت کے حوالہ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرح سلطانِ شام (امیر معاویہؓ) کے مقابلہ میں حرف منصب امامت پر ہی قناعت کر لینی چاہیے تھی۔ ان کے ساتھ دست وگریباں نہ ہونا چاہیے تھا۔ رعایا اور لشکر کو جنگ وجدل کے بپا کرنے بے سروساماں نہ کرنا چاہیے تھا اگرچہ خلافت راشدہ کا اعلیٰ منصب ان کے ہاتھ سے جاتا رہتا مگر عباداللہ کی خیر خواہی کے مدنظر اس کو گوارا کر لینا چاہیے تھا وغیرہ وغیرہ لیکن یقین نہیں کہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ اس کے اس استدلال کو درخورِ اعتناء بھی سمجھیں گے اور اس کے سننے کے لیے بھی تیار

ہوں گے حالانکہ یہاں بھی وہی شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ ہیں وہی ان کی منصب امامت ہے اور مذکورہ عبارت اپنے مذکورہ مدلول میں بھی ظاہری طور پر بالکل واضح ہے نیز یہ عبارت بھی ذکر کردہ حضرت قاضی صاحب کی ہی ہے۔ جو خرابی حضرت قاضی صاحب کے اس مد مقابل کے اس استدلال میں ہے بعینہٖ وہی خرابی ہمارے نزدیک خود حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے زیر بحث استدلال میں بھی ہے۔ (ص ۔۱۹۵۔۱۹۶)

الجواب

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث نے تو یہ شرط نہیں لگائی۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ گیارھواں (حکم) پہلے زمانے میں خلیفہ کے قول پر عمل کرنا (شرعی) دلیل تھا اور فتنہ کے زمانے میں یہ بات نہ رہی (یعنی قول خلیفہ دلیل شرعی نہ رہا) (ازالۃ الخفاء مترجم ص ۵۴۳) حضرت شاہ صاحب نے تو یہ فرمایا ہے کہ دور فتنہ کی وجہ سے قول خلیفہ شرعی دلیل نہ رہا لیکن ابوریحان صاحبؒ فرما رہے ہیں کہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت غیر منظمہ تھی اس لیے ان کا قول شرعی حجت نہ رہا اور آپ نے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کی توجیہ لکھی ہے عذر ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق حافظ ابن حجرؒ محدث کی یہ عبارت پہلے بھی پیش کر چکا ہوں کہ: **وکان رای ابن عمر ترک القتال فی الفتنۃ ولو ظہر آن احدی الطائفتین محققہ والاخری مبطلۃ** (فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۰) اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ فتنہ کے زمانے میں قتال نہ کیا جائے اگرچہ یہ ظاہر ہو جائے کہ دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ حق پر ہے اور دوسرا باطل پر۔

اس سے معلوم ہوا کہ دور فتنہ کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی

رائے یہ تھی کہ جنگ وقتال نہ کیا جائے لیکن ترک قتال کی ان کی رائے اس لیے نہ تھی کہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت غیر منظمہ ہے اس لیے ان کے ساتھ ہوکر قتال کرنا جائز نہیں۔ لیکن ابوریحان صاحب کی توجیہہ من گھڑت ہے علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق تو حافظ ابن حجرؒ محدث نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے آیت وان طالفتان من المومنین اقتتلو (اگر مومنین کے دوگروہ آپس میں قتال کریں) سے متعلق دریافت کیا گیا تو: ابن عمر قال مَاوَجَدْتُ فِیُ نفسی فی شیی من امر هذه الامت ماوجدت فی نفسی آنّی لم اقاتل هذه الفتنه الاغیه کما امر الله (فتح الباری جلد ۱۳ص ۶۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس امت کے معاملے میں مجھے اتنا قلبی رنج وغم نہیں پہنچا جتنا کہ اس بات سے ہوا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوکر باغی گروہ سے جنگ نہیں کی۔ اس سے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی سابقہ اجتہادی رائے سے رجوع ثابت ہوتا ہے۔ خدا جانے کس جذبہ سے مغلوب ہوکر جناب ابوریحان نے ایسی بے تکی توجیہات پیش کردی ہیں۔ باقی رہی حافظ ابن کثیر محدثؒ کی عبارت تو انہوں نے بھی یہ شرط پیش نہیں کی جو ابوریحان پیش فرما رہے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وکان علی لما عزم علی القتال اهل الشام قد ندب اهل المدینة الی الخروج معه فابوا علیه. فطلب عبد الله بن عمر بن الخطاب وحرضه علی الخروج معه. فقال انما انا رجل من اهل المدینة ان خرجوا خرجت علی السمع والطاعته ولکن لا اخرج للقتال فی هذ العام ثم تجهز ابن عمر رضی الله عنه وخرج الی مکة (البدایه والنهایة

جلد ۷ ص ۲۳۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اہل شام سے جنگ کرنے کا
پختہ ارادہ کرلیا تو آپ نے اہل مدینہ کو اپنے ساتھ نکلنے کے لیے بلایا۔ آپ نے
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور ان کو اپنے ساتھ نکلنے کی ترغیب
دی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں مدینہ (منورہ) کا رہنے والا
ہوں۔ اگر اہل مدینہ آپ کے ساتھ ہو کر جنگ کرنے کے لیے نکلیں گے تو میں بھی
آپ کی اطاعت کرتے ہوئے نکلوں گا۔ لیکن اس سال میں جنگ کے لیے نہیں
نکل سکتا۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تیاری کی اور مکہ چلے گئے۔" یہاں بھی
حافظ ابن کثیرؒ نے اس شرط کا کوئی ذکر نہیں کیا جس کو مولانا ابو ریحان ضروری قرار
دے رہے ہیں کہ "اس امام وقت کی پیروی لازم ہے جس کی خلافت منظمہ ہو ورنہ
غیر منظمہ خلافت کے امام کے حکم کی پیروی لازم نہیں ہوتی۔" تعجب ہے کہ ابو
ریحان صاحب جو شرط پیش کر رہے ہیں اس کا نہ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ نے
ذکر کیا ہے اور نہ حافظ ابن کثیرؒ نے۔ آخر انہوں نے یہ شرط کہاں سے کشید کر لی؟
علاوہ ازیں مولانا ابو ریحان (جا) کے تحت یہ شرط بھی پیش کرتے ہیں کہ: امام
وقت اس مسئلہ مختلف فیہ میں خود فریق نہ ہو الخ۔ یہ شرط بھی خود ان کی کشید کردہ ہے
اور جس مقدمہ کی انہوں نے مثال پیش کی ہے اس کی تو نوعیت ہی جدا ہے۔ وہاں
تو قاضی شریح کے پاس آپ کا مقدمہ دائر ہے۔ فرمایئے جنگ جمل اور جنگ
صفین کا مقدمہ کس عدالت میں پیش کیا گیا تھا جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی
حاضری مطلوب تھی؟ فرمایئے کہ جب بلوائیوں نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی
اللہ عنہ پر الزامات عائد کیے اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے بحیثیت امام وقت ان
کے جوابات دیے تو کیا آپ وہاں بھی یہی شرط پیش کریں گے کہ چونکہ حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ خود ایک فریق بن گئے تھے اس لیے ان کی اطاعت رعیت

پر لازم نہ تھی (العیاذ باللہ) کچھ تو عقل وفہم سے کام لیا کریں۔

ایک اور ریحانی کشیفہ

امام وقت کی اطاعت کے سلسلے میں نمبر (د) کے تحت مولانا ابو ریحان منصب امامت سے میری پیش کردہ عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: بالکل اسی طرح حضرت قاضی صاحب کا کوئی مدمقابل خارجی وناصبی انہی شاہ شہیدؒ کی اسی منصب امامت کی اور وہ بھی حضرت قاضی صاحب کی ہی ذکر کردہ مذکورہ عبارت کے حوالہ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرح سلطان شام (امیر معاویہؓ) کے مقابلہ میں صرف منصب امامت پر ہی قناعت کر لینی چاہیے تھی۔ ان کے ساتھ دست وگریباں نہ ہونا چاہیے تھا۔ رعایا اور لشکر کو جنگ وجدل کے بپا کرنے میں بے سروسامان نہ کرنا چاہیے تھا۔ اگرچہ خلافت راشدہ کا اعلیٰ منصب ان کے ہاتھ سے جاتا رہتا مگر عباد اللہ کی غیر خواہی کے مدّ نظر اس کو گوارا کر لینا چاہیے تھا وغیرہ وغیرہ لیکن یقین نہیں کہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ اس کے اس استدلال کو درخور اعتناء بھی سمجھیں گے اور اس کو سننے کے لیے بھی تیار ہوں گے حالانکہ یہاں بھی وہی شاہ شہیدؒ ہیں وہی ان کی منصب امامت ہے اور مذکورہ عبارت اپنے مذکورہ مدلول میں بھی ظاہری طور پر بالکل واضح ہے نیز یہ عبارت بھی ذکر کردہ حضرت قاضی صاحب کی ہی ہے۔ بس جو خرابی حضرت قاضی صاحب کے اس مدمقابل کے اس استدلال میں ہے بعینہٖ وہی خرابی ہمارے نزدیک خود حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے زیر بحث استدلال میں ہے۔ (ص ۱۹۶) علاوہ ازیں نمبر ا کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: سلطان شام کو سلطنت پر جس قدر تمکین حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حاصل تھی اسی قدر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی حاصل تھی۔ چنانچہ خود حضرت

قاضی صاحب ابن ہمام سے نقل کر آئے ہیں کہ: واتفق اهل الحق علی ان معاویة ایام علی من الملوک لا الخلفاء الخ (خارجی فتنہ ص ۴۲۰۔ ج ۱) اور کچھ نہیں تو کم از کم واقعہ تحکیم کے بعد تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دعویٰ خلافت تو خود حضرت قاضی صاحب کو بھی تسلیم ہے (خارجی فتنہ ص ۳۸۰۔ ج ۱) لہٰذا حضرت قاضی صاحب کے مدمقابل کا استدلال کسی طرح بھی کم نہیں ۔ جو جواب حضرت قاضی صاحب اس کو دیں گے وہی جواب خود ان کے استدلال کا بھی باور کیا جا سکے گا۔ (ایضاً ص ۱۹۵)

الجواب

مولانا ابوریحان نے خارجی وناصبی کی طرف سے جو مفروضہ بنایا ہے وہ غالباً کسی خارجی وناصبی کے ذہن میں بھی نہ آیا ہوگا اور یہ مفروضہ خود ان کی کم فہمی پر مبنی ہے کیونکہ (۱) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم الشان پیشگوئی پر مبنی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان النبیّ هذا سید لعل الله ان یصلح به بین فِئَتین من المسلمین (بخاری)۔ یہ میرا بیٹا سید (سردار) ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو (بڑی) جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔ اس عظیم پیشگوئی کے تحت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت صرف چند ماہ کے لیے عارضی تھی نہ کہ مستقل ساری زندگی کے لیے۔ چنانچہ قریباً چھ ماہ کے بعد آپ نے خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دی۔

(۲) لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت قرآن کی مدعودہ خلافت راشدہ ہے جو عارضی نہیں بلکہ مستقل ہے ساری زندگی کے لیے ہے اور آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت خلفاء اربعہ (چار یار رضی اللہ عنہ) کی خلافت سب کی مستقل

ہے نہ کہ عارضی، اس لیے کوئی مسلمان ان حضرات کو قرآن کے مدعودہ خلفاء راشدین تسلیم کرنے کے بعد یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ وقتی حالات کے تحت خلافت سے دستبردار ہو سکتے تھے۔

(۳) چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جب بلوائیوں نے خلافت سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کیا تو آپ نے شہادت تو قبول کر لی لیکن ان کا یہ مطالبہ قبول نہیں کیا اور آپؓ کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمادی۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: **یا عثمان انه لعل الله يقمصك قميصاً فان ارادوك على خلعه فلا تخلعه لهم** (ترمذی) اور حاکم و ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عثمانؓ! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں (خلافت کا) کرتہ پہنائے گا۔ پس اگر لوگ تم سے وہ کرتا اتارنا چاہیں تو ہرگز انہیں اتارنے نہ دینا۔ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اول ص ۲۵۸)

اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں جو حدیث ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے آخر وقت تک خلیفہ رہنا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: تم خلیفہ بنائے جاؤ گے اور تم مقتول ہو گے اور تمہاری یہ ڈاڑھی تمہارے سر کے خون سے رنگین ہو گی۔ (ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۵۹۳) اس پیشگوئی سے ثابت ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ نے آخر وقت تک خلیفہ رہنا تھا اور بحیثیت خلیفہ ہی آپ نے مقتول ہونا تھا۔ لہٰذا خلافت سے دستبرداری کا یہاں احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں جنگ نہروان کی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ لکھتے ہیں: حادثہ سوم جنگ نہروان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر حدیث میں نقل فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے کہ مسلمانوں کے افتراق کے

وقت یہ جنگ ہوگی اور خوارج کو وہ فریق قتل کرے گا جو اولیٰ بالحق ہوگا اور یہ جنگ اس جماعت کے حسناتِ عظیمہ سے ہوگی۔ ان تینوں حادثوں کے بعد حضرت مرتضیٰؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مستفیض میں بیان فرمایا ہے اور حضرت مرتضیٰؓ کے قاتل کو اشقی الآخرین کی مذمت سے یاد کیا۔ (ایضاً ازالۃ الخفاء ص ۵۹۵) جب احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ جمل وصفین اور جنگ نہروان ان تینوں کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی تو پھر ابو ریحان صاحب کا پیش کردہ مفروضہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنی خلافت سے دست بردار ہو جاتے اور سلطان شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کر لیتے۔ حالانکہ یہ شرعاً محال ہے۔

ع این خیال است ومحال است وجنوں

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ نے کس قدر وضاحت سے یہ فرمایا ہے کہ:
حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں دوسری ایسی وجہ پائی جاتی ہے جو قتال کے بارے میں ان کے سخت ہونے کو ضروری قرار دیتی ہے اور وہ یہ کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلافت کا خلع نہ کریں (یعنی دستبردار نہ ہوں) اور اس کے قواعد کے مستحکم کرنے میں پوری پوری سعی کو کام میں لائیں تاکہ قیامت کے دن خلفاء کے زمرے میں مبعوث ہوں۔ اس کی نظیر ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہونا گوارا کیا مگر خلافت سے خلع منظور نہ کیا الخ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد ۴ ص ۵۳۵) بہر حال مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر اور خصوصاً قرآن کے مدعودہ چوتھے خلیفہ راشد ہونے کی بنا پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی مدعودہ خلافت راشدہ سے دستبردار نہیں ہو سکتے

تھے اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے بارے میں امام اعظم ابو حنیفہ کا یہ ارشاد علامہ علی قاری محدث حنفی نقل کرتے ہیں کہ: قال ابو حنیفه لو لا علی رضی الله عنه لما یعرف السیرة فی الخوارج (شرح فقہ اکبر) امام حنیفہ نے بتایا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو خوارج کے معاملے میں کوئی طریقہ ہمیں معلوم نہ ہو سکتا تھا۔

(۲) اور امام غزالیؒ بھی فرماتے ہیں کہ: اور سب سے اول بدعتیوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجادلے کا ڈھنگ نکالا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خارجیوں سے بحث کرنے کو بھیجا۔ (مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم ج اول ص ۱۳۲)

(۳) قاضی ابو بکر بن العربیؒ لکھتے ہیں: اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو تمام روئے زمین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مستحق خلافت اور کوئی نہ رہا تو خدا کی تقدیر کے مطابق خلافت اپنے وقت اور موقع میں ان کے سپرد ہوئی اور خداوند تعالیٰ کو جو کچھ منظور تھا ان کی زبانی احکام اور علوم بیان فرمائے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا اور اہل قبلہ کی جنگ میں ان کی سمجھ اور ان کے علم کا اظہار ہوا کہ آپ نے ان کو دعوت دی، ان سے بحث کی اور جب تک جنگ شروع نہ ہو گئی آپ ان کی طرف نہ بڑھے۔ نہ جنگ میں ابتدا کی اور آواز دی کہ ہم جنگ میں پہل نہیں کریں گے...... یہاں تک کہ اہل علم نے کہا ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ جنگ نہ ہوتی تو ہمیں باغیوں سے جنگ کرنے کا طریقہ ہی معلوم نہ ہوتا (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۵۹ بحوالہ العواصم من القواصم مترجم ص ۳۱۶) مذکورہ احادیث میں جنگ جمل وصفین اور جنگ نہروان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں مذکورہ ہیں اور ان جنگوں کے نتیجہ میں امام اعظمؒ کا

خوارج کے معاملے میں اور قاضی ابو بکر العربیؒ اور دوسرے محققین اہل سنت کا فیصلہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے باغیوں کے متعلق ہمیں احکام معلوم ہوئے ہیں اور یہ ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مدعودہ خلافت راشدہ کا ایک مخصوص فائدہ لیکن ابوریحان صاحب یہ مفروضہ پیش کر رہے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی موعودہ خلافت راشدہ سے دستبردار ہو کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ہی بیعت کر لیتے ع بریں عقل و دانش بباید گریست

پانچواں امر

مولانا ابوریحان اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ: پانچواں امر قابل غور یہ ہے کہ حضرت شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ کی زیر بحث عبارت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کو اگر لازم بتلاتی ہے تو حضرت مجدد الف ثانی اور امام نووی (رحمہما اللہ) کی عبارتیں تو نصاً اور حافظ ابن ہمام۔ علامہ کاسانی اور حضرت نانوتوی رحمہم اللہ) کی عبارتیں (جو شروع فصل میں مذکورہ ہو چکیں) اصولاً یہ بتلاتی ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اپنے ہی اجتہاد کے مطابق عمل کرنا واجب تھا اور یہ حضرات سوائے حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے خود شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ کے بھی پیشوا و مقتدا تھے۔ ان اکابر اہل سنت کے مقابلہ میں حضرت قاضی صاحب اگر شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی لازم قرار دیتے ہیں تو ہر شخص کو اکیلے شاہ شہید رحمتہ اللہ علیہ کے مقابلے میں ان اکابر پیشوایان اہل سنت کی عبارتوں سے استدلال کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کی پیروی

ہرگز ہرگز لازم نہ تھی بلکہ اپنے ہی اجتہاد کے مطابق عمل کرنا ہی ان پر لازم تھا (ص ۱۹۶) علاوہ ازیں ابو ریحان صاحب ص ۱۸۱ پر بعنوان "فصل سوم در تفصیل اصل سوم" لکھتے ہیں۔ اجتہادیات سے متعلق اہلسنت کے زیر بحث اصول اربعہ میں سے تیسری اصل یہ ہے کہ ہر مجتہد اپنے ہی اجتہاد پر عمل کا پابند ہے۔ اپنے اجتہاد کو اپنے خیال میں حق وصواب سمجھتے ہوئے اس مسئلہ مجتہد فیہ میں کسی دوسرے مجتہد کا اتباع نہ صرف یہ کہ اس کے لیے جائز نہیں بلکہ وہ اس اتباع میں اُلٹا گناہگار رہوگا۔ چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

(۱) حافظ ابن ہمام رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب "التحریر" میں تحریر فرماتے ہیں۔

المجتهد بعد اجتهاده فی حکم ممنوع من التقليد فيه اتفاقاً والاختلاف قبله والا كثير ممنوع الخ (یعنی ایک مجتہد کے لیے کسی ایسے حکم میں جس میں خود اس کا اپنا اجتہاد موجود ہو کسی دوسرے مجتہد کی تقلید بالاتفاق منع ہے۔........ ہاں اجتہاد سے پہلے اس تقلید کے ممنوع ہونے نہ ہونے میں البتہ اختلاف ہے اور اکثر علماء وہاں بھی اس کو ممنوع قرار دیتے ہیں (التحریر ص ۵۴۰) ...... یہی ابن ہمام اپنی ایک دوسری مایہ ناز کتاب فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

والوجه الصحيح ان المجتهد مامور بالعمل بمقتضى ظنه اجماعاً (صحیح بات یہی ہے کہ مجتہد بالاجماع اپنے ہی ظن واجتہاد کے مطابق عمل کرنے کا مامور و پابند ہے۔) (فتح القدیر جلد ۵ ص ۴۹۱) ......علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں

لان المجتهد مامور بالعمل بمايو دی اله اجتهاده فحرم علية تقليد غيره (اس لیے کہ مجتہد اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ کسی اور مجتہد کی تقلید اس کے لیے حرام ہے) (بدائع الصناع ص ۴۔۵ ج ۷ والبحر الرائق ۲۶۷۔ ۲۶۵ ج ۶) یہی وجہ ہے کہ کوئی مجتہد قاضی اپنے اجتہاد کے خلاف فیصلہ دے تو

صاحبین کے نزدیک مطلقاً نافذ ہی نہیں ہوگا اور بقول صاحب ہدایہ فتویٰ اس پر ہے اور یہی حافظ ابن ہمام وغیرہ فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک راجح ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ہدایہ مع الفتح ص ۴۹۱ ج ۵ شامی ص ۴۰۸ ج ۵) تیرھویں صدی ہجری کے فیلسوف امام المتکلمین جامع المعقول قاسم الخیرات والعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ و برد مضجعہ وجعل الجنۃ الفردوس مثواہ۔ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ وکردار یزید کے متعلق اپنی نادرہ روزگار اور مایہ ناز تحقیق میں مقدمہ دوم کے تحت تحریر فرماتے ہیں: دوم آنکہ مجتہدان مامور باتباع اجتہاد خویشتن اند۔ اتباع مجتہدان دیگر روا نیست ورنہ ازیں چہ کم کہ اتباع دیگراں ضرور نیست (دوسری بات یہ ہے کہ مجتہدین اپنے ہی اجتہاد کے مطابق عمل کرنے کے مامور و پابند ہیں۔ ان کے لیے دوسرے مجتہدین کی پیروی جائز نہیں ورنہ اس سے بھی کیا کم کہ دوسروں کی پیروی ضروری نہیں۔ (مکتوب گرامی در تحقیق و اثبات شہادت حسین رضی اللہ عنہ وکردار یزید مترجم ص ۴۷)

(۵) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: غایۃ مافی الباب چوں ہر کدام را رائے واجتہاد بودہ ہر مجتہد را عمل بموافق رائے خود واجب۔ بضرورت در بعض امور بسبب مخالفت آرا و مشاجرت لازم گشت۔ ہر یکے را تقلید رائے خود صواب آمد الخ (اس سے زائد کچھ نہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی ایک رائے تھی اور اپنا اپنا اجتہاد اور معلوم ہے کہ ہر مجتہد پر اپنے اجتہاد اور صوابدید پر عمل کرنا واجب ہے۔ پس اختلاف آراء کی وجہ سے یہ منازعت و مشاجرت ناگزیر ہوئی اور ہر ایک نے اپنی رائے کے مطابق عمل کرنا ضروری سمجھا۔ الخ پھر امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے اجتہادوں کی مثال دے کر اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں۔ امام ابو یوسف را بعد وصول

بدرجہ اجتہاد و تقلید امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما خطا است و صواب تقلید رائے خود است (درجہ اجتہاد کو پہنچنے کے بعد امام ابو یوسف کے لیے امام ابو حنیفہ (کے اجتہاد) کی پیروی خطا ہے اور صواب اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہما)۔ اس مکتوب میں نیز فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنے مشاجراتی اختلاف میں اگر اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا تو انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا اور نہ یہ کوئی طعن و اعتراض والی بات ہے بلکہ حق و صواب راں مواطن اختلاف است و عدم تقلید رائے غیر خود است (بلکہ حق و صواب) ایسے موقع پر اختلاف اور غیر کے اجتہاد کی پیروی نہ کرنا ہے (کیونکہ صاحب اجتہاد دوسرے کے اجتہاد پر عمل نہیں کر سکتا) ملاحظہ ہو مکتوبات مجدد الف ثانی مکتوب ع ۳۶ ـ دفتر دوم) اکابر اہل سنت کی ان تصریحات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ صاحب اجتہاد پر اپنے ہی اجتہاد کی پیروی لازم ہے اور کسی دوسرے مجتہد کے اجتہاد پر عمل کرنا اس کے لیے جائز نہیں۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ غیر حق پر عمل کرنے والا ہو کر گناہگار ہوگا الخ (ایضاً ص ۱۸۱ تا ص ۱۸۵) اسی سلسلے میں ابو ریحان صاحب لکھتے ہیں: یہی وجہ ہے کہ کہنے والوں نے اصحاب جمل و صفین بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخطی تو کہا لیکن یہ کسی نے بھی نہیں کہا کہ از روئے نص قرآنی اور حکم حدیث کے تحت ان پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی لازم تھی الخ (ایضاً ص ۱۸۶)

الجواب

(۱) یہ بھی ضابطہ کلیہ نہیں ہے کہ ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کی پیروی جائز نہیں ہے اور اگر وہ دوسرے مجتہد کی پیروی کرے گا تو گناہگار ہوگا۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد انتخاب خلیفہ کے سلسلے میں جب

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ امیدواری خلافت کے حق سے دست بردار ہوگئے اور آپ نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے جو طریقہ کار اختیار کیا اس سے متعلق علامہ قاری حنفی محدث نے علامہ نوویؒ کی حسب ذیل عبارت نقل کی ہے: فاخذ بید علی رضی اللّٰہ عنه وقال اُولّیک ان تحکم بکتاب اللہ وسنة رسوله وسیرة الشیخین فقال علی احکم بکتاب اللہ وسنة رسوله واجتهد برائی ثم قال لعثمان رضی اللّٰہ عنه مثل ذلک فاجا به وعرض علیها ثلث مرّات وکان علی یجیب بجوابه الاوّل وعثمان یجیبه الی ما یدعوه ثم بایع عثمان فبا یعه الناس ورضوا بامامته وفی هذا دلیل واضح علی صحة خلافة الشیخین واعتقاد الصحابة اما متها وطر یقتهما وقول علی اجتهد برائی لا یدل علی مجانبته ایا هما وانما قال ذلک لان مذهبه ان المجتهد یجب علیه اتباع اجتهاده ولا یجوز تقلید غیره من المجتهدین ومذهب عثمان وعبدالرحمن بن عوف ان المجتهد یجوزله ان یقلد غیره اذا کان افقه ممنه واعلم بطریق الدین وان یترک اجتهاد نفسه ویبتغ اجتهاد غیره الخ اس کے بعد علامہ علی قاری لکھتے ہیں: وھو المروی عن ابی حنیفۃ الخ (شرح فقہ اکبر) پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ میں آپ کو اس شرط پر خلیفہ مقرر کرتا ہوں کہ آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل کروں گا اور اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وہی فرمایا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کرلیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات رضی اللہ عنہ پر وہی بات تین بار پیش کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو ہی پہلا جواب دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ شرط مان لی۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ پھر دوسرے لوگوں نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی اور آپ کی امامت (خلافت) پر راضی ہو گئے اور اس میں اس امر کی دلیل پائی جاتی ہے کہ شیخین (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کی خلافت صحیح تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ان کی امامت (خلافت) اور ان کے طریقہ پر اعتماد رکھتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آپ حضرات شیخین رضی اللہ عنہ سے بے تعلق تھے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا اس بنا پر تھا کہ آپ کا مذہب یہ تھا کہ ہر مجتہد پر اپنے اجتہاد پر عمل کرنا واجب ہے اور اس پر دوسرے مجتہدین میں سے کسی کی تقلید جائز نہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عورف رضی اللہ عنہ کا مذہب اپنے بارے میں یہ تھا کہ ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کی تقلید جائز ہے جب کہ دوسرا مجتہد اس سے زیادہ فقیہہ ہو اور دین کے طریقوں کو اس سے زیادہ جاننے والا ہو اور یہ کہ وہ اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر دوسرے کے اجتہاد کی پیروی کرے۔ اس کے بعد علی قاری حنفی محدثؒ فرماتے ہیں کہ: ''یہی حضرت امام ابوحنیفہ سے بھی مروی ہے'' لیجئے حضرت

امام اعظمؒ سے بھی اس کی تائید حاصل ہوگئی کہ مجتہد پر اپنے ہی اجتہاد کی پیروی لازم نہیں ہے بلکہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ فقیہ اور اپنے سے زیادہ علم والے کے اجتہاد کی پیروی کرے۔

☆☆☆

مولانا ابو ریحان نے تو یہ کلیہ بیان کیا تھا کہ ایک مجتہد کے لئے دوسرے مجتہد کی پیروی کرنا گناہ ہے۔ (سبائی فتنہ ص ۱۸۴) لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بلکہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کی پیروی کو جائز قرار دیتے ہیں اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے تو مولانا ابو ریحان ان حضرات پر کیا فتویٰ لگائیں گے؟ کیا یہ حضرات بھی اصول اہلسنت کے مخالف تھے العیاذ باللہ......؟

(۲) باقی رہا یہ کہ کیا ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کی پیروی لازم بھی ہے یا نہیں، تو اس کے بارے میں مولانا ابو ریحان لکھتے ہیں کہ: یہی وجہ ہے کہ کہنے والوں نے اصحاب جمل وصفین بالخصوص حضرت معاویہؓ کو مخطی تو کہا لیکن یہ کسی نے بھی نہیں کہا کہ از روئے نص قرآنی اور حکم حدیث کے تحت ان پر حضرت علیؓ کی پیروی لازم تھی الخ (ایضاً ص ۱۸۶)

الجواب

(۱) کاش کہ ابو ریحان صاحب ان کہنے والوں کی کچھ نشان دہی بھی کر دیتے! ان الفاظ (کہنے والوں) سے تو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ حضرت معاویہؓ کو مخطی کہنے والے کوئی چند علماء ہیں حالانکہ یہ جمہور اہل سنت کا مسلک ہے کہ جنگ صفین وغیرہ محاربات میں حضرت معاویہؓ سے اجتہادی خطا سرزد ہوگئی تھی اور اہل سنت کی کتابیں اس قول سے بھری پڑی ہیں جیسا کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی

رحمۃ اللہ علیہ فرمایا ہے:

کتب القوم مشحونة بالخطا الاجتهادی كما صرح به الامام الغزالی والقاضی ابو بكر وغيرهما ۔مکتوبات حضرت مجدد جلد اول ص ۲۷۹

(۲) ابوریحان صاحب کی یہ بھی غلط فہمی ہے کہ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ حضرت معاویہؓ پر حضرت علیؓ کی پیروی لازم تھی حالانکہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: اہل سنت سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہؓ، حضرت علیؓ، کی ابتدائے امامت سے لے کر حضرت حسنؓ، کے معاملہ امت حوالہ کرنے تک وہ (یعنی حضرت معاویہؓ) حق پر نہیں تھے بلکہ باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے۔ اس لیے کہ امام وقت کی اطاعت چھوڑ بیٹھے تھے۔ امام حسنؓ، نے جب امامت سپرد کی تو اس وقت وہ بادشاہ ہوئے یا ان کی حیثیت کے لیے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک عام بادشاہ تھے۔ تمام اسلامی ممالک کے فرماں روا۔ اور جناب امیر رضی اللہ عنہ، نے کسی ناگزیر مصلحت کے سبب ان کی سلطنت کی وسعت کو گوارا کر لیا تھا اور وہ امام کی اتباع جیسا کہ چاہیے نہ کرتے تھے۔ (تحفہ اثناعشریہ مترجم ص ۳۶۰) اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدثؒ کی یہ عبارت ص ۹۰، ص ۹۱ بھی درج کی جا چکی ہے۔ فرمایئے اس عبارت سے کیا یہ واضح نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہؓ پر حضرت علیؓ کی اتباع (بوجہ امام وقت اور خلیفہ راشد کے) لازم تھی۔ چنانچہ حضرت محدث موصوف کے یہ الفاظ قابل لحاظ ہیں کہ: وہ امام کی اتباع جیسا کہ چاہیئے نہ کرتے تھے اور پھر صراحتًا اس عدم اتباع کی وجہ سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ لکھ رہے ہیں کہ "بلکہ باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے۔ یہ عبارت

مولانا ابوریحان کے لیے تازیانہ عبرت ہے۔ کیا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ جنہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ سبائیت کے قلعہ کی بنیادی ہلا کر رکھ دی تھیں وہ بھی سبائیت کی ترجمانی کر رہے ہیں؟ نہیں نہیں بلکہ ابو ریحان جن باتوں کو چکوالیات اور مظہریات قرار دے رہے ہیں وہ دراصل محققین اہل سنت والجماعت کی علمی تحقیقات ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ وہی تحقیق پیش کر رہے ہیں جو ان کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے آیت استخلاف کی تشریح میں لکھا ہے کہ: نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت اگر ان خلفاء کا فیصلہ کسی مسئلہ کے متعلق یا ان کا فتویٰ کسی واقعہ کے مطابق پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو (وہ فیصلہ و فتویٰ) شرعی ہوگا کہ مجتہد اس سے تمسک کرے گا کیونکہ وہ فیصلہ اور فتویٰ (بحکم اس آیت کے) وہی پسندیدہ دین ہے جس کی تمکین۔ واقع ہوگی۔ گو اجتہاد ہر مجتہد کا، چاہے وہ مجتہد صحابی ہی کیوں نہ ہو، خطا کا احتمال رکھتا ہے (اور جو لوگ ہر مجتہد کو (تمام مسائل میں) صواب پر ہی سمجھتے ہیں ان کے نزدیک ہر مسئلہ میں کئی کئی جواب ممکن ہیں) اور جو لوگ کہتے ہیں کہ صواب پر ایک ہی مجتہد ہوتا ہے اور دوسرا مجتہد (خطا پر مگر) معذور بے گناہ۔ ان کے نزدیک احتمال خطا کا دونوں جانب ہے) اور چونکہ خلیفہ بھی مجتہد ہے لہذا ان کے فیصلہ اور فتویٰ میں بھی احتمال خطا کا ہونا چاہیے لیکن یہ احتمالات ان مسائل کی حقیقت کو جو خلفاء کے زمانے میں اور ان کی کوشش سے شائع ہوئے نہیں مٹا سکتے (کیونکہ ان مسائل کی حقیقت آیت قرآنیہ سے ثابت ہو چکی ہے) بہرحال (یہ تو یقینی ہے کہ) ان کا قول دوسروں کے قیاس اور استنباط سے زیادہ قوی ہوگا الخ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اول ص۷۹-۸۰) یہی حوالہ ملاحظہ ہو ۵۹-۶۰ پر) اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے پوتے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بھتیجے اور حضرت شاہ

عبدالغنی صاحب دہلویؒ کے صاحبزادے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ بھی اسی حقیقت کا اظہار کر رہے ہیں کہ: اس بنا پر علمائے امت نے اطاعت امام کو غیر منصوصہ مقام میں صحت قیاس پر موقوف نہیں رکھا بلکہ اس کی اطاعت کو باوجود اس کے ضعیف قیاس کے بھی واجب جانا ہے اور اس کے مخالف کو اگرچہ اس کا قیاس امام کے قیاسی سے اظہر اور قوی ہو جائز نہیں رکھا اور اس میں راز یہی ہے کہ: اس کا حکم بذاتہ اصول دین میں سے ایک دلیل ہے۔ منصب امامت مترجم اردو ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ۵۵۶۔۵۵۷۔ اور کتاب ہذا ص ۶۷ گو اہل سنت کا عام ضابطہ یہی ہے کہ ہر مجتہد کے اجتہاد میں خطا کا احتمال ہوتا ہے امام وقت اور خلیفہ راشد اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں ان کے اجتہاد کی پیروی دوسرے مجتہدین پر لازم ہے کیونکہ ان کا حکم ایک شرعی دلیل ہے اور شرعی دلیل یقیناً صحیح ہوتی ہے جس میں غلطی کا احتمال نہیں رہتا اور میں نے ان محققین اہل سنت کی اتباع میں آیت استخلاف سے استدلال کرتے ہوئے مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی (کراچی) کے جواب میں یہ لکھا تھا کہ یہ مسلک قرآن مجید کی آیت استخلاف و آیت تمکین پر مبنی ہے۔ چنانچہ حسب وعدہ خداوندی جب حضرت علی المرتضیٰؓ کا انتخاب صحیح تھا۔ ان کی خلافت موعودہ تھی اور بوجہ مہاجرین اولین میں سے ہونے کے اپنے دور میں وہی ایک موعودہ راشد خلیفہ تھے۔ ان کی موجودگی میں نہ کوئی حقدار ہو سکتا تھا، نہ کوئی ان کے انتخاب خلافت کو چیلنج کر سکتا تھا۔ ان کی خلافت یقیناً اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ خلافت تھی اور یہی آیت استخلاف کی نص کا تقاضا ہے۔ تو اب کوئی صاحب عقل و انصاف عالم حضرت علی المرتضیٰؓ کو آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق قرار دینے کے بعد فریق ثانی کو مصیب قرار نہیں دے سکتا جنہوں نے دوبارہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ خلیفہ موعودہ حضرت علی المرتضیٰؓ سے جنگ و قتال تک نوبت آئی ہے اور

آخر وقت تک آپ کی خلافت تسلیم نہیں کی بلکہ خلیفہ موعودہ کی موجودگی میں اپنی جدا گانہ خلافت قائم کی۔ البتہ حضرت معاویہؓ چونکہ جلیل القدر صحابی ہیں، اہل سنت کے نزدیک مجتہد ہیں انہوں نے یہ اختلاف کسی نفسانی خواہش کی بنا پر نہیں کیا البتہ اس بارے میں ان سے اجتہادی غلطی ہوگئی ہے جس میں وہ معذور ہیں اور اس پر بھی ان کو ایک اجر ملے گا لیکن نص قرآنی کے مقابلہ میں ان کی اجتہادی خطا ماننے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے اور اجتہادی خطا کی ان کی طرف نسبت کرنا بے ادبی بھی نہیں اور نہ اس کی وجہ سے ان پر طعن و ملامت کرنے کا کوئی جواز مل سکتا ہے رضوان اللہ علیہم اجمعین (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۸۹-۵۹۰) فرمایئے اس میری تحریر میں کونسی سبائیت آپ کو دکھائی دے رہی ہے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی مذکورہ عبارت کو دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔ واللہ الھادی

خلفاء راشدینؓ کی ایک خصوصیات

اہل سنت والجماعت کے نزدیک نفس امامت وخلافت کا مسئلہ فرعی ہے نہ کہ اصولی۔ لیکن قرآن کے موعودہ چار خلفاء راشدین (چار یارؓ) کی خلافت و امامت کا تعلق اصول دین سے ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: اس زمانہ میں تشیع آشکارا ہوگئی ہے اور عام لوگوں کے دل ان کے شبہات سے متاثر ہوگئے ہیں اور اس ملک کے اکثر لوگ خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے ثبوت میں شک کرنے لگے ہیں۔ لہٰذا توفیق الٰہی کی روشنی نے اس بندہ ضعیف کے دل میں ایک علم پیدا کیا جس سے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ خلافت ان بزرگوں کی اصل ہے اصول دین سے۔ جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے کوئی مسئلہ شریعت سے مضبوط نہ ہوگا کیونکہ اکثر احکام جو قرآن عظیم میں مذکور ہیں مجمل ہیں بغیر تفسیر سلف صالح کے ان احکام کا حل نہیں ہو

سکتا......اور سلف صالحین نے ان امور میں خلفاء راشدین ہی کی پیروی کی ہے۔ الخ (ازالہ: الخفاء عن خلافہ: الخلفاء مترجم جلد ص ۸)

اسی طرح اجتہادی مسائل میں خلفاء راشدین کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا اجتہاد ایک شرعی دلیل ہے جس کی اتباع دوسرے مجتہدین پر لازم ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور مجاہد جلیل حضرت شاہ اسمٰعیل شہید قدس اللہ اسرارھم کی منقولہ بالا عبارات سے ثابت ہو چکا ہے۔ ان کے لیے وہ ضابطہ نہیں جو جناب ابو ریحان میرے خلاف زور شور سے پیش کر رہے ہیں۔

(۲) ان محققین موصوفین کا استدلال آیت استخلاف اور آیت تمکین پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ حدیث اتباع خلفاء راشدین ان کا مستدل ہے۔ چنانچہ حضور خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **مَن یَعش مِنکم بعدی فَیَسریٰ اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین** (مشکوۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ بحوالہ ترمذی۔ ابو داؤد ابن ماجہ) تم میں سے میرے بعد جو شخص زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس (اس وقت) تم پر میری سنت (کی اتباع) اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت (طریقے) کی پیروی لازمی ہے۔

جب آنحضرت ﷺ نے اپنی سنت کی اتباع کے ساتھ خلفاء راشدینؓ کی سنت کی پیروی بھی لازم کر دی ہے تو پھر سنت خلفائے راشدین سے اختلاف کیونکر جائز ہو سکے گا۔ مذکورہ آیات و حدیث کی بنا پر اہل سنت کے تمام محققین نے جنگ جمل و صفین میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے اجتہاد کو حق و صواب قرار دیا ہے اور بقول امام غزالیؒ کسی اہل علم و تحقیق نے بھی اس بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی

اللہ عنہ کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت نہیں کی۔ چنانچہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔
ولم یذھب الی تخطئة علی ذو تحصیل اصلاً (احیاء العلوم جلد اول) اور
کسی اہل علم و تحقیق کا یہ قول نہیں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ سے اس بارے میں
اجتہادی خطا کا صدور ہوا ہے اور اس کے برعکس جمہور اہل سنت کہتے ہیں کہ اس
بارے میں حضرت معاویہؓ سے اجتہادی خطا کا صدور ہوا ہے۔ مولانا ابوریحان
سمجھنے کی کوشش کریں کہ کیا ان تمام اہل تحقیق علماء اہلسنت کو آپ کا پیش کردہ یہ
ضابطہ معلوم نہ تھا کہ ''کسی مجتہد کے اجتہاد کو یقیناً حق وصواب نہیں کہہ سکتے۔'' آخر
کوئی تو محقق سنی عالم اس ضابطہ کے تحت یہ فرماتا کہ ان محاربات (جمل وصفین
) میں حضرت علی المرتضیٰؓ سے اجتہادی خطا سرزد ہوگئی تھی۔ اور ابوریحان خود بھی یہ
تسلیم کر رہے ہیں کہ ''اہلسنت میں سے عام طور پر اگرچہ اس کا (یعنی حضرت علیؓ کی
اجتہادی خطا کا) کوئی قائل نہیں۔'' (سبائی فتنہ جلد اول ص ۳۱۴) اس کے بعد
حاشیہ میں یہ توجیہ پیش کرتے ہیں کہ ''واضح رہے کہ اہل سنت میں اس صورت کا
(یعنی حضرت علیؓ کی اجتہادی خطا کا) جو کوئی قائل نہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ
صورت خلاف اصول سنت ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں
یہ بے تکلف لب کشائیاں جس دور کی سوغات ہیں وہ دور نواصب شام کا نہیں بلکہ
روافض و سبائیہ بغداد کا دور ہے جس میں صحابہ کرام بالخصوص حضرت معاویہؓ سے
متعلق کوئی کار خیر زبان پر لانا اذیت ناک موت کو دعوت دینا تھا۔ ایسے میں
مسلک اہل سنت کی حد بندی کی ضرورت اسی طرف سے تھی نہ کہ حضرت علیؓ کی
طرف سے کیونکہ کسی کو ضرور مخطی ہی بنانا تو مقصود اہلسنت تھا ہی نہیں لہٰذا جس کی
ذات والا صفات زیر بحث ہی نہ تھی اس کو خواہ مخواہ زیر بحث لانے کی ضرورت ہی
نہ تھی۔ ہاں جس پر طرح طرح کے سبائیانہ ورافضیانہ فتوے داغ کر اپنے بھی

حدود تسنن پھلانگ پھلانگ جارہے تھے اسی ذات کے حوالہ اور اس کے نام ہی کی تصریح سے مسلک اہل سنت کی آخری حد بندی کرنے اور یہ بتلانے کی ضرورت تھی کہ اول تو حضرت معاویہؓ کے بارے میں بھی ویسے ہی اپنی زبان بند رکھنی چاہیے جیسے حضرت علیؓ کے بارے میں بند ہے لیکن اگر کسی ضرورت شرعیہ وشدیدہ یا کسی مصلحت وقتیہ کے تحت اگر کچھ کہنا ہی پڑے تو اس سلسلے میں مسلک اہلسنت کی آخری حد بس اجتہادی خطا ہے۔ اس سے آگے رفض و تشیع کی حد شروع ہو جاتی۔ تو یہ حضرت معاویہؓ کو مخطی بنانا بتانا نہ تھا بلکہ تسنن کی حد بندی تھی۔ ایسی حالت میں جبکہ مخطی بنانا بتانا حضرت معاویہؓ کو بھی مقصود نہ تھا خود ہی سوچئے کہ حضرت علیؓ کو مخطی بنانے، بتانے اور کہنے کی آخر تک ہی کیا ہو سکتی تھی۔ اس لیے حضرت علیؓ کے مخطی اور دوسروں کے مصیب ہونے کا کوئی قائل نہ ہوا کہ نہ یہ مقصود تھا اور نہ اس کی ضرورت ہی تھی ورنہ اپنی ذات کے اعتبار سے یہ صورت بھی خلاف عقل ہے اور نہ خلاف اصول اہل سنت ہی فتبنه فافهم و تدبر۔ (ایضاً حاشیہ ص ۳۱۴۔۳۱۵)

الجواب

(۱) اس حقیقت کو تو آپ نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ جنگ جمل وصفین کے قضیہ میں کسی عالم نے بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت نہیں کی۔ چنانچہ آپ کے یہ الفاظ بھی ہیں "ورنہ قائل اس کے ہم بھی ہیں" (ص ۳۱۵) لیکن اہل سنت کے اس اجماعی عقیدہ کے باوجود آپ جو اس کی توجیہ پیش کر رہے ہیں یہ سراسر کم فہمی بلکہ بدفہمی پر مبنی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مسلک اہل سنت کی حد بندی کی ضرورت حضرت معاویہؓ کی طرف سے تھی نہ کہ حضرت علیؓ کی طرف سے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ حد بندی کی ضرورت تو دونوں طرف سے ہوتی ہے نہ کہ صرف ایک طرف سے۔ جب مسلک اہل سنت

کی آخری حد بندی کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے اجتہاد میں مخطی قرار دیا گیا تو اس کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ اس جنگ صفین میں کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اجتہادی خطا سرزد ہوئی ہے یا نہیں؟ روافض اگر حضرت معاویہؓ پر معاندانہ جارحانہ حملے کرتے تھے تو اس کی وجہ بھی جنگ صفین ہی تھی۔ ان کا اعتراض اس وقت بھی یہی تھا اور اب بھی ہے۔ تو اگر حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرنے میں شرعاً گنجائش ہوتی تو اہل سنت کے لیے جواب دینا آسان تھا کہ اگر حضرت معاویہؓ سے اجتہادی خطا کا صدور ہوا ہے تو حضرت علیؓ بھی کوئی معصوم نہیں ہیں۔ فلاں فلاں وجوہات کی بنا پر ان محاربات میں حضرت علیؓ سے بھی اجتہادی خطا کا صدور ہوا ہے۔ پھر تو روافض کا منہ کچھ بند ہوسکتا تھا لیکن بجائے اس کے تمام علماء اہلسنت نے آج تک یہی فرمایا ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علیؓ المرتضیٰ سے اجتہادی خطا کا صدور نہیں ہوا۔ بالفرض اس دور میں اہلسنت نے کسی مصلحت سے اس پر بحث نہیں کی تو آج تک بعد کی صدیوں میں اہل سنت نے اتنا تغافل اختیار کیا ہے حالانکہ روافض ہر دور میں انہی جنگوں کی بنیاد پر نہ صرف حضرت امیر معاویہؓ بلکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ہی مطعون کرتے چلے آرہے ہیں۔

ایک اشتہار ضروری

۱۳۸۸ھ میں بعنوان ''اشتہار ضروری'' لکھنؤ کے ایک شیعہ مجتہد محمد ہادی بن مرزا علی صالح نے ایک اشتہار شائع کیا تھا جس میں اس نے سنی علماء سے دس سوالات کیے تھے جن میں ساتواں سوال یہ تھا کہ ''پوچھو اپنے علماء سے کہ آپ کی ام المومنین جو امیر المومنین سے لڑیں تو امام جان کہ لڑیں یا بغیر امام جانے کہ دونوں صورتوں میں بنا برقاعدہ شرع کے یا کفر ہے یا ارتداد۔ ماسوا اس کے سیرت

پدر کی اپنے مخالفت کی کہ اس نے حکم اجماع ناسخ حکم خدا و رسول قرار دیا تھا۔
سبحان اللہ وہ تکذیب عترت کر کے صدیق ہوئے اور یہ جنگ نفس رسول سے
صدیقہ کہلائیں مگر اصحاب میں حضرت سلمان و ابو ذر و حذیفہ وغیرھم کو اور ازواج
میں حضرت خدیجہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کو صدیق اور صدیقہ کے خطاب کے قابل نہ
پایا الخ اور اس سوال میں وہ لکھتے ہیں: اور بعضے صاحب فرماتے ہیں۔ چنانچہ مولوی
ابو البرکات صاحب نے رسالہ برکات الحق میں لکھا ہے کہ محاربین تین قسم پر تھے۔
ایک تابع امیر المومنین، دوسرے تابع اما المومنین تیسرے متوقفین۔ ان تینوں گروہ
نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور سب ماجور ہیں غور کرو کہ حارب جناب امیرؓ اور قاتل
جناب امام حسنؓ جس نے زہر دلوا کر شہید کیا وہ بھی ماجور ہوئے۔ اول تو ہم پوچھتے
ہیں کہ ان گروہوں ملت خدا اور رسول پر کون ہے کہ ایک فرقے کو ناجی یہ خود لکھ
چکے ہیں الخ اور یہی مجتہد سوال اول میں لکھتا ہے: یہاں تک کہ جو لڑے حتیٰ کہ
معاویہ بھی آپ کے نزدیک مجتہدوں میں سے ہے یہ سب تو آپ کی تجویز میں
دوستان خالص اہل بیت و عترت پیغمبر ہیں۔ وہ دشمن کون تھے جن کی خبر خدا تعالیٰ
اور رسول نے سی ہے اور پوچھو کہ جب ان امور مذکورہ بالا پر وہ لوگ مومن اور
دوست ٹھہرے تو شیعہ بیچارے کیوں کافر ہو گئے کہ ان کا قول کیا تکذیب عترت
اور ان کے حکم قتل سے زیادہ ہے۔ اس کا جواب دو۔

کتاب ھدایۃ الشیعۃ

اس شیعہ مجتہد کے مذکورہ دس سوالوں کا جواب قطب الارشاد حضرت
مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ھدایۃ الشیعۃ
میں دیا اور جواب سوال ہفتم میں یہ لکھا کہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حضرت علیؓ سے
خطأ لڑائی ہوئی اور پھر تائب بھی ہو گئیں۔ مگر محاربہ علیؓ ہرگز کفر و ارتداد نہیں۔ یہ

سائل اور اس کے اسلاف کی کتنی جہالت (اپنی کتب اور اقوال ائمہ سے ہے) کہ حضرت امیرؓ کا ارشاد کہ اَصبحنا نقاتل اخواننا فی الاسلام پہلے نقل ہو چکا۔ اب شیعہ خلاف حضرت امیرؓ کے جو مومنین کو کافر بتاتے ہیں مکذب حضرت امیر ہو کر بزعم خود کافر بنتے ہیں۔ بڑی حسرت کی جا ہے کہ اپنی کتابوں کو بھی نہیں مانتے۔

(۲) علاوہ ازیں حضرت گنگوہیؒ لکھتے ہیں: بہر حال عائشہؓ اور جو مقابلہ میں حضرت علیؓ کے تھے مقصود ان کا طلبِ قصاص تھا اور ہر گز قتال بارادہ مخالفت نہیں ہوا۔ یہ محض خطا ہوئی اور پھر بھی توبہ آپ کی ثابت ہو گئی اور یہ لوگ معصوم عالم ما یکون نہ تھے۔

(۳) اور جو کچھ بعض سے حرب حضرت امیرؓ یا کچھ اور بشریت سے تقصیر ہوئی وہ خطا اجتہادی تھی اور جو امر بخطاء اجتہاد سرزد ہوتا ہے بصورت معصیت ہوتا ہے نہ خود معصیت۔ چنانچہ اہل عقل وعلم پر واضح ہے اور اگر بالفرض گناہ ہی تھا تو وہ انجام کار اس سے تائب اور نادم ہو کر پھر درجہ عدالت کو فائز ہو گئے کیونکہ وہ کچھ معصوم گناہ سے نہیں تھے۔ سواب صحابہ کو برا جاننے والا ملت اسلامیہ سے خارج ہوا اور قرآن کا منکر اور جو کُل کو اچھا جانے متبع ثقلین ہے۔ داخل ملت پیغمبر۔ پس دیکھو اہل سنت نے خوب تمیز کی۔ ص ۲۲

(۴) اور (حضرت) معاویہؓ کا محاربہ حضرت امیرؓ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں۔ ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی کہ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں۔ مگر معاویہؓ اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے جیسا کہ تمہارا اور تمہارے اسلاف کا زعم ہے کیونکر حق تعالیٰ خود قرآن شریف میں فرماتا ہے: وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما الآیۃ اور اگر دو طائفہ مومنین کے آپس میں مقابلہ کریں تو ان میں صلح کرا

دو تو دیکھو حق تعالیٰ باوصف مقاتلہ باہمی ان کو طائفہ مومنین سے تعبیر فرماتا ہے اور سوا اس کے صدہا آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فسق و گناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا اور حضرت امیرؓ کا قصہ مشہور ہے کہ (حضرت) معاویہؓ اور ان کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا۔ اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ منع لعن کی ہوتی (ص ۲۴)

(۵) حضرت امیرؓ خود ان کو مسلمان بھائی فرماتے ہیں۔ ہاں البتہ ان میں بہ سبب شبہ و تاریکی کجی آ گئی تھی۔ اور یہ خود بیّن ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔ سو اس نص سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب (حضرت) معاویہؓ سے خطأ ہوئی مگر بتاویل۔ منقول ہے کہ حضرت معاویہؓ آخر عمر مین اس امارت اور اپنے کردار سے نادم ہوئے تھے۔ سو ندامت کے بعد جو کچھ گناہ ان سے ہوا بالیقین معاف ہوا کہ حق تعالیٰ تائب کے سب گناہ معاف کرتا ہے۔ (ص ۲۵) یہ خادم اہل سنت غفرلہ، کی عبارت نہیں بلکہ حضرت گنگوہیؒ کی عبارت ہے جو قطب الارشاد ہونے کے علاوہ محدّث بھی تھے اور فقیہ بھی کہ طاعون کی بحث کے سلسلے میں حضرت پر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو مقتدائے زماں لکھا ہے (رسالہ الطاعون) حضرت گنگوہی جو فرماتے ہیں کہ یہ صورت معصیت ہے اور یہ کہ ندامت کے بعد جو کچھ گناہ ان سے ہوا بالیقین معاف ہوا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ امام وقت۔ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنا گناہ تھا لیکن چونکہ حضرت معاویہؓ، مجتہد تھے اس لیے یہ صورتاً گناہ ہوگا نہ کہ حقیقتاً اور اسی کو اجتہادی خطا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی پیروی لازم نہ تھی تو پھر آپ سے کسی صحابی مجتہد کا جنگ کرنا صورتاً بھی کیونکر گناہ ہوسکتا ہے اور جنگِ جمل و صفین

کی بحث کے سلسلہ میں خارجی فتنہ حصہ اول میں میں نے بھی تو یہی کچھ لکھا تھا جس کے ردعمل میں آپ نے سبائی فتنہ جیسی ضخیم کتاب لکھ دی۔

کتاب الاسولة الخاملہ فی الا جو بة الکاملة

مذکورہ شیعہ کے دس سوالات کے جواب میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیو بند قدس سرہ نے بھی ایک رسالہ ''الاسولۃ الخاملۃ'' تصنیف فرمایا تھا۔اس میں آپ دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: لاریب حضرت امیرؓ برحق تھے۔ہم وہ نہیں کہ مثل شیعہ حق بات کو ہضم کر جائیں۔ پر اس کہنے سے کیا فائدہ۔محمد بن ابی بکر سینوں کے کیونکر مقتدا پیشوا اور امام وقت تھے جن کا فعل سینوں کے نزدیک مستند ہو۔

(۲) تحقیقی جواب تو اس کا یہ ہے کہ لاریب اپنے ایام خلافت میں حضرت امیر افضل البشر تھے۔ بیشک وہ حق پر تھے اور حضرت عائشہؓ خطاء پر تھیں بوجہ خطا و نسیاں معاتب نہیں...... ایسے مشاجرات صحابہ اور محاربات اصحاب جو باہم پیش آئے یا منازعات انبیاء جیسے حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا قصہ گزرا سب بوجہ غلطی ہوئے ہیں''۔(ص ۱۳)

کتاب ھدیۃ الشیعۃ

شیعہ مجتہد مذکورہ کے سوال متعلق باغ فدک کے جواب میں حضرت نانوتویؒ نے ایک کتاب بنام ھدیۃ الشیعۃ مستقل طور پر تصنیف فرمائی ہے اس میں آیت استخلاف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس سے ثابت ہوا کہ تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالۂ خوف اور تبدیلی امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہیں ''چار یارؓ'' کے لیے تھا''۔(ہدیۃ الشیعہ طبع قدیم ص ۵۶۔طبع جدید ص ۷۵) یہ عبارت خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۴۰ پر بھی درج کی جا چکی ہے اور

اس کتاب میں حضرت نانوتوی لکھتے ہیں: باقی رہے امیر معاویہؓ ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی۔ تمکین ملک وسلطنت تھی الخ

(ایضاً طبع قدیم ص ۵۰ طبع جدید ص ۶۷)

پوری عبارت خارجی فتنہ اوّل ص ۲۸۸ پر ملاحظ فرمائیں۔

کتاب اجوبۃ اربعین

اس کتاب میں میں شیعوں کے چالیس سوالوں کا جواب ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ یہ کتاب دوسری دفعہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ) نے چھپوائی ہے جس میں فہرست مضامین بھی ہے اور حواشی بھی۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں ۲۸ سوالات کے جوابات ہیں جو حضرت نانوتویؒ نے ایک دن رات میں مکمل کیے ہیں۔ اور حضرت نانوتویؒ کے ساتھ ایک اعتراض کا ایک ایک جواب حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے۔ مولانا موصوف حضرت مولانا محمد میاں صاحب انصاری عرف منصور انصاری کے والد ماجد تھے۔ حضرت مولانا منصور انصاری حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب اسیر مالٹا رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے جو حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل چلے گئے تھے۔ آپ نے وفات وہاں ہی پائی ہے۔ مولانا انصاری کے صاحبزادے حضرت مولا حامد انصاری غازیؒ تے جو کتاب: اسلامی نظام حکومت'' کے مصنف ہیں اور مدینہ بجنور کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ سنٹرل جیل لاہور میں جیل کے ایک ماسٹر صاحب کی وساطت سے میں مدینہ بجنور منگواتا رہا ہوں) کتاب کے دوسرے حصے میں بقیہ سوالات کے جوابات صرف حضرت نانوتویؒ کے قلم سے ہیں۔

(۲) زیر نظر کتاب کے دوسرے حصے میں بقایا ۱۲ سوالات میں سے سوال اول کے جواب میں حضرت مولانا نانوتویؒ لکھتے ہیں۔

(۱) ہندوستان میں یہ بدعت البتہ ایران ہی کی بدولت پہنچی ہے۔ نہ ہمایوں اور بادشاہان ایران کے باہم یہ ربط و اتحاد ہوتا نہ وہاں کے امراء علماء یہاں آ کر سادہ لوحانِ ہندوستان کو گمراہ کرتے بالجملہ ہندوستان میں یہ فساد ایرانیوں ہی کے طفیل پھیلا ہے ورنہ فرقہ یوں قدیم سے چھپا چھپایا چلا آتا تھا۔ (ص ۱۸۳)

(۲) شیعہ مجتہد نے اپنے سوال میں شیعہ اور سنی کی یہ تعریف لکھی تھی کہ: واضح ہو کہ شیعہ اسے کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت ﷺ کے ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کو جانشین حضرت کا جانے اور سنی اسے کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت ﷺ کے شیخین وجناب امیر و معاویہ و یزید عبدالملک و ولید و ہشام و سلیمان و ولید بن یزید کو اعتقاد کریں۔ چنانچہ تصریح اس کی ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں ص ۱۵۰ اور ابن حجر عسقلانی و ملا علی قاری شارح فقہ اکبر و قاضی عیاض وغیرہم نے کی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت نانوتویؒ لکھتے ہیں:

اور یہ سچ ہے کہ سنی اصحاب اربعہ میں چار یار کو بترتیب معلوم جانشین حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اجمعین سمجھتے ہیں اور خلیفہ راشد (موعود علی منہاج النبوۃ) اعتقاد کرتے ہیں پر امیر معاویہ اور یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد (موعود) نہیں سمجھتا۔ ہاں جھوٹ کا جواب جھوٹ ہے۔ دراں نے راجز باشد دروغے۔ اس لیے یہ عرض ہے کہ حضرات شیعہ البتہ ان بزرگوں کو امام اور خلیفہ سمجھتے ہیں ورنہ یوں ان کا اتباع نہ کرتے کہ حضرت امام ہاتھ نہ لگے تو ان کے روضے کے بانس جدا کر ڈالے الخ (ص ۱۸۵)

(۳) اجی حضرت اہل سنت گو سب کو خلیفہ کہیں پر (موعودہ) خلیفہ برحق

اور خلیفہ راشد چار یار ہی کو سمجھتے ہیں۔ (ص ۱۸۷)

(۴) اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اس باب میں خلیفہ راشد ہیں نہ ناخلف ہیں۔ ہاں فضیلت صحبت اور بزرگی صحابیت اور اخوۃ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ان کو حاصل تھی اور اس لیے سب کے واجب التعظیم ہیں...... ہم کو تو اب یہی لازم ہے کہ ان کی عیب چینی نہ کریں اور یوں سمجھیں کہ حضرت امیر علیہ السلام اور امیر معاویہؓ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اگر باہم کچھ مناقشہ ہوا بھی تو وہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ اور حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں اور حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ میں یہ جھگڑے قضیے ہوئے۔ یہ سب قصے کلام اللہ میں مذکور ہیں انکار کی گنجائش نہیں۔ سو تاریخوں کا ایسا کیا اعتبار اور وہ بھی شیعوں کی تاریخ کا اعتبار۔ حضرت موسیٰؑ وغیرہ کو باوجود مناقشات معلوم بُرا نہیں کہتے۔ اگر ایسا ہی ان حضرات کو کچھ نہ کہو تو کیا پیٹ پھول جائے گا۔ کلام اللہ کے مخالف نہیں، حدیث کے منافی نہیں۔ اگر ہے تو موافق ہے۔ بالجملہ اہل سنت خلیفہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں اس کے معنی فقط جانشین ہیں...... ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی۔ ایک خلیفہ راشد یہ چار یار اور خلیفہ غیر راشد کو بادشاہ اور ملک بھی شیعوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں۔ یزید اور عبدالملک وغیرہ سب اس قسم کے ہیں۔ ہاں عمر بن عبدالعزیز البتہ مردانیوں میں سے خلیفہ راشد ہوئے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۸۸)

حضرت مانوتویؒ کی منقولہ تحریر کا بار بار مطالعہ کریں اور پھر جواب دیں۔ حضرت نانوتویؒ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ غیر راشد قرار دے رہے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو راشد بتلا رہے ہیں۔ جنگ جمل میں حضرت علی المرتضیٰؓ کو بلا ریب حق و صواب پر اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ

عنہا کو مخطی قرار دے رہے ہیں۔ اب مولانا ابو ریحان ہی فرمائیں کہ حضرت نانوتویؒ نے شیعوں کے جواب میں سنی مسلک پیش کیا ہے یا اہل سنت کے اصول کے خلاف آپ نے فیصلہ دیا ہے؟ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت نانوتویؒ کی تعریف و توصیف آپ اپنی اسی زیر بحث کتاب ''سبائی فتنہ'' میں ان القاب سے کر چکے ہیں: تیرھویں صدی ہجری کے فیلسوف امام المتکلمین جامع المعقول والمنقول قاسم الخیرات والعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ وجعل الجنتہ الفردوس مثواہ (ص ۱۸۳) سبائی فتنہ کی یہ عبارت ص ۱۰۴ پر بھی درج کی جا چکی ہے۔ بہر حال جنگ جمل وصفین کے تذکرے صرف خلفاء عباسیہ کے دور تک محدود نہ تھے بلکہ ہر دور میں روافض اپنے اعتراضات دوہراتے رہتے ہیں اور علماء حق ان کے جوابات دیتے رہتے ہیں لیکن آج تک کسی سنی محقق نے یہ نہیں لکھا کہ ان محاربات میں حضرت علیؓ سے اجتہادی خطا ہو گئی تھی۔ اگر کتاب و سنت کی روشنی میں اس کی کوئی گنجائش ہوتی تو اہل سنت اس کا ضرور اظہار کر دیتے۔ کیا ان صدیوں میں محققین اہلسنت میں سے کوئی بھی ایسا حق پسند اور حق گو نہ نکلا جو حقیقت سے پردہ اٹھاتا (البتہ یہ دوسرا پہلو ہے کہ الزامی جواب کے طور پر حضرت نانوتویؒ نے بھی یہ فرما دیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب مومنوں کی ماں تھیں تو حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنی مومنہ ماں کے ساتھ لڑنا نہیں چاہیے تھا)۔

حق برزبان جاری

اپنا پورا روز لگانے کے باوجود ابو ریحان صاحب کو مسلک اہلسنت کی حد بندی کے لیے آخر کار یہ تسلیم کرنا پڑا کہ: اگر کسی ضرورت شرعیہ و شدیدہ یا کسی مصلحت وقتیہ کے تحت اگر کچھ کہنا ہی پڑے تو اس سلسلہ میں مسلک اہلسنت کی

آخری حد بس اجتہادی خطا ہے۔ اس سے آگے رفض و تشیع وغیرہ کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ تو یہ حضرت معاویہ کو مخطی بنانا۔ بتانا نہ تھا بلکہ تسنن کی حد بندی تھی (حاشیہ ص ۳۱۵) ابو ریحان صاحب بھی بڑے بھولے بھالے ثابت ہوئے ہیں۔ اگر مسلک اہلسنت کی حد بندی اجتہادی خطا کے قول سے ہی ہو سکتی ہے تو کیا یہ حد بندی بغیر بنانے اور بتانے کے ہو سکے گی؟ اگر حد بندی کا اعلان کرنا ہے تو پہلے بنانا پڑے گا پھر بتانا پڑے گا۔ کیا بغیر دلیل کے کوئی بات خصم کے مقابلہ میں پیش کی جا سکتی ہے؟

میرا قصور

میں نے بھی تو خارجی فتنہ حصہ اول میں مسلک اہلسنت کی حد بندی کرتے ہوئے مولانا لعل شاہ بخاری (جو انتقال کر چکے ہیں) کے جواب میں یہ لکھا تھا کہ: حالانکہ ان امور کا تعلق حضرت معاویہؓ کے اجتہاد سے ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حسن توجیہ سے حضرت معاویہؓ کا دفاع کیا جاتا۔ البتہ اس میں نازک اور منزلۃ الاقدم مسئلہ جنگ صفین کا ہے اور یہ بھی اجتہادی خطا پر مبنی ہے۔ اس سے تجاوز کرنا خطرناک ہے۔ (خارجی فتنہ حصہ اول حاشیہ ص ۴۲۸) اور جناب ابو ریحان صاحب نے یہ عبارت اپنی کتاب "سبائی فتنہ" حصہ اول ص ۳۸۳ پر خود بھی درج کر دی ہے۔ (۲) ہمیں حضرات صحابہ کرامؓ کی مخصوص بلند شان کے پیشِ نظر اور حضرت معاویہؓ کو فقیہ اور مجتہد قرار دیتے ہوئے خطائے اجتہادی سے زائد اور کوئی حکم لگانے کا حق نہیں پہنچتا اور خود سندیلوی صاحب کے نزدیک بھی: کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں الخ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۵) خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۸۳)

ع پہنچی وہاں پہ بات جو اس کا مقام تھا۔

جو بات مولانا ابو ریحان، نے اہلسنت کے حوالے سے لکھی اور مسلک اہلسنت کی حد بندی کرتے ہوئے آخری حد حضرت معاویہؓ کی خطائے اجتہادی بتلائی تو میں نے بھی خارجی فتنہ کی منقولہ عبارتوں میں یہی لکھا۔لیکن اس کے باوجود ابو ریحان صاب نے میرے پیش کردہ موقف کے رد میں سینکڑوں صفحات سیاہ کردیے آخر یہ ستم ظریفی اور یہ بے انصافی کیوں اور کس لیے روا رکھی گئی؟

ایک اور ریحانی چٹکلہ

میں نے مولانا سندیلوی کے جواب میں لکھا تھا کہ: خطاء اجتہادی اور ذکر خیر میں کوئی منافات نہیں۔اگر سندیلوی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ خطاء اجتہادی کا قول اس ضابطہ کے خلاف ہے تو یہ انکی کج فہمی کا نتیجہ ہے(خارجی فتنہ حصہ اول ص۳۸۵۔۳۸۶)اس کے جواب میں دوسری گزارش کے تحت لکھتے ہیں: کہ اجتہادی خطا کا قول اگر ضابطہ ذکر بالخیر کے خلاف نہیں تو یہ بھی ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ یہ پورا، کامل اور خالص ذکر خیر نہیں بلکہ یہ وہ ادھورا، ناقص اور ناخالص ذکر خیر ہے جس کے عنوان معنوں اور انجام تک میں غیر خیر کی آمیزش ہے۔(ص۴۰۲)

قبل ازیں ابو ریحان صاحب یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ مسلک اہلسنت کی آخری حد بس اجتہادی خطا ہے“۔اب اس اجتہادی خطا کے قول کو ناقص اور ادھورا ذکر خیر قرار دے رہے ہیں۔اس کا تو مطلب یہی ہوا کہ تمام اہلسنت نے اجتماعی طور پر حضرت معاویہؓ کے لیے ناقص اور ادھورے ذکر خیر کو جائز قرار دے دیا ہے۔گویا کہ اہلسنت من وجہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیض شان کے مرتکب ہوئے ہیں۔(العیاذ باللہ) یہ ہیں حضرت معاویہؓ، کے نادان حامی۔

☆☆☆

مولانا ابوریحان کے نزدیک اہل السنّت والجماعت کے عقیدہ کی آخری حد حضرت امیر معاویہؓ کی جتہادی خطا تسلیم کرنا ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اجتہادی خطا میں بھی تنقیص کا پہلو نکال لیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ: اجتہادی خطا کا قول اگر ضابطہ ذکر بالخیر کے خلاف نہیں تو یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ یہ پورا کامل اور خالص ذکر خیر بھی نہیں بلکہ یہ وہ ادھورا اور ناخالص ذکر خیر ہے جس کے عنوان۔ معنوں اور انجام تک میں غیر خیر کی آمیزش ہے۔

(سبائی فتنہ حصہ اول ص ۴۰۳)

یہاں ہمارا سوال ہے کہ اگر خطائے اجتہادی کی نسبت میں غیر خیر کی آمیزش ہے اور یہ ادھورا ناقص اور ناخالص ذکر خیر ہے تو پھر خود ابوریحان صاحب نے اس کو اہل سنت کے عقیدہ کی آخری حد کیوں قرار دیا ہے؟ کیا تمام اہل سنت حضرت معاویہؓ کے بارے میں ایک ادھورا۔ ناقص اور ناخالص ذکر خیر کرتے چلے آرہے ہیں۔ ابوریحان صاحب! بتایئے کہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں آخری حد کیا ہے جس سے پورا اور کامل ذکر خیر کیا جاسکے؟ امید ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں از خود کوئی آخری حد مقرر کریں گے تاکہ آئندہ کے لیے اہل سنت پورا اور کامل ذکر خیر کرسکیں۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتهدَ فاخطأفله اَجرٌوَاحِدٌ (بخاری و مسلم) ''حاکم جب اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ دے اور وہ فیصلہ واقع میں بھی درست ہو تو اس کے واسطے دوہرا ثواب ہے اور اگر اس سے اس میں خطا ہوئی تو اس کے لیے اکہرا ثواب ہے۔ میں نے یہ حدیث خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۲۹ پر بھی درج کردی ہے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے

بھی اجتہادی صواب و خطا کی بحث میں یہی حدیث اپنی کتاب ''ہدیہ سنیہ ص ۸ پر نقل کی ہے۔ مولانا ابو ریحان صاحب جواب دیں کہ جب خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اجتہادی اختلاف میں مجتہد کے لیے آخری حد خطائے اجتہادی قرار دی ہے تو کیا آپ ﷺ نے بھی صحابہؓ کے خالص ذکر خیر کے منافی حکم دیا ہے العیاذ باللہ۔ ابو ریحان صاحب اپنے دل و دماغ کا جائزہ لیں کہ وہ کہاں پہنچ رہے ہیں۔

(۳) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: اور شیخ ابن ہمامؒ تحریر الاصول میں لکھتے ہیں: **بل الدلیل اطلاق الصحابة الخطأفی الاجتهاد شائعٌ متکررٌ** الخ (بلکہ بڑی دلیل مجتہد کے مخطی ہونے کی یہ ہے کہ صحابہ صراحتاً خطائی الاجتہاد کا اطلاق کرتے تھے اور باوجودیکہ یہ بات ان میں عام تھی لیکن کسی صحابیؓ کا اس پر انکار مسموع نہیں ہوا''۔ (ایضاً ص ۲۱) جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ایک دوسرے کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرتے تھے تو کیا ابو ریحان صاحب کا یہ نظریہ ہے کہ صحابہ بھی خالص ذکر خیر اور ادھورے اور ناقص ذکر خیر میں تمیز نہیں کرسکتے تھے۔ **لاحول ولا قوة الا باللّٰہ العلی العظیم**

اللہ نہ ہدایت دے جس کو — پھر اس کی ہدایت مشکل ہے

کیا صواب و خطائے اجتہادی پر یقین ہوسکتا ہے

مولانا ابو ریحان نے جابجا اپنی کتاب ''سبائی فتنہ حصہ اول'' میں یہ واویلا مچایا ہے کہ مشاجرات صحابہؓ کی بحث میں خادم اہلسنت حضرت علیؓ کو یقیناً مصیب اور حضرت معاویہؓ کو یقیناً مخطی قرار دیتا ہے اور یہ اہل سنت کے ضابطے کے خلاف ہے۔ چنانچہ اجتہادی صواب و خطا کی قطعی تعیین کی چند صورتیں بیان کرنے کے بعد مولانا موصوف لکھتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص اصول اجتہاد کے علی الرغم اجتہادی خطاء و صواب کی قطعی تعیین کی ٹھان ہی لے تو ان صورتوں میں سے

کوئی ایک صورت بھی اس کو اپنے اس غیر اصولی مقصد کے حصول میں کفایت ہو سکتی ہے لیکن قارئین کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ حضرت قاضی صاحب نے اس سلسلے میں ان میں سے کسی ایک صورت پر اکتفا نہیں کہ بلکہ مذکورہ تمام ہی صورتوں کو بروئے کار لائے ہیں اور حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے اجتہادی خطاء وصواب کی قطعی تعیین ایسے محکم انداز میں کہ ہے کہ اپنے نیاز کیشوں اور عقیدت مندوں کے لیے کسی قسم کی تاویل کی بھی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی جس کی تفصیل بالترتیب حسب ذیل ہے: (۱) تصریح قطع ویقین۔ سب سے پہلے حتم ویقین کی تصریح کو لیجئے۔ حضرت قاضی صاحب اس اخباری خطا وصواب کی عبارۃ المنص کے طور پر قطعی ویقینی تعیین کرتے ہوئے اب حزم سے ناقل ہیں (۲) فبھذا! قطعنا علی صواب رضی اللہ عنہ ...... وقطعاان معاویۃ ومن معہ مخطئون مجتھدون الخ جس کا ترجمہ حضرت قاضی صاحب کے ہی الفاظ میں یہ ہے۔
پس اس بنا پر یقین رکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے اجتہاد میں صحیح ہیں اور ہماری قطعی رائے ہے کہ حضرت معاویہؓ اور آپ کے ساتھی اجتہاد میں خطا کرنے والے ہیں الخ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۸۲۔۲۸۳) اور اپنی ایک دوسری کتاب "کشف خارجیت" میں تو اس عبارت پر عنوان ہی یہ قائم کیا ہے کہ حضرت علی قطعاً مصیب ہیں (ابن حزم) اس کے بعد حضرت قاضی نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ ابن حزمؒ نے یہ سب کچھ شرعی دلائل کی بنا پر ہی فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو (کشف خارجیت ص ۳۷۰) (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۳۱۔۳۲)

الجواب

میں نے علامہ ابن حزمؒ (متوفی ۴۵۶ھ) کی عبارت ہی پیش کی جو متقدمین میں سے ہیں (۲) میں نے علامہ سفارینیؒ کی عبارت بھی اپنے موقف کی

تائید میں پیش کی تھی۔ چنانچہ مولانا ابو ریحان اس کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: علامہ سفارینی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: وقد اتَّفقَ اهل الحق ان المصيب فى تلك الحروب والتنازع امير المومنين على من غير شك (خارجی فتنہ جلد اول ص ۵۹۳) یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ، کو مصیب، من غیر شک کہا گیا ہے۔ اس سے اصحاب جمل وصفین رضی اللہ عنہم، کا مخطی من غیر شک ہونا بھی سمجھ میں آ گیا غور فرمایئے کہ یہ من غیر شک کا فتویٰ اجتہادی خطاء و صواب پر لگایا جا رہا ہے اور اجتہاد بھی کس کا؟ صحابہ کا اور وہ بھی عام فقہی مسائل میں نہیں بلکہ آپس کے مشاجرات میں جبکہ عام فقہی اجتہادی خطاء وصواب بھی ایک ظنی چیز ہے جس میں من غیر شک جیسے حتمی فیصلے بغیر وحی کے نہیں ہو سکتے اور جب وحی بھی اب آنے سے رہی، اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ علامہ سفارینیؒ اور حضرت قاضی صاحب نے صحابہؓ کے مشاجراتی اجتہادات میں یہ قطعی فیصلہ کس بنیاد پر کر دیا ہے کیونکہ مسلک اہلسنت اور اصول اجتہاد کے پیش نظر تو اجتہادی خطاء وصواب کی اس جزم وعزم کے ساتھ قطعی تعیین کی کوئی معقول ومنقول اور معتد بہ وجہ جواز کم از کم ہماری سمجھ میں تو نہیں آتی۔

الجواب

علامہ اسفرائینیؒ (متوفی ۴۱۸ھ) امام ابوالحسن اشعریؒ (متوفی چند سال و ۳۳۰ھ) کے شاگرد اور متقدمین میں سے ہیں اور علامہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ عبارت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بانی دار العلوم کراچی نے ان کی یہ عبارت اپنی کتاب ''مقام صحابہ ص ۱۰۷ پر درج کیے ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مشاجرات صحابہؓ کی بحث میں ہی نمبر ۲۰ کے تحت ہیں۔ علامہ سفارینیؒ نے اپنی کتاب الدّرّة المضيحه میں پھر اس کی شرح میں اس مسئلہ پر اچھا کلام کیا

ہے اس کا ایک حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے الخ (ص ۱۰۴)

(۳) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیو بند (متوفی ۱۲۹۷ھ) بھی مشاجرات صحابہؓ کی بحث میں تحریر فرماتے ہیں: تحقیقی جواب تو اس کا یہ ہے کہ لاریب اپنے ایام خلافت میں حضرت امیر افضل البشر تھے۔ بیشک وہ حق پر تھے اور حضرت عائشہؓ خطا پر تھیں۔ بوجہ خطاء ونسیان معاتب نہیں الخ (الاسولہ الخاملہ ص ۱۳) حضرت نانوتویؒ کی یہ عبارت ص ۱۲۱ میں بھی نقل کی جاچکی ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق وصواب پر ہونے کے لیے لاریب اور بے شک کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مولانا ابو ریحان لاریب کا معنی تو جانتے ہی ہوں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ ذلک الکتاب لاریب فیہ۔ اور حضرت نانوتویؒ کوئی عامی قسم کے عالم اہلسنت نہیں ہیں بلکہ وہ امام اہلسنت ہیں۔ چنانچہ ابوریحان صاحب خود حضرت نانوتویؒ کو ان الفاظ سے ہدیہ، عقیدت پیش کر چکے ہیں کہ: تیرھویں صدی ہجری کے فیلسوف۔ امام المتکلمین۔ جامع المعقول والمنقول قاسم الخیرات والعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ وبرّد مضجعہ وجعل الجنۃ الفردوس مثواہ'' (کتاب سبائی فتنہ حصہ اول ۱۸۳) ابوریحان صاحب لکھتے ہیں کہ: اجتہادی خطاء وصواب کی اس جزم وعزم کے ساتھ قطعی تعیین کی کوئی معقول ومنقول اور معتد بہ وجہ جواز کم از کم ہماری سمجھ میں تو نہیں آتی'' آپ کی سمجھ میں تو نہیں آتی اور آپ کی سمجھ کوئی حجت بھی نہیں ہے۔ جن کو آپ امام المتکلمین اور جامع المعقول والمنقول لکھ رہے ہیں ان کی سمجھ میں تو یہ بات آ گئی ہے۔ ہمارے لیے ان حضرات کا علم وفہم ہی کافی ہے۔ علمی وشرعی مسائل آپ کی سمجھ کے محتاج نہیں ہیں

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ تفسیر معارف القرآن اس

بحث مشاجرات صحابہؓ لکھتے ہیں: خصوصاً مشاجرات صحابہؓ میں تو جس طرح امت کا
اس پر اجماع ہے کہ دونوں کی تعظیم واجب اور دونوں فریق میں سے کسی کو برا کہنا
ناجائز ہے اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگِ جمل میں حضرت علی کرم اللہ
وجہہ حق پر تھے۔ان کا مقابلہ کرنے والے خطا پر۔ اسی طرح جنگ صفین میں
حضرت علی کم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہؓ اور ان کے
اصحاب خطا پر۔ البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطا قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں جس
پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہو بلکہ اصول اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف
کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطا ہو گئی تو ایسے خطا کرنے والے بھی ثواب سے
محروم نہیں ہوتے ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے الخ (مقام صحابہؓ ص ۸۹) حضرت مفتی
صاحبؒ نے بھی حضرت علی المرتضٰی کے حق و صواب ہونے اور حضرت معاویہؓ اور
دوسرے حضرات کے خطا پر ہونے کے عقیدہ پر اہل سنت کا اجماع قرار دیا ہے اور
یہ حضرت مفتی صاحبؒ وہ شخصیت ہیں جن کے بارے میں خود مولانا ابو ریحان
نے فقیہ النفس کے الفاظ لکھے ہیں۔ مولانا ابو ریحان لکھتے ہیں لیکن حتم و یقین کا
تصور تک بھی کیے بغیر محض اتفاقیہ طور پر لکھے گئے ان الفاظ سے چونکہ حتم و یقین کا
تصور ہوتا تھا یا ہو سکتا تھا اس لیے حضرت مفتی اعظمؒ جیسے فقیہ النفس محقق نے ان
الفاظ کو بھی بدل دیا لیکن اس کے بالمقابل حضرت قاضی صاحب ہیں کہ صحابہ کرام
علیہم الرضوان کے اجتہادی صواب و خطا کی بالتصریح اس عزم و جزم اور حتم و یقین
کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ اس کے سوا کچھ کہنے سننے کو خارجیت و ناصبیت سے
نیچے اور نام دینے کے لیے تیار نہیں الخ (ایضاً سبائی فتنہ حاشیہ ص ۲۹) قارئین کی
واقفیت کے لیے عرض ہے کہ حضرت مفتی اعظمؒ نے جس عبارت کی اصلاح فرمائی
ہے۔اس کے متعلق ابو ریحان صاحب لکھتے ہیں: مثلاً حضرت مولانا محمد تقی عثمانی

مدظلہ، نے اپنے ایک مضمون میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا: اس چودھویں صدی کے مجدد دین حکیم الامت الخ۔ یہ مضمون بغرض اصلاح جب مفتی اعظمؒ پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے مجدّد دین کے الفاظ کاٹ کر ان کی جگہ مجدد ملت کے الفاظ تحریر فرمادیے۔ پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ سمجھے یہ الفاظ میں نے کیوں بدلے پھر خود ہی اس کی وجہ بیان فرمائی کہ دراصل مجدّد دین کوئی ایسا معین منصب نہیں ہوتا جیسے نبی ورسول ایک معین منصب ہے۔ صدی کے آغاز میں جس مجدّد کی خبر دی گئی ہے وہ فرد واحد بھی ہوسکتا ہے اور افراد کا ایک طائفہ بھی ہوسکتا ہے اور مجدّد کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اسے اپنے مجدّد ہونے کا علم ویقین ہو اور نہ کسی دوسرے شخص کے پاس کوئی ایسا یقینی ذریعہ ہوتا ہے جس سے وہ کسی فرد کو معین اور قطعی طور پر اس صدی کا مجدّد قرار دے سکے الخ (ایضاً حاشیا ص ۲۸)۔

فرمایئے بحث تو ہو رہی تھی کہ قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کے ساتھ جن حضرات صحابہ کرامؓ کی جنگ، ہوئی ہے اس میں حضرت علی المرتضیٰؓ حق وصواب پر تھے یا دوسرے حضرات صحابہ کرامؓ۔ لیکن انہوں نے نمبر بڑھانے کے لیے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے مجدد ہونے یا نہ ہونے کی مثال پیش کردی۔ کہاں چودھویں صدی کے ایک بزرگ کا مجددِ دین ہونا اور کہاں قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ قتال کی بحث۔

(۲) یہی مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ مجدّد دین کے الفاظ کی اصطلاح کر رہے ہیں کیونکہ حضرت مولانا تھانویؒ کے مجدّد دین ہونے کی قطعی تعین نہیں ہوسکتی تھی لیکن جب علامہ سفارینی رحمتہ اللہ علیہ نے

مشاجرات صحابہؓ کی بحث میں یہ الفاظ لکھے کہ: **وقد اتفق اھل الحق ان المصیب فی تلک الحروب والتنازع امیر المومنین علی من غیر شک الخ** (اور اس بات پر اہل کا اتفاق ہے کہ ان جنگوں میں حق بلاشبہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا الخ (مقام صحابہؓ ص ۱۰۶۔۱۰۷) یہاں علامہ سفارینیؒ نے اس عقیدہ پر اہل حق کا اجماع نقل کیا ہے کہ ان جنگوں میں بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ،حق وصواب پر تھے **من غیر شک** اور بلاشبہ کے الفاظ ختم ویقین کے لیے ہی استعمال کیے گئے ہیں لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ: اللہ علیہ نے ان الفاظ کی اصلاح نہیں فرمائی اور پھر اپنے الفاظ میں بھی یہ تصریح فرمادی کہ: اس طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے، ان کا مقابلہ کرنے والے خطا پر۔ اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرم علی وجہہ حق پر تھے اوران کے مقابل حضرت معاویہؓ اوران کے اصحاب خطا پر الخ (مقام صحابہ ص ۸۹)

(۴) حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ خلیفہ راشد کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔ اس کا حکم بذاتہ اصول دین سے ایک اصل ہے اور ادلہ شرعیہ سے ایک دلیل ہے جو صحیح قیاس سے قوی ہے اگر چہ فی الحقیقت کسی اور کے قیاس سے مستنبط ہو لیکن دوسرے کا قیاس اگر چہ صحیح ہو ظنی ہے اور یہ حکم اگر چہ بنفس الامر قیاس سے مستند ہو لیکن قطعی ہے الخ (منصب امامت مترجم ص ۹۱)

مولانا ابوریحان تو فرماتے ہیں کہ قیامت تک اجتہادی اختلاف میں صواب وخطاء کی حتمی ویقینی تعین نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ: وحی کا دروازہ بند ہو چکنے کے بعد اب اس صواب وخطاء کی حتمی وقطعی تعین نہ قیامت تک ہوسکتی ہے اور نہ یہ راز قیامت کے دن ہی اللہ تعالیٰ کھولیں گے۔ (ایضاً سبائی فتنہ ص ۱۴) لیکن علامہ ابن حزمؒ، علامہ سفارینیؒ، مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، حجۃ: الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے تو آپ کا بند کیا ہوا دروازہ کھول دیا ہے اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق وصواب پر ہونے کو حتمی اور یقینی قرار دے دیا فرمائیے کیا یہ سب حضرات اہل سنت کے اجتہادی اصول کو جانتے تھے یا نہیں؟ ان حضرات نے اہل سنت کے پیش کردہ اصول کی پیروی کی ہے یا مخالفت؟ کیا آپ کے نزدیک ان حضرات میں بھی سبائیت کے جراثیم تھے؟

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی تحقیق

میں نے کشف خارجیت ص ۳۶۷ پر بعنوان ''۔ مجتہد کے صواب پر یقین بھی ہوسکتا ہے'' یہ لکھا تھا کہ: حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ: وفی شرح المهذب عن الطحاوی اذا كان فی المسئلة نصوص قطيعة المتن قطيعة الدلالة لم يكن مظان للاجتهاد بل الحق فيها واحدٌ قطعًا غاية الامران المجتهد المخالف لم يطلع عليها او اطلع عليها ولم يرها متواترةً والتواتر قديحصل فی حق شخص ولا يحصل فی حق آخر. فاذا خالف مجتهد لعدم اطلاعه علی مثل هذه النصرص يكون معذوراً فی مخالفتة الی حيث يطلع علی النص ولا يحل العمل بقوله ذلک ولا يقلد فيه وينقص الحكم به (اے۴۶) (مقدمہ اعلان السنن جلد دوم ص ۲۳۵) اور امام طحاوی سے شرح المہذب میں منقول ہے کہ جب کسی مسئلہ میں ایسی نصوص ہوں جن کی عبارت بھی قطعی ہو اور دلالت بھی۔ تو اس میں اجتہاد کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان نصوص پر وہ مطلع نہیں ہو سکا یا مطلع تو ہوا ہے لیکن اس نے ان کو متواتر نہیں سمجھا۔ اور تواتر کبھی ایک شخص کے حق میں حاصل ہوتا ہے اور دوسرے شخص کے حق میں حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی مجتہد ان نصوص پر

مطلع نہ ہونے کی وجہ سے اپنے اجتہاد کی وجہ سے اختلاف کرتا ہے تو جب تک وہ ان نصوص سے مطلق نہ ہو وہ اس اختلاف میں معذور ہوگا لیکن اس کے قول پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا۔اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے قتال کیا تو یہ ان کے اجتہاد پر مبنی تھا اور وہ اس وقت معذور تھے کیونکہ ان کے پیش نظر آیت استخلاف و آیت تمکین کی نصوص نہ تھیں جن کا مصداق چوتھے نمبر پر حضرت علی المرتضیٰؓ بنتے ہیں اور نہ دوسری احادیث تھیں جن سے آپ کا خلیفہ حق ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت اور دیگر واقعات گذرنے کے بعد محققین اہل سنت پر ان نصوص کی روشنی میں یہ بات کھل گئی کہ بوجہ مہاجرین اولین میں ہونے کے قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ ہی بنتے ہیں تو جمہور اہل سنت کا اس مسلک پر اتفاق ہو گیا کہ ان مشاجرات اور جنگوں میں حضرت علی المرتضیٰؓ مصیب تھے اور حضرت امیر معاویہؓ مخطی۔اس کے بعد میں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مکتوب (جلد ثانی مکتوب ۳۶ طبع قدیم ص ۵۳۔۵۴) نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ: جمہور اہلسنت اس دلیل کی بنا پر جو اُن پر ظاہر ہوئی ہے اس پر ہیں کہ حضرت امیر (علی المرتضیٰؓ) حق پر تھے اور آپ کے مخالف غلط راہ پر چلے لیکن یہ چونکہ اجتہادی خطا ہے اس لیے ملامت اور طعن سے دور ہے اور تشنیع و تحقیر سے پاک اور مبرا ہے (ص ۳۶۹)۔علامہ ظفر احمد صاحب محدث عثمانیؒ کی منقولہ عبارت سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں مجتہد کا اجتہاد یقینی ہوتا اس سے مولانا ابو ریحان کا پیش کردہ یہ کلیہ تو ختم ہو گیا کہ اجتہادی اختلاف میں صواب و خطا کا فیصلہ ظنی ہوتا ہے نہ کہ یقینی۔

(۲) جناب ابو ریحان نے اپنی کتاب ''سبائی فتنہ'' ص ۳۴ کے حاشیہ پر علامہ عثمانیؒ کی مندرجہ عبارت تو نقل کی ہے لیکن نہ اس کا ترجمہ لکھا ہے اور نہ اس پر

میرا تبصرہ نقل کیا ہے۔ اگر میرا تبصرہ بھی نقل کر دیتے تو قارئین کے لیے مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو جاتی۔

(۳) ابو ریحان صاحب میرے جواب میں لکھتے ہیں: حضرت قاضی صاحب نے علامہ عثمانیؒ کی اس عبارت سے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مشاجراتی اجتہادی وصواب وخطا کا قطعی ویقینی ہونا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ محدث عثمانیؒ کی اس عبارت کا صحابہ کرامؓ کے مشاجراتی اجتہاد سے ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی تعلق نہیں.......... اول تو اس لیے کہ محدث عثمانیؒ کی عبارت میں اس اجتہاد کا ذکر ہے جو محل اجتہاد میں نہ ہوا ہو بلکہ غیر موضع اجتہاد میں ہوا ہو۔ چانچہ محدث عثمانیؒ جس مسئلہ میں اجتہاد کا حکم بیان کر رہے ہیں اس کے بارے میں خود تصریح کر رہے ہیں کہ لم یکن مظان للاجتهاد (اس میں اجتہاد کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی (کشف خارجیت ص ۳۶۸) حالانکہ مشاجراتی اجتہاد اہل السنّت کے نزدیک عمل اجتہاد میں ہی تھا۔ چنانچہ امام نوویؒ تصریح فرماتے ہیں: لانهم مجتهدون اختلفوا فی مسائل من محل الاجتهاد كما يختلف المجتهدون بعدهم فی مسائل من الدماء وغيرها الخ (نووی شرح مسلم ص ۲۷۲) یعنی محدث عثمانیؒ تو اس مسئلہ میں اجتہاد کا حکم بیان کر رہے ہیں جو منصوص قطعی ہو جس میں ایسی نصوص ہوں جن کی عبارت بھی قطعی ہو اور دلالت بھی (کشف خارجیت ص ۳۶۸۔۳۶۷) جبکہ مشاجراتی اختلاف میں ایسی کوئی بھی نص موجود نہ تھی اور جو نصوص حضرت قاضی صاحب نے ذکر کی ہیں یعنی آیت استخلاف آیت تمکین آیت اولی الامر حدیث قتل عمار اور حدیث اولی الطایفتین بالحق وغیرھا۔ ان کا مشاجراتی مسئلہ اختلاف سے یا تو کوئی تعلق ہی نہیں یا اس مسئلہ پر ان کی دلالت

قطعی نہیں جیسا کہ انشاء اللہ دوسرے باب میں مفصل بیان ہوگا الخ (سبائی فتنہ حصہ اول حاشیہ ص ۴۴)

الجواب

(۱) یہ صحیح ہے کہ مشاجرات میں صحابہؓ کا اختلاف محل اجتہاد میں تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ بطور عبارۃ النص کے کوئی قرآنی آیت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کے لیے مثبت نہ تھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، کے لیے اجتہادی اختلاف کی گنجائش تھی اور میں نے خارجی فتنہ اور کشف خارجیت میں بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے استدلال کے جواب میں میں نے لکھا ہے کہ: یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرام آپس میں اس قسم کے اختلاف کا حق رکھتے تھے لیکن یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت تو قطعی طور پر معلوم نہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ ہی قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد ہیں۔ فرمایئے اگر حضرت معاویہؓ کو اس وقت یہ یقین ہو جاتا تو کیا پھر بھی وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے معزول ہونے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ ہر گز نہیں۔ وہ معذور تھے لیکن اب جب ہمیں یقین حاصل ہے اور حضرت علیؓ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنا ہمارے لیے عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے (جیسا کہ مولانا سندیلوی نے اس کا اقرار کیا ہے ملاحظہ ہو اظہار حقیقت جلد دوم ص ۲۴۵) اور اس بنا پر امام غزالیؒ بھی خلفاء اربعہ کو بالترتیب امام حق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں (بحوالہ احیاء العلوم جلد اول) تو اب زیر بحث مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کا یہی موقف صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس وقت حضرت امیر معاویہؓ سے خلیفہ راشد موعودہ کے ساتھ جنگ وقتال کرنے میں خطا ہو گئی تھی۔ اس میں حضرت معاویہؓ کی نہ تنقیص ہے نہ بے ادبی (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۲۲)

ایک شبہ کا ازالہ

اسی سلسلے میں ہی میں نے بعنوان "ایک شبہ کا ازالہ" لکھا ہے کہ قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علیؓ کو تسلیم کرنے اور حدیث نبوی **فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین** کا خلفاء ثلثہؓ کی طرح حضرت علیؓ کو مصداق قرار دینے کے بعد تو یہی لازم آتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے خلافت سے معزولی دوبارہ انتخاب کا مطالبہ بالکل ناجائز تھا پھر اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے صرف یہ نہیں کہ دلیل سے اختلاف کیا بلکہ خلیفہ راشد سے جنگ وقتال بھی کیا۔ تو پھر حضرت معاویہؓ کے جو شیعہ کھلے مخالف ہیں ان کی مخالفت کو بھی حقیقت پر مبنی قرار دینا چاہیے لیکن بجائے اس کے اہل سنت والجماعت شیعوں کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ کا دفاع کرتے ہوئے شیعیت اور مودودیت کی تردید کرتے ہیں اور حضرت معاویہؓ کی کسی پہلو سے بھی تنقیص گوارا نہیں کرتے۔

الجواب

حضرت علیؓ کا موعودہ خلیفہ راشد ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے لیکن دور صحابہؓ میں یہ نصوص صحابہ کرامؓ کے پیش نظر نہ تھیں کیونکہ آیت وحدیث میں خلفاء اربعہ کے نام نہیں تھے۔ اس وقت صحابہ کرامؓ نے اجتہاد کی بنا پر اپنا اپنا موقف اختیار کیا اور وہ اس میں معذور تھے۔ بحیثیت شرف صحابیت کے ہم حضرت امیر معاویہؓ کے خلوص میں شبہ نہیں کر سکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے اجتہادی خطا کا صدور ہو گیا تھا اور اس میں نہ کوئی بے ادبی ہے نہ تنقیص شان، کیونکہ اجتہادی خطا پر بھی ازروئے حدیث بخاری ایک گونہ ثواب ملتا ہے، تو کار ثواب پر ملامت کیونکر جائز ہو سکتی ہے الخ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۳۳۔۵۳۴) مندرجہ عبارت سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے دفاع

کر رہا ہوں لیکن ابو ریحان صاحب اپنی زیرِ بحث کتاب میں جا بجا لکھتے ہیں کہ میری مراد تخطیہ برائے تخطیہ ہے نہ کہ تخطیہ برائے تبریہ۔ اس کے متعلق کسی دوسرے مقام پر بھی وضاحت کی جائے گی ان شاء اللہ۔

(۲) میں نے جو یہ لکھا ہے کہ: دورِ صحابہ میں یہ نصوص صحابہ کرامؓ کے پیش نظر نہ تھیں، اس کے جواب میں ابو ریحان صاحب لکھتے ہیں کہ: یہاں ذکر اس مجتہد کا ہو رہا ہے جو مسئلہ مجتہد فیہ میں موجود نصوص قطعیہ پر مطلع نہ ہو سکا اور اس عدم اطلاع کی وجہ سے ان نصوص قطعیہ کے خلاف اجتہاد کر بیٹھا۔ ہمارے نزدیک اجتہاد کی یہ صورت ممکن مگر عام طور پر غیر واقع ہے کیونکہ کسی شخص کے اصطلاحی مجتہد ہونے کی سب سے پہلی شرط ہی یہ ہے کہ وہ احکام و استنباط کے متعلق تمام نصوص شرعیہ قطعیہ سے پوری طرح واقف ہو۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ چودہ صدیوں میں کم از کم ہمیں تو کوئی ایک مجتہد بھی ایسا نظر نہیں آیا جس نے نصوص قطعیہ سے بے خبری کی وجہ سے کسی منصوص قطعی مسئلہ میں اجتہاد کیا ہو اور پھر دنیا نے اس کو صحیح مجتہد بھی مانا ہو۔ اس لیے یہ صرف ایک ضابطے کا بیان ہے نہ کسی امر واقعہ کا ذکر (سبائی فتنہ حصہ اول حاشیہ ص ۳۴۔۳۵) پھر ممکن بھی یہ صورت ہر جگہ نہیں بلکہ صرف وہاں ہے جہاں مجتہد صرف ایک ہو یا اگر متعدد ہوں تو ان کی آپس میں ملاقات نہ ہوئی ہو۔ ایک دوسرے کے اجتہاد کی اطلاع نہ ہوئی ہو۔ وہاں یہ ممکن ہے کہ مجتہد سے نص قطعی مخفی رہ جائے لیکن اگر کسی مسئلہ میں ایک سے زائد مجتہدوں نے اجتہاد کیا ہو اور ان مجتہدین کو ایک دوسرے کے اجتہاد کی اطلاع بھی ہوئی ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کی آپس میں ملاقات ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو اور بحث مباحثہ تک بھی ہوا ہو تو ایسی صورت میں ان تمام ہی مجتہدوں پر اس مسئلہ کے متعلق نصوص قطعیہ کا مخفی رہ جانا بعید از عقل ہے اور صحابہ کرامؓ کے مشاجراتی اجتہاد کی بالکل یہی بلکہ اس

سے بھی زیادہ نازک نوعیت تھی۔ لہٰذا وہاں اجتہاد کی یہ صورت ہمارے نزدیک ممکن بھی نہیں ہو سکتی...... پھر صرف ان مجتہدین میں ہی نہیں بلکہ اس وقت کی ساری دنیا میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ ان مجتہدین کی طرح ساری اسلامی دنیا بھی اس مسئلہ میں حیران و سرگرداں رہی۔ ایسی صورت میں بات صرف مجتہدین تک ہی محدود نہ رہی تھی بلکہ عالم اسلامی کے تمام ہی علماء و فقہا اور مفسرین و محدثین بلکہ تمام خواص و عوام تک اس کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا تو اتنے اہم اور نازک مسئلہ میں موجود نصوص قطعیہ سے ساری اسلامی دنیا کے سارے ہی مجتہدین و ائمہ دین، مفسرین و محدثین اور فقہاء و متکلمین اور تمام ہی صحابہؓ و تابعین کا بے خبر رہنا قابل تعجب بلکہ مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے۔ لہٰذا علامہ عثمانیؒ کی یہ عبارت صحابہؓ کے مشاجرات محض بے تعلق ہے۔ اس سے صحابہؓ کے مشاجراتی اجتہاد پر کسی بھی طرح کا استدلال بالکل بے محل استدلال ہے الخ (ایضاً حاشیہ ص ۳۵۔۳۶)

الجواب

(۱) مجتہد کے بارے میں مولانا ابوریحان کا یہ لکھنا کہ: سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ احکام و استنباط کے متعلق تمام نصوص شرعیہ قطعیہ سے پوری طرح واقف ہو صحابہؓ کے بارے میں صحیح نہیں ہے کہ کیونکہ ہر مجتہد صحابی کو تمام احادیث بنو یہ معلوم نہ تھیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: اس طرح ایک صحابیؓ نے کسی واقعہ کے متعلق کوئی حکم نبوی سنا تھا اور دوسرے نے اس کو نہیں سنا تھا اس لیے اس دوسرے کو اپنی رائے سے اجتہاد کی ضرورت پڑی۔ اس اجتہاد کے بھی کئی طریقے ہو گئے۔ اولاً ایسا ہوا کہ اس کا اجتہاد اس حدیث کے موافق ہو گیا جیسے نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے مسئلہ دریافت کیا گیا۔ کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا ہے اور اس نے اس عورت کا کوئی حصہ مقرر نہیں

کیا ہے۔ بتایئے اس عورت کو کیا ملنا چاہیے؟ انہوں نے کہا اس کے متعلق میں نے آنحضرت ﷺ کو کوئی فتویٰ دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن لوگ ایک ماہ تک ان کے پاس آتے جاتے رہے اور اصرار کرتے رہے کہ اس کا حکم بتایئے۔ انہوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کر کے جواب دیا کہ اس کو بلا کم وکاست اس کے خاندان کی عورتوں کا مہر دینا چاہیے اس پر عدت ضروری ہے اور اس کو ورثہ ملے گا۔ اس کو سن کر معقل بن یسارؓ نے کھڑے ہو کر بشارت دی کہ رسول خدا ﷺ نے بھی ایک عورت کے مقدمہ میں ایسا ہی فیصلہ کیا تھا۔ اس سے عبداللہ بن مسعودؓ ایسے خوش ہوئے کہ اسلام کے بعد وہ کبھی ایسے خوش نہیں ہوئے تھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو صحابیوں میں بحث ومناظرہ ہونے کے بعد ایسی حدیث ظاہر ہو جائے جس کے ہونے کا گمان غالب ہو اور اس حدیث مسموع کی جانب وہ صحابی رجوع کرے جیسے ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا مذہب تھا کہ اس شخص پر روزہ نہیں ہے جس نے جنابت کی حالت میں صبح کی ہو۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی بعض ازواج نے ان کے مذہب کے خلاف حدیث بیان کی۔ تب حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے مذہب سے رجوع کیا الخ

(حجۃ اللہ البالغہ مترجم اردو ص ۲۵۵_۲۵۶)

علاوہ ازیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف میں بھی اختلاف صحابہؓ کے بارے میں یہی روایت پیش کی ہے۔

(۲) مجتہد کو نص کے بارے میں نسیان وذہول بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولیؒ اللہ لکھتے ہیں۔ سہو ونسیان سے بھی صحابہ میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً روایت کی گئی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ رسول خدا ﷺ نے

رجب میں عمرہ کیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے گواہوں سے فیصلہ کر دیا۔ کبھی خوب انضباط کے نہ ہونے سے اختلاف ہوا کرتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ مترجم ص ۲۵۸)

علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحب دہلوی الانصاف میں بھی لکھتے ہیں:

چوتھی اختلاف کی بوجہ سہو اور نسیان کے ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مروی ہے کہ ابن عمرؓ کہتے تھے کہ رسول خدا ﷺ نے ایک عمرہ رجب میں کیا ہے۔ اس حال کو عائشہ صدیقہؓ نے سنا اور ابن عمرؓ پر بھول جانے کا حکم لگایا (ص ۱۴) اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس اجتہادی اختلاف کے سلسلے میں علامہ مازریؒ کی عبارت پیش کی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ: حدیث میں جو لفظ خطاء کا اطلاق واقع ہوا ہے اس کا جواب وہ (یعنی مصوبہ) یہ دیتے ہیں کہ ان صورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جن میں کوئی نص موجود تھی اور مجتہد کو اس کا ذہول ہوا یا اس نے کسی ایسے مسئلہ میں اجتہاد کیا جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ تھی الخ (ہدیہ سنیہ ص ۱۷) اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ہی حافظ علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت پیش کرتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ: جن مسائل میں کوئی دلیل قطعی پہلے سے موجود تھی مگر مجتہد اس کی معرفت پر قادر نہ تھا الخ (ایضاً ص ۱۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور دوسرے حضرات کی منقولہ بالا عبارات سے ثابت ہوا کہ کبھی مجتہد کو دلیل قطعی کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ کبھی نص قطعی سے نسیان و ذہول ہو جاتا ہے اور بڑے بڑے جلیل القدر مجتہد صحابہؓ کو بھی بعض حدیثی نصوص کا علم نہ تھا لہٰذا مولانا ابو ریحان نے جو بطور کلیہ کے مجتہدین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح نہیں۔

متواتر اور غیر متواتر

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے جو یہ لکھا ہے کہ: **والتوتر قد یحصل فی حق شخص ولا یحصل فی حق آخر**۔ اور تواتر کبھی ایک شخص کے حق

میں حاصل نہیں ہوتا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ابو ریحان لکھتے ہیں: یہ تواتر وعدم تواتر بعد کی ایجادات اور بعد والوں کی ضروریات ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان جو آنحضرت ﷺ سے براہ راست کسب فیض کرنے والے ہیں وہ ان جیسی فنی اصطلاحات سے بے نیاز ہیں لہٰذا ان کے تو عام فقہی اجتہادات کو بھی ان فنی اصلاحیات کے معیار پر نہیں چڑھایا جا سکتا چہ جائیکہ ان کے مشاجراتی اجتہادات کو۔" (ایضاً حاشیہ ص ۳۶)

الجواب

یہ جواب بھی ایک ریحانی لطیفہ ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ ان فنی اصطلاحات سے بے نیاز ہیں تو آپ نے مشاجرات صحابہؓ کی بحث میں اہل سنت کے اجتہادی اختلافات کے بارے میں جو زیر بحث چار اصول پیش کیے ہیں یہ فنی اصطلاحات بھی تو بعد کی وضع کردہ ہیں پھر ان اصول اربعہ کو اس بحث میں آپ کیونکر پیش کر سکتے ہیں؟ علاوہ ازیں علامہ عثمانیؒ کی زیر بحث عبارت کے متعلق جناب ابو ریحان لکھتے ہیں: محدث عثمانیؒ کی زیر بحث عبارت تو اگرچہ اس کے صواب وخطا کا یقینی ہونا بیان کر رہی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے بلکہ اجتہاد کی اس صورت میں اجتہادی صواب وخطا کا یقینی فیصلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یقینی فیصلے کے لیے قطعی نص چاہیے اور کسی نص کا متواتر ہونا نہ ہونا بجائے خود ایک اجتہادی اور ظنی امر ہے نہ کہ قطعی۔ چنانچہ زیر بحث عبارت میں ہی یہ تصریح موجود ہے کہ: **والتواتر قد یحصل فی حق شخص ولا یحصل فی حق آخر**۔ یعنی تواتر کبھی ایک شخص کے حق میں حاصل ہوتا ہے اور دوسرے شخص کے حق میں حاصل نہیں ہوتا۔ (کشف خارجیت ص ۳۶۸) یہ ریحانی توجیہ بھی غلط ہے کیونکہ تواتر یقین پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ جدا بات ہے کہ کسی مجتہد کو اس تواتر کی اطلاع نہ ہو سکی ہو جس طرح

بعض قطعی نصوص کی ایک مجتہد کو معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

لاطائل تبصرہ

علامہ ظفر احمد محدث عثمانیؒ کی عبارت پر جو ابو ریحان صاحب نے طویل تبصرہ کیا ہے وہ طائل اور بے فائدہ ہے۔ چنانچہ ان کا یہ لکھنا کہ: اتنے اہم اور نازک مسئلہ میں موجود نصوص قطعیہ سے ساری اسلامی دنیا کے سارے ہی مجتہدین وائمہ ومفسرین ومحدثین اور فقہاء ومتکلمین اور تمام ہی صحابہ وتابعین کا بے خبر رہنا قابل تعجب بلکہ مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے۔ (حاشیہ ص ۳۵) خدا جانے کس قسم کی مدہوشی کی حالت میں مجتہدین وائمہ وغیرہم کے متعلق یہ بات لکھ گئے ہیں حالانکہ دور صحابہؓ کے بعد کے مفسرین ومحدثین وغیرہم نے مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں یہ اجماعی فیصلہ دے دیا ہے کہ اس میں حضرت علی المرتضیٰؓ حق وصواب پر تھے اور ان سے اجتہادی خطا کا صدور نہیں ہوا جیسا کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ: لم یذهب الی تخطئة علی ذو تحصیل اصلاً (کسی صاحب علم وتحقیق نے یہ نہیں کہا کہ اس میں حضرت علی المرتضیٰؓ سے اجتہادی خطاء سرزد ہو گئی تھی۔" ابو ریحان صاحب بھی اس کو تسلیم کر چکے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد کی تصویب پر اہل سنت کا ایسا اتفاق واجماع بغیر کسی قطعی دلیل کے نہیں ہو سکتا۔ خواہ ہم اس قطعی دلیل پر مطلع نہ ہو سکے ہوں۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ لکھا ہے: لیکن جمہور اہل سنت بدلیلے کہ برایشاں ظاہر شدہ باشد برانند کہ حقیقت در جانب امیر بودہ ومخالف اوراہ خطارا پیمودہ لیکن ایں خطا چوں خطائے اجتہادی است از ملامت وطعن دور است (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی۔ طبع قدیم مکتوب نمبر ۳۶ ص ۵۴) لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل کی بنا پر جو ان پر ظاہر ہوئی

ہے اس مسلک پر ہیں کہ حق حضرت امیرؓ کی جانب تھا اور آپ کے مخالفین خطا کے راستے پر چلے ہیں۔ مگر یہ خطا چونکہ اجتہادی ہے اس لیے طعن و ملامت سے دور ہے۔" (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۰۷، ۳۰۵ ربانی حضرت مجددؒ الف ثانیؒ جس دلیل کا ذکر فرما رہیں وہ دلیل قطعی ہی ہو سکتی ہے تو جنگ جمل وصفین میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق وصواب پر ہونے کو اور فریق ثانی خصوصاً حضرت امیر معاویہؓ کے خطاء پر ہونے کو اگر میں نے یقینی لکھا تو اس سے ابو ریحان مولانا عبدالغفور کیوں چیں بجبیں ہوتے ہیں۔ میں نے تو اہل سنت کی تحقیق ہی پیش کی ہے۔ میری بحث **المجتهد يخطی ويصيب** کے مسلک پر مبنی ہے۔ اگر حضرت علی المرتضیٰؓ قطعی صواب پر ہیں تو حضرت معاویہ قطعی خطا پر ہوں گے۔ میرے پیش کردہ وہ مسلک کی بنا پر اس دلیل کو آپ توڑ کر دکھا دیں۔ واویلا کرنے سے تو کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

ایک اور ریحانی لطیفہ

میری پیش کردہ ایک عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا ابو ریحان لکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت قاضی صاحب بحوالہ حضرت مجددؒ صاحبؒ لکھتے ہیں: لیکن جمہور اہل سنت بہ دلیلے کہ برایشاں ظاہر شدہ باشد براشد کہ الخ پھر اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: لیکن جمہور اہلسنت اس دلیل کی بنا پر جو ان پر ظاہر ہوئی ہے" الخ (خارجی فتنہ ج ۱ ص ۵۱۰) معلوم ہوا کہ تخطئہ وتصویب دلیل پر مبنی ہے جبکہ توقف کے بارے میں آپ حضرت قاضی صاحب کی تصریح پڑھ کر آئے ہیں کہ یہ تردد تذبذب والا مذہب ہے (خارجی فتنہ ص ۵۸۷۔۵۸۶) (تنبیہ) حضرت قاضی صاحب نے "ظاہر شدہ باشد کا ترجمہ کیا ہے" "ظاہر ہوئی ہے" یہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ظاہر شدہ باشد ماضی قریب نہیں بلکہ ماضی احتمالی ہے جس کا معنی ہے

ظاہر ہوئی اور یہ حضرت مجدّد صاحب کا جمہور سے اظہار عقیدت ہے۔ اظہار حقیقت نہیں۔ فتدبر (سبائی فتنہ حاشیہ ص ۳۸۰)

(۲) پھر اس سلسلے میں ص ۵۵۵ پر امام شافعی اور جمہور اہل سنت کے مذہب میں تطبیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: تطبیق کے لیے تاویل وتوجیہ جمہور کے مذہب میں کی جائے گی نہ کہ امام شافعیؒ کے مذہب میں۔ اس کی وجہ تو یہ ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے امام شافعیؒ کے مذہب کی دلیل تو نقد انقد پیش کر دی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: **اذا ذکر صحابی فامسکوا** اور دوسری جگہ ایک دوسری حدیث بھی ذکر فرمائی یعنی **ایاکم وما شجر بین اصحابی** اور جمہور کے مذہب کی فی الواقع کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی بلکہ صرف یہ احتمال ظاہر فرما دیا ہے کہ دلیل ان پر ظاہر ہوئی ہوگی: بدلیلے کہ برایشاں ظاہر شدہ باشد اور یہ حضرت مجدّد صاحبؒ کا جمہور سے اظہار عقیدت ہے نہ کہ اظہار حقیقت۔ اگر جمہور کے مذہب یعنی صحابہؓ کو مشاجرات میں مصیب ومخطی کہنے کی واقعتاً کوئی دلیل ہوتی تو وہ ضرور ذکر کرتے اور اگر دلیل ہوتے ہوئے بھی ذکر نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امساک وکف لسان کی دلیل کے مقابلہ میں وہ قابل ذکر نہ تھی اور اگر قابل ذکر بھی تھی پھر ذکر نہیں کی تو اس سے اتنا تو ثابت ہو ہی گیا کہ حضرت مجدّد صاحبؒ کے نزدیک اہل سنت کا اصل مذہب امساک وکف لسان ہی ہے کہ کئی دلیلیں ذکر کرتے ہیں نہ کہ تخطئہ وتصویب جس کی کوئی قابل ذکر دلیل بھی وہ ذکر نہیں کرتے الخ پھر حاشیہ میں لکھتے ہیں: ہم پہلے کسی جگہ بتلا آئے ہیں کہ یہ ماضی احتمالی ہے جس کا ترجمہ وہ ہے جو ہم نے کیا ہے۔ حضرت قاضی نے اس کو ماضی قریب بنا کر ترجمہ ''ظاہر ہوئی ہے'' کر دیا جو صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم۔

الجواب

(۱) میں نے حضرت مجدد صاحبؒ کی عبارت کا جو یہ ترجمہ کیا ہے: لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل کی بنا پر جو ان پر ظاہر ہوئی ہے'' یہ مُرادی معنی ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ کا مطلب یہی ہے کہ جمہور اہل سنت نے یہ مسلک بے دلیل نہیں اختیار کیا بلکہ ان کا مسلک دلیل پر مبنی ہے۔ کیا ابو ریحان صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ جمہور مجتہد اہل سنت نے بلا کسی دلیل کے یہ مسلک اختیار کر لیا ہوگا؟ لاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔ ''ظاہر ہوئی ہے'' ظاہر ہوئی ہے اور ظاہر ہوئی ہوگی کا مفہوم ایک ہی ہے۔

(۲) حضرت مجدد صاحبؒ نے جمہور اہل سنت کا مسلک پیش کر دیا ہے جس میں دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں اور امام شافعیؒ نے چونکہ اپنے پیش کردہ مسلک کی تائید میں احادیث بھی پیش کی ہیں اس لیے حضرت مجدد صاحبؒ نے بھی ان کا ذکر کر دیا۔

(۳) حضرت مجدد صاحبؒ نے خود جمہور اہل سنت ہی کا مسلک اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

ناچار ہمہ را دوست می داریم بدستی پیغمبر علیہ علیہم الصلوات والتسلیمات واز بغض وایذائے ایشاں گریزاں کہ آں بغض وایذاء منجر باں سرور می شود لیکن محق را محق گوئیم ومخطی را مخطی۔ حضرت امیرؓ برحق بودند ومخالفاں ایشاں بر خطاء زیادہ بریں فضولیست۔ (مکتوبات امام ربانی جلد دوم مکتوب نمبر ۲۶۶)

ترجمہ:۔ ارشاد نبویؐ کے تحت ناچار تمام صحابہ کرامؓ کو ہم دوست رکھتے ہیں بوجہ پیغمبر خدا ﷺ کی دوستی کے اور ان کے بُغض وایذا سے بھاگتے ہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ کا بغض اور ایذا آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہے لیکن حق والے کو حق پر کہتے ہیں

اور خطا کرنے والے کو خطا پر (ان جھگڑوں میں) حضرت امیر (علیؓ) حق پر تھے اور آپ کے مخالفین خطاء پر۔ اس سے زیادہ کہنا فضول ہے۔

(ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۰۹)

فرمایئے ابوریحان صاحب! کیا حضرت مجددؒ نے یہاں اپنا مسلک نہیں ظاہر کر دیا کہ حضرت علیؓ مصیب تھے اور مخالفین یعنی حضرت معاویہؓ وغیرہ خطا پر۔ لہٰذا آپ کا یہ لکھنا کہ حضرت مجدد صاحبؒ کا جمہور کے حق میں اظہار عقیدت ہے نہ اظہار حقیقت بالکل کج فہمی یا غلط بیانی پر مبنی ہے۔ ثابت ہو گیا کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے یہاں حقیقت کا اظہار کیا ہے نہ کہ صرف عقیدت کا۔

واضح دلیل

جمہور اہل سنت کو اختیار کر لینے کے بعد دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن حضرت مجدد صاحبؒ نے اس کی دلیل بھی پیش فرما دی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: حضرت امیرؓ با معاویہؓ جنگ و جدل فرمودہ بواسطہ میل و رغبت در امر خلافت بودہ است بلکہ **قتال بابغاۃ** فرض می دانستہ و دفع می کردہ۔ قال تبارک وتعاظم وتعالیٰ **فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الیٰ امر اللہ**۔ غایت ما الباب چوں محارباں حضرت امیرؓ باغیاں ماؤل اند و صاحب رائے واجتہاد اند اگرچہ دریں اجتہاد مخطی باشد از طعن وملامت واز تفسیق وتکفیر دور اند۔ حضرت امیرؓ درشان ایشاں می فرمایا۔ **اخواننا بغوا علینا لیسوا کفرۃ ولا فسقۃ لماھم من التاویل. قال الشافعیؒ وھو منقول عن عمر بن عبدالعزیز تلک دماء طھر اللہ عنھا ایدینا فلنطھّر عنھا السنتنا الخ**

(مکتوبات امام ربانی جلد ثانی مکتوب نمبر ۹۶۔ طبع قدیم ص ۱۷۲) ترجمہ: حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے جنگ امر خلافت کی طرف اپنے ذاتی میلان ورغبت

کی وجہ سے نہیں کی بلکہ انہوں نے باغیوں سے قتال فرض ہونے کی بنا پر کی ہے۔ اللہ تبارک وتعاظم وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ باغیوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرو کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لیں۔ اس امر میں آخری بات یہ ہے کہ چونکہ حضرت امیر (علیؓ) سے جنگ کرنے والے تاویل کرنے والے باغی ہیں اور وہ اہل رائے واجتہاد ہیں۔ اگرچہ اس اجتہاد میں وہ خطا کرنے والے ہیں اس لیے طعن وملامت کرنے اور ان کو فاسق اور کافر کہنے سے دور ہیں۔ خود حضرت امیر المومنین (علی المرتضیٰؓ) نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ ہمارے بھائی ہیں۔ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ نہ وہ کافر ہیں اور نہ فاسق۔ کیونکہ انہوں نے تاویل کی بنا پر ہم سے لڑائی کی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اور یہی بات حضرت عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ: یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے پاک رکھا۔ پس ہم کو چاہیے کہ اپنی زبانوں سے ان کو پاک رکھیں۔ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۸۷) اب تو معاملہ صاف ہو گیا۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے فریق مخالف کے باغی ہونے میں ایک تو یہ لکھا ہے کہ قرآن کے چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان کو باغی قرار دیا ہے۔ اور دوم یہ کہ قرآن مجید کی سورۃ الحجرات کی آیت منقولہ سے بھی ان کا باغی ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو گروہوں میں سے ایک کو باغی قرار دیتا ہے جو آپس میں جنگ وقتال کرتے ہیں اور اس آیت کے تحت مفسرین ومحدثین نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف جنگ کرنے والوں کو باغی قرار دیا ہے لیکن چونکہ ان میں جلیل القدر مجتہد صحابہ ہیں اور انہوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر خلاف کیا ہے اس لیے ان کو اس جنگ وقتال میں مخطی معذور قرار دیا جائے گا اور اس حقیقت کا اظہار میں نے خارجی فتنہ حصہ اول میں بار بار کیا ہے کہ ان کی یہ بغاوت صورتاً ہے

نہ کہ حقیقتاً۔ اور چونکہ یہ آیت مولانا ابو ریحان کے پیش کردہ موقف کو غلط ٹھہراتی ہے اس لیے انہوں نے اپنی اس ضخیم کتاب سبائی فتنہ میں اس آیت پر کسی جگہ بھی بحث نہیں کی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق وصواب پر ہونے کی دلیل میں یہی آیت پیش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: **و ذهب جمهور اهل السنة الى تصويب من قاتل مع عليؓ لا متثال قوله تعالىٰ وان طائفتان من المومنين اقتتلوا آلاية. وفيها الامر بقتال الفئة الباغية وقد ثبت ان من قاتل علياً كانوا بغاة وهولآء مع هذا التصويب متفقوق على ان لايذم واحدٌ من هولآء بل يقولون اجتهدو افاخطوا** الخ اور جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ جو حضرت علیؓ کے ساتھ ہو کر لڑنے والے ہیں وہ صواب پر تھے کیونکہ انہوں نے اس آیت پر عمل کیا تھا اگر مؤمنین میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو الخ اور اس آیت میں باغی گروہ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہے اور تحقیق یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جنہوں نے حضرت علیؓ سے لڑائی کی ہے وہ باغی تھے اور یہ حضرات (یعنی جمہور اہل سنت) باوجود حضرت علیؓ اور ان کے گروہ کو صواب پر قرار دینے کے اس امر پر بھی متفق ہیں کہ جنہوں نے ان سے جنگ کی ہے وہ قابل مذمت نہیں ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد کیا جس میں ان سے خطا ہو گئی الخ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۶۰۳)

قاضی ابو بکر بن العربیؒ

امام قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں قاضی ابو بکر بن العربیؒ کی یہ عبارت پیش کی ہے: **فتقرر عند علماء المسلمين وثبت بدليل الدين**

علیاً کان اماماوان کل من خرج علیه باغ وان قتاله واجب حتی تفیئی وینقاد الی الصلح الخ۔ علماء مسلمین کے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت علیؓ امام وقت تھے اور جس نے بھی آپؓ کے خلاف خروج کیا ہے وہ باغی ہے اور جب تک وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور صلح کے تابع نہ ہو اس سے قتال کرنا واجب ہے الخ

امام نوویؒ

صحیح مسلم میں کتاب الزکوٰۃ کے تحت باب اعطاء المؤلفة وبیان الخوارج واحکامهم میں جو روایات اولی الطائفتین بالحق وغیرہ منقول ہیں ان کی شرح کرتے ہوئے شارح مسلم امام نوویؒ لکھتے ہیں: ہذه الروایات صریحة فی ان علیا کان هو المصیب الحق والطائفة الاخری اصحاب معاویة کانوا بغاة متأولین (نودی جلد ص۲۴۲) یہ روایتیں اس بارے میں صریح ہیں کہ حضرت علیؓ ہی صواب اور حق پر تھے اور فریق ثانی حضرت معاویہؓ کی جماعت باغی تھے تاویل کرنے والے۔ بطور نمونہ مندرجہ عبارتیں پیش کی گئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جمہور اہل سنت (مفسرین ومحدثین) نے مذکورہ آیت اور احادیث کی بنا پر یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علی المرتضیٰؓ حق وصواب پر تھے اور فریق ثانی باغی تھے لیکن ان کا اختلاف چونکہ اجتہاد پر مبنی تھا اس لیے وہ خطا پر تو ہیں لیکن معذور ہیں۔

فرمایئے ابو ریحان صاحب جمہور اہل سنت نے اپنے مسلک پر دلائل پیش کیے ہیں یا نہیں؟ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی انہی کے پیش کردہ دلائل کی بنا پر ان کے مسلک کو حق وصواب تسلیم کیا ہے یا نہیں۔؟ پھر آپ نے کن اندھیروں میں مبتلا ہو کر یہ لکھ دیا ہے کہ حضرت مجددؒ صاحبؒ نے کوئی دلیل نہیں

پیش کی اور جمہور اہل سنت سے صرف اظہار عقیدت کیا ہے نہ کہ اظہار حقیقت۔
واللہ الھادی۔

قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ

جناب ابو ریحان علامہ ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کی عبارت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''محدث عثمانیؒ تو اس مسئلہ میں اجتہاد کا حکم بیان کر رہے ہیں جو منصوص قطعی ہو۔ جس میں ایسی نصوص ہوں جن کی عبارت بھی قطعی ہو اور دلالت بھی۔ جبکہ مشاجراتی اختلاف میں ایسی کوئی بھی نص موجود نہ تھی الخ،،

الجواب

میں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق وصواب ہونے میں آیت استخلاف اور آیت تمکین پیش کی ہیں وہ قطعی الثبوت بھی ہیں اور قطعی الدلالۃ بھی۔ البتہ قطعی الدلالہ: بطور عبارت النص کے نہیں بلکہ بطور اقتضاء النص ہیں اور ان کا مصداق بوجہ مہاجرین اولین میں ہونے کے صرف چار یارؓ ہیں یعنی امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰؓ۔

ایک استفتاء

ابو ریحان مولانا عبدالغفور صاحب، مولانا عبداللہ صاحب، خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے مدرسہ جامعہ فریدیہ میں مدرس ہیں۔ مولانا عبداللہ صاحب موصوف کی طرف سے علماء ومفتی صاحبان کی خدمت میں ایک استفتاء بھیجا گیا ہے جس میں میری عبارتیں خالد کے نام سے اور مولانا ابو ریحان کی عبارتیں طارق کے نام سے لکھی گئی ہیں لیکن اس میں میرا مؤقف پیش کرنے

میں بھی تلبیس سے کام لیا گیا ہے۔

مولانا عبداللہ اور استفتاء

مولانا محمد عبداللہ صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد نے ایک استفتاء دینی مدارس کے مفتی حضرات کی خدمت میں ارسال کیا ہے جس میں اپنی طرف سے بعد از سلام مسنون یہ لکھا ہے: امید ہے کہ مزاج بعافیت ہوں گے۔ میرے ایک دوست ایک استفتاء بھیج رہے ہیں میری آپ سے گذارش ہے کہ اپنی اوّلین فرصت میں اگر ترجیحی بنیاد پر اس کا جواب مرحمت فرمائیں تو میں آپ کا بہت ممنون ہوں گا۔ دعاؤں کا محتاج محمد عبداللہ (۱۳ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ)

مولانا عبداللہ صاحب موصوف کے مدرسہ فریدیہ اسلام آباد کے ایک مدرس ابوریحان مولانا عبدالغفور سیالکوٹی نے میری کتاب ''خارجی فتنہ'' حصہ اول کے جواب مین ایک ضخیم کتاب بنام ''سبائی فتنہ'' شائع کی ہے جس کا جواب الجواب میری طرف سے ماہنامہ حق چاریارؓ میں قسط وار شائع ہو رہا ہے اور پھر اس کا جواب الجواب بھی مولانا ابوریحان صاحب ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان میں قسط وار شائع کر رہے ہیں۔ چونکہ زیر بحث مضمون فریقین کی طرف سے بطور جواب الجواب کے شائع ہو رہا ہے اس لیے مولانا موصوف پر لازم تھا کہ وہ انتظار کرتے اور جواب الجواب کی تکمیل کے بعد استفتاء ارسال کرتے اور غالباً انہوں نے اس وجہ سے مذکورہ استفتاء روانہ کرنے میں جلدی کی ہے کہ کراچی کے ایک مشہور خارجی مصنف مولوی عظیم الدین کی کتاب ''حیات سیدنا یزید'' کا جو جدید ایڈیشن شائع ہوا ہے اس مین اس کتاب کے بارے میں مولانا عبداللہ صاحب کی حسب ذیل تقریظ شائع ہوئی ہے:

محترم السید الاستاد المکرّم محمد عظیم الدّین صدیقی صاحب سلام مسنون

خط ملا۔ آج ہی شیخ القرآن سے بات کی۔ کتاب ''حیات سیدنا یزید'' ان کو ابھی تک نہیں ملی۔ تبصرہ اور رائے کی درخواست بھی کی۔ انہوں نے قبول فرما لیا۔ ویسے وہ بھی حضرت امیر یزید کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو ہمارا ہے لیکن وہ بھی میری ہی طرح برملا اظہار بوجوہ نہیں کرتے۔ یہ مجبوری نا معلوم ہماری کب تک چلے گی کوئی آنے والا نہیں ہے ورنہ دستی کتب مزید منگواتا۔ والسلام

محمد عبداللہ، خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد

جو علماء ان کی اس تقریظ پر مطلع ہوئے ہیں وہ ان سے بدظن ہو گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ مہتمم جامعہ حنفیہ جہلم (وامیر تحریک خدام اہلسنت صوبہ پنجاب) کے صاحبزادہ قاری خبیب احمد صاحب عمر رحمہ اللہ نے مولانا عبداللہ صاحب سے بذریعہ فون اس تقریظ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں گول مول بات کی۔ اس پر قاری خبیب احمد صاحب نے اُن سے کہا کہ آپ اپنی تحریر دے دیں تو انہوں نے مولوی عظیم الدین کے نام بوساطت جامعہ حنفیہ جہلم حسب ذیل خط لکھا:

مکرم مولانا محمد عظیم الدین صدیقی صاحب اسلام مسنون

آپ کی کتاب ''حیات سیدنا یزید'' میں میری تقریظ چھپی ہے۔ آپ کی اطلاع کے لیے یہ چند سطور ارسال ہیں کہ شروع میں اپنی کم علمی کی وجہ سے میری رائے ایسی تھی بعد میں اپنے مخدوم و مربی حضرت الشیخ علامہ مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ سے تفصیلی بات اور استفادہ پر معلوم ہوا کہ آپ کے نظریات درست نہیں ہیں۔ اکابر علماء کا مسلک اس میں حق ہے۔ میں بحمد اللہ اپنے اکابر علمائے دیوبند کے مسلک اعتدال پر قائم ہوں۔ اللہ مجھے اس پر استقامت دے۔ آئندہ میری طرف سے تقریظ شائع نہ فرمائیں۔ میری آپ کے لیے بھی دعا ہے

کہ اللہ آپ کو اپنے اکابر کے مسلک حقہ وصحیحہ پر واپس لے آئے۔آمین

دعا گو محمد عبداللہ ۲۸ شعبان ۱۴۱۲ھ

لیکن ان کا جواب خلاف واقعہ ہے کیونکہ مولوی عظیم الدین کی اس کتاب کی تاریخ تصنیف ۲۲ رجب ۱۳۹۸ھ ہے ملاحظہ ہو (کتاب مذکورہ طبع دوم ص ۲۱ مطبوعہ ۱۳۹۹ھ) اور حضرت مولانا علامہ محمد یوسف صاحب محدّث بنوری رحمتہ اللہ علیہ کی تاریخ وفات ۳ ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ (۱۹۷۷ء) ملاحظہ ہو ماہنامہ ''بنیات' محدّث بنوری نمبر ص ۷۶۶) حضرت محدث بنوری تو زیر بحث کتاب کی تصنیف سے بہت پہلے وفات پا چکے تھے۔تو کیا آپ نے یزیدی نظریات کی تردید علامہ بنوری سے عالم برزخ میں سیکھی ہے؟ مولانا عبداللہ یا ابوریحان اس گتھی کو سلجھائیں۔

(۲) مولانا عبداللہ صاحب کے مدرسہ کے مدرس مولانا ابو ریحان صاحب نے غالباً 4/5 سال کے عرصہ میں کتاب ''سبائی فتنہ'' تصنیف کی ہے حالانکہ یہ کتاب مسئلہ خطائے اجتہادی کے سلسلہ میں جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہے اور جن جن صحیح المسلک سنی علماء نے بغور اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے وہ اس کتاب ''سبائی فتنہ'' کو بھی ایک فتنہ کی کتاب قرار دیتے ہیں۔چونکہ اس کتاب کی وجہ سے بھی کئی علماء اہلسنت مولانا عبداللہ صاحب سے بدظن ہوئے ہیں اس لیے انہوں نے مذکورہ استفتاء بھیجنے میں جلدی کی ہے تاکہ اگر کہیں سے ان کی تائید میں کوئی جواب آجائے تو وہ اس کو اپنے دفاع کے لیے پیش کرسکیں واللہ اعلم

(۳) جنگ صفین کے بارے میں جمہور اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے کہ اس میں قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ کا مؤقف حق

وصواب تھا اور حضرت امیر معاویہؓ سے اس میں اجتہادی خطا سرزد ہوئی ہے لیکن مولانا ابوریحان تو اس نسبت خطاء اجتہادی سے بھی بہت چڑتے ہیں اور اس کو بھی حضرت معاویہؓ، کے ذکر خیر کے منافی سمجھتے ہیں اور اس کو ادھورا اور ناقص ذکر خیر قرار دیتے ہیں۔

مولانا ابوریحان اس سلسلے میں بہت غالی ہیں اور کئی فقہاء ومحدثین پر وہ سبائیت کا الزام لگاتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: کیونکہ مقلدین فقہاء محدّثین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بالخصوص وہ وہ گل افشانیاں کی ہیں کہ ان کا نام جانے بغیر ان کو پڑھنے والا یہ تمیز ہرگز نہیں کرسکتا کہ یہ کسی سنی فقیہہ و محدّث کے ارشادات ہیں یا کسی جلے بھنے رافضی وسبائی کی ہفوات۔

☆ مثلاً دیکھئے یہ ہیں حافظ ملا علی قاری محدث حنفیؒ جن کی شرح فقہ اکبر اور شرح مشکوٰۃ کے حوالہ سے حضرت قاضی صاحب نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخطی کہلوانا چاہا ہے۔ یہ ملا علی قاریؒ اپنی مایہ ناز کتاب شرح مشکوٰۃ میں ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رقم طراز ہیں الخ (سبائی فتنہ ص ۴۹۸)

اگر ابوریحان جیسے محقق دوراں علامہ علی قاری حنفی محدثؒ اور دوسرے مقلدّ میں فقہاء محدثین کے بارے میں اتنی دیدہ دلیری سے یہ سب کچھ لکھ سکتے ہیں تو پھر ہم جیسے خدام کس شمار میں ہیں۔

استفتاء میں تلبیس

اس استفتاء میں لکھتے ہیں: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اس بارے میں کہ خالد اور طارق مثلاً دونوں سنی ہونے کے مدعی ہیں لیکن مشاجرات صحابہؓ سے متعلق ان دونوں کا نظریہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہر

ایک اپنے نظریے کو ہی اہل السنّت کا اصل مذہب اور راجح مسلک قرار دیتا ہے۔ لہٰذا رہنمائی فرمائی جائے کہ خالد اور طارق کے درج ذیل دونوں نظریوں میں سے اہل سنت کا اصل مذہب اور راجح مسلک کون سا ہے☆ خالد کہتا ہے کہ مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں اہل سنت کا اصل مذہب صحابہ اکرمؓ کا تخطیہ وتصویب یعنی حضرت علیؓ کو مجتہد مصیب اور اصحاب جمل وصفین کو مجتہدین مخطئین ماننا اور کہنا ہے۔ یہی قوی ترین اور راجح ترین اور مقبول ترین مذہب ہے۔اس کے بالمقابل اس معاملہ میں سکوت وتوقف نہ اہل السنّت کا اصل مذہب ہے اور نہ یہ قوی ترین اور پسندیدہ ہی ہے بلکہ یہ کمزور ترین مسلک ہے اس لیے جمہور اہل سنت نے اسے اختیار نہیں کیا اور اس پر دلیل یہ دیتا ہے کہ اکابرین اہل السنّت نے ہمیشہ صحابہؓ کا یہ تخطیہ وتصویب کیا اور بالتصریح اسی کو اہل سنت کا مذہب وعقیدہ بتایا ہے۔ چنانچہ ان کی کتابیں خطاء اجتہادی کے ذکر سے بھری پڑی ہیں جبکہ طارق یہ کہتا ہے کہ اس سلسلے میں اہل السنّت کا اصل مذہب سکوت وتوقف ہے۔ یہی احوط واسلم اور اقوی واحسن ہے۔اسی میں سلامتی اور صحابہؓ کے بارے میں ہر طرح کی بدظنی سے حفاظت ہے۔اس کے بالمقابل صحابہؓ کا تخطئہ وتصویب اہل السنّت کا اصل مذہب نہیں بلکہ ایک رخصت اور مخلص ہے یعنی اصل تو یہی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے مشاجراتی اجتہادی خطاء وصواب کو بھی زبان پر نہ لایا جائے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے حجرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے فومان۔ تلک دمآء طھر اللہ عنھا ایدینا فلنطھر عنھا السنتا کا یہی مفہوم فرمایا ہے کہ: بحقیت یکے وخطاء دیگرے ہم لب بناید کشود۔لیکن اگر کسی وقت کسی ضرورت شرعیہ وشدید کی وجہ سے اس موضوع کلام کرنا پڑ جائے تو اجتہادی خطاء وصواب سے زائد کوئی لفظ ہر گز نہ کہا جائے یہی وجہ ہے کہ اہل السنّت والجماعت صحابہؓ کا یہ

تخطیہ وتصویب کسی وجہ سے کرتے ہیں وہ خود ہی اس کو خطرناک مزلۃ الاقدام نقصان دہ اور صحابہ سے بدظنی کا باعث قرار دیتے ہیں۔ اگر یہ اصل مذہب ہوتا تو وہ حضرات اس کو ایسا نہ کہتے۔ باقی رہا اکابر اہل السنّت کا یہ تخطیہ وتصویب کرنا، اس کو اہل السنّت کا مذہب وعقیدہ بتانا اور خطاء اجتہادی کے ذکر سے ان کی کتابوں کا بھرا ہوا ہونا تو ایک تو یہ بوقت ضرورت ہے اور بقدر ضرورت ہے۔ بلا ضرورت اور زائد از ضرورت اور زائد از ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن حضرات نے یہ کام بلا ضرورت کیا ہے یا بقدر ضرورت سے تجاوز کیا ہے محققین اہل السنّت نے اس کو بنظر استحسان نہیں دیکھا ہے بلکہ اس کا مناسب رد کیا ہے۔ یعنی اس تخطیہ تصویب کو اہل السنّت کا مذہب وعقیدہ قرار دینے سے ان کی مراد یہ نہیں کہ صحابہ کا یہ تخطیہ وتصویب ضروری کیا جائے بلکہ اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ پر گفتگو کے سلسلہ میں مسلک اہل السنّت کی آخری حد اجتہادی خطاء وصواب ہے۔ الخ

تبصرہ

(۱) استفتاء میں میرے پیش کردہ مسلک کو خالد کی طرف منسوب کرنا میرے لیے ایک نیک فال ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، ایک جلیل القدر صحابی اور اسلام کے جرنیل اعظم ہیں۔ ان کو دربار رسالتؐ سے خصوصی طور پر سیف اللہ کا لقب ملا تھا۔ حضرت خالدؓ کی تلوار نے بڑے بڑے سرکش کافروں کے سر قلم کیے تھے۔ حق تعالیٰ حضرت سیفؓ اللہ کی نسبت سے میرے قلم کو بھی سیف حق بنا دے۔ میرا قلم بھی باطل کی گردنوں کو جھکا دے۔ میرا قلم بھی باطل کے لیے تیغ براں بن جائے۔ آمین بجاہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) یہ جو خالد کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ: اس معاملہ میں سکوت

وتوقف نہ تو اہل السنّت کا اصل مذہب ہے اور نہ یہ قوی ترین اور پسندیدہ ہی ہے
بلکہ یہ کمزور ترین مسلک ہے الخ تو اس میں تلبیس و علمی خیانت سے کام لیا گیا ہے
کہ کیونکہ میں نے کسی جگہ یہ نہیں لکھا کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں سکوت اختیار کرنا
کمزور ترین مسلک ہے بلکہ میں نے تو توقف کو کمزور ترین مسلک کے لکھا ہے۔
چنانچہ مولانا محمد اسحٰق صاحب کو جواب دیتے ہوئے میں نے لکھا ہے کہ: مشاجرات
کے بارے میں تو صحابہ کرامؓ کے تین گروہ تھے۔ (۱) حضرت علیؓ اور ان کے متبعین
(۲) حضرت معاویہؓ اور ان کے متبعین (۳) توقف کرنے والے صحابہ کرامؓ
(خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۸۵) اور صحابہ کرامؓ کے توقف کا مطلب بیان کرتے
ہوئے خود مولانا سندیلوی موصوف نے یہ لکھا ہے کہ وہ فریقین کے بارے میں
صواب وخطا کا کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور مسئلہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔ (ملاحظہ ہو خارجی
فتنہ حصہ اول ص ۸۷۶ بحوالہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۱) اور جن صحابہ کرامؓ نے
جنگ جمل و صفین کے بارے میں توقف کیا تھا ان کے بارے میں میں نے امام
نوویؒ کی یہ عبارت بھی پیش کی تھی کہ: وقسم ثالث اشتبهت عليهم القضية
وتحيّروا فيها ولم يظهر لهم ترجيح احد الطرفين وكان هذا
الاعتزال هو الواجب فی حقهم اور تیسری قسم ان صحابہ کی تھی کہ ان پر قضیہ
(معاملہ) مشتبہ ہو گیا اور اس میں وہ حیران رہ گئے اور ان دونوں میں سے کسی
طرف ترجیح دینا ان پر کھل نہ سکا اس لیے انہوں نے فریقین سے علیحدگی اختیار کی
اور ان کی یہ علیحدگی (کنارہ کشی) ان کے حق میں واجب تھی الخ (ملاحظہ ہو خارجی
فتنہ حصہ اول ص ۵۵۳) اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی عبارت بھی میں
نے نقل کی ہے کہ: وطائفہ دیگر متوقف بودند وہیچ جانب را بدلیل ترجیح ندادند۔ اور
صحابہ کرامؓ کے تیسرے گروہ نے توقف اختیار کیا اور دلیل کی بنا پر کسی ایک جانب کو

ترجیح نہ دے سکے۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۵۳) ظاہر ہے کہ جب وہ صحابہ کرامؓ کسی دلیل کی بنا پر فریقین میں سے کسی کی مدد نہ کر سکے اور ان کو اس معاملہ میں تردّد اور تذبذب ہی ہا رتو اس مسلک کو اہل السنّت والجماعت کا قوی ترین مسلک کیونکر قرار دے سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جمہور اہل السنّت نے یہ مسلک اختیار نہیں کیا بلکہ انہوں نے جنگ وجمل صفین میں حضرت علی المرتضیٰؓ کو مصیب اور حضرت امیر معاویہؓ کو اس اجتہاد میں مخطی (خطا کرنے والے) قرار دیا اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ چنانچہ میں نے اس سلسلے میں امام نوویؒ کی حسب ذیل عبارت بھی پیش کی ہے: وکان علی رضی الله عنه هوا لحق المصیب فی تلک الحروب هذا مذهب اهل السنة اور ان جنگوں میں حضرت علیؓ ہی حق وصواب پر تھے اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۵۶۔ بحوالہ نووی جلد ثانی کتاب الفتن ص ۳۹۰) علاوہ ازیں امام عبدالقاہر بغدادیؒ متوفی ۴۲۹ھ نے الفرق بین الفرق میں، علامہ ابن حزمؒ اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے الفصل فی الملل والنحل میں، امام ابواسحٰق اسفرائینیؒ متوفی ۴۱۸ھ نے شرح الدّرہ المضیۃ میں اسی کو مذہب اہل سنت قرار دیا ہے اور یہ تینوں متقدمین میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ حافظ ابن کثیر محدث متوفی ۷۷۴ھ نے البدایہ والنہایہ میں، حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے فتح الباری جلد ۱۳ میں، حافظ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴۔۹۷۳ھ نے صواعق محرقہ میں، علامہ علی قاری حنفی محدثؒ متوفی ۱۰۱۴ھ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱۰ میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ متوفی ۱۰۱۲ھ نے مکتوبات میں اور علامہ عبدالعزیز صاحب فرہاروی متوفی ۱۲۳۹۔۱۲۴۰ھ نے النبراس شرح العقائد میں یہی مذہب اہل السنّت قرار دیا ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علیؓ المرتضیٰ حق وصواب پر اور حضرت امیر معاویہؓ خطا پر

تھے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۹۰ تا ص ۶۰۹ اور جب مذہب اہل السنّت متعین ہوگیا تو پھر اس کے برعکس توقف کو اصل مذہب قرار دینا اہل السنّت کے خلاف ہی عقیدہ ہوگا اور حد ہے مولانا ابو ریحان کی کم فہمی کی کہ وہ توقف کو اہل سنت کا اصل مذہب اور اس کو احوط۔ اسلم اور اقویٰ اور احسن مذہب قرار دے رہے ہیں۔

(۳) طارق کے نام سے جو مولانا ابو ریحان کا توقف کے بارے میں یہ مسلک لکھا گیا ہے کہ یہ اقوی اور اسلم مسلک ہے تو یہ بھی ابو ریحان صاحب کی اپنی تشریح کے خلاف ہے کیونکہ پہلے تو وہ لکھتے ہیں کہ: ہمارے نزدیک مشاجرات صحابہ میں اصل مذہب ہے ہی توقف اور یہی قوی ترین، راجح ترین اور مقبول ترین ہے جس میں نہ کوئی خطرہ ہے اور نہ کوئی خدشہ نہ کوئی کھٹکا ہے اور نہ کوئی دغدغہ الخ (سبائی فتنہ ص ۳۱۲) لیکن اس کے بعد یہی ابو ریحان حاشیہ ص ۳۱۳ پر لکھتے ہیں: امساک اور توقف اس حد تک تو ایک ہی ہے کہ ان دونوں میں صحابہ کرامؓ پر اجتہادی خطا جیسا کوئی حکم بھی نہیں لگایا جاتا۔ لیکن اس لحاظ سے دونوں میں فرق ہے۔ امساک کا مفہوم یہ ہے کہ مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں اپنی زبان مکمل طور پر اس طرح بند رکھی جائے کہ مشاجراتی واقعات کا ذکر تک بھی زبان وقلم پر نہ آنے پائے نہ کتابتاً نہ قراءتاً و یا قراءتاً اور نہ سماعاً وتسمیعاً۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں صحابہؓ کے باب میں عدم کف کا کوئی موقع ہی نہیں رہتا۔ بخلاف توقف کے کہ اس کے مفہوم میں چونکہ ذکر مشاجرات کی ممانعت داخل نہیں اس لیے اس میں یہ دغدغہ رہتا ہے کہ شاید کسی وقت مشاجراتی واقعات کا ذکر چل نکلے الخ اور چونکہ ابو ریحان صاحب کے نزدیک توقف میں بھی دغدغہ رہتا ہے اس لیے اس کے بجائے احوط اور اقوی ترین مسلک امساک کا ہی ہوگا۔ یعنی مشاجرات صحابہؓ کے

بارے میں زبان بالکل بند رکھنی چاہیے۔ لیکن خود ابوریحان نہ توقف پر قائم رہے ہیں اور نہ امساک پر۔ بلکہ مشاجرات صحابہؓ کے موضوع پر ایک ضخیم کتاب "سبائی فتنہ" شائع کردی۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور

کج فہمی یا مغالطہ دہی

مولانا ابوریحان جو کتاب میں بار بار توقف و امساک کو اہل السنۃ کا اصل مذہب لکھتے ہیں اور اسی کو اقوی اور اسلم قرار دیتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں کہ: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت مام شافعیؒ نے فرمایا: **تلک دماء طھر اللہ عنھا ایدینا فلنظھر عنھا السنت** اور اہل السنّت والجماعت کا یہ ضابطہ کہ **لاتذکرھم الا بالخیر** ۔ یعنی یہ کہ ہم (اہل السنۃ) صحابہ کرامؓ کا تذکرہ بھلائی کے بغیر کسی اور طرح سے نہیں کرتے۔ (سبائی فتنہ ص ۳۱۲) تو اس میں تو اہل سنت کا اختلاف ہی نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اس کو متنازع فیہ بنایا ہے کہ ابورریحان صاحب اس کو میرے پیش کردہ مسلک کے خلاف پیش کررہے ہیں۔ میں نے تو خود اس ضابطہ کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ: احتیاط اس میں ہے کہ مشاجرات صحابہؓ کا ذکر ہی نہ کیا جائے لیکن اگر کسی ضرورت کے تحت کرنا پڑے تو طرز بیان ایسا نہ ہو جس سے کسی صحابی کی تنقیص وتوہین لازم آئے (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۔۳۰۳)

(۲) عقیدہ طحاوی کے یہ الفاظ کہ **ولا تذکرھم الابالخیر** ہم ان کا تذکرہ صرف بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں بالکل صحیح ہیں۔ اہل سنت کا یہی ضابطہ ہے لیکن اس کو سندیلوی صاحب کی طرف سے مسلک توقف کی تائید میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ خطاء اجتہادی اور ذکر خیر میں کوئی منافات نہیں۔ (ایضاً ص ۳۸۵)

(۳) اسلم یہی ہے کہ مشاجرات صحابہ کا ذکر ہی نہ کیا جائے اور اگر ضرورتاً اس کا تذکرہ آجائے تو اس طرح بیان کیا جائے جس سے کسی صحابی کی تنقیص وتوہین نہ لازم آتی ہو۔ (ایضاً خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۹۲)

(۴) البتہ اس میں نازک اور مزلۃ الاقدام مسئلہ جنگ صفین کا ہے اور یہ بھی اجتہادی خطا پر مبنی ہے۔ اس سے تجاوز کرنا خطرناک ہے۔ (ایضاً حاشیہ ص ۴۲۸)۔ فرمایئے لاتذکرھم الا بالخیر کے متعلق جو مسلک ابوریحان صاحب پیش کرر ہے ہیں یہی میں نے ان سے پہلے اپنی کتاب خارجی فتنہ حصہ اول میں پیش کر دیا ہے۔ یا تو ابوریحان صاحب اس کو سمجھ ہی نہیں سکے یا خواہ مخواہ مجھ پر الزام تراشی کی مشق کی ہے۔ واللہ اعلم

موضوع بحث

مولانا ابوریحان بھی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ میں نے خارجی فتنہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی صدیقی کی کتاب ''اظہار حقیقت حصہ دوم کے جواب میں لکھی ہے۔ چنانچہ اس کے ٹائٹل پر لکھا ہے۔ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی (کراچی) کا مسلک اور خارجی فتنہ حصہ اول اور ابوریحان صاحب نے بھی یہ لکھا ہے کہ: ایک سفر میں قاضی صاحب کی مذکورہ کتاب پر سرسری نظر ڈالنے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ موقع چل چلاؤ کا تھا اس لیے اوراق کے الٹ پلٹ سے اس وقت تو اس سے زیادہ اور کچھ پلے نہ پڑا کہ حضرت مولانا اسحٰق سندیلوی صاحب کی اظہار حقیقت اور ان کے نظریات کا رد بلیغ (افتتاحیہ سبائی فتنہ حصہ اول ص ۱۱)

(۲) میں نے 'مشاجرات صحابہؓ کی بحث خود شروع نہیں کی بلکہ مولانا سندیلوی صاحب موصوف نے اپنی کتاب ''اظہار حقیقت'' میں مشاجرات صحابہؓ کی بحث کی تھی اور گو انہوں نے ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے بعض خلاف اہل سنت

نظریات کی تردید میں یہ بحث لکھی تھی لیکن اس میں خود بھی انہوں نے حضرت علیؓ المرتضیٰ کے متعلق مشاجرات نظریات صحابہ کے سلسلے میں بعض ایسے نظریات نظریات پیش کیے جو اہل السنّت کے خلاف تھے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا کہ (ا) ان حالات پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بیشک وہ خلیفہ برحق تھے لیکن ان کی خلافت کی نوعیت ہنگامی (EMERGENCY) خلافت کی تھی جس میں پورے عالم اسلام کے نمائندے شریک نہ تھے اور ان کی اکثریت نے اپنا حق رائے دہی استعمال نہیں کیا تھا۔ اس صورت میں شرعاً وعقلاً ہر طرح لازم تھا کہ مناسب حالات پیدا ہونے کے بعد استصواب رائے عامہ کیا جاتا۔ (اظہارِ حقیقت ج دوم ص ۱۸۲) نیز مولانا سندیلوی لکھتے ہیں: اگر واقعہ یہی تھا کہ آزادانہ انتخاب میں ان کی کامیابی یقینی تھی تو کیا حرج تھا اگر انتخاب دوبارہ ہو جاتا اور آزادنہ رائے دہی کا سب کو موقع ملتا تو باہمی اختلاف بھی ختم ہو جاتا۔ ان کی خلافت زیادہ مستحکم ہو جاتی اور مسلمانوں کی اتنی خوں ریزی نہ ہوتی۔ پھر حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کی تجویز کیوں نہ منظور فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علیؓ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۴۶ بحوالہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۲) واقعات پر نظر کرنے سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں حضرت معاویہؓ اقرب الی الحق تھے (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۹۹ بحوالہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۵۵)

یہ مؤقف تھا حضرت امیر معاویہؓ کا۔ وہ نہ تو حضرت علیؓ کی اطاعت سے کلیتاً منحرف تھے نہ ان کی خلافت کے منکر۔ وہ صرف اپنی معزولی کے مسئلے میں ان کی اطاعت واجب نہیں سمجھتے تھے اور ان کی یہ رائے آئین اسلام کی ایک مدلل

ومبرہن تشریح پر مبنی تھی (ایضاً خارجی فتنہ ص ۳۹۹۔ بحوالہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۱۷۸) حضرت علیؓ کی رائے صحیح ضرور تھی مگر حضرت معاویہؓ کی رائے اصح یعنی نسبتاً زیادہ صحیح تھی (ایضاً خارجی فتنہ ص ۴۰۰ بحوالہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۲۰۲) جنگ جمل کے متعلق لکھتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ فریقین جنگ نہ چاہتے تھے اس لیے جنگ رک گئی۔ اسے حضرت علیؓ کی فتح سے تعبیر کرنا بالکل غلط ہے (ایضاً خارجی فتنہ ص ۴۰۰ بحوالہ اظہار حقیقت جلد دوم)

حضرت علیؓ کو بعد خلفاء ثلثہؓ افضل امت سمجھنا بعد کی بات ہے۔ اگر یہ بھی ثابت ہو جائے تو افضل سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ احق بالخلافۃ بھی سمجھا جائے (ایضاً خارجی فتنہ ص ۴۰۰ بحوالہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۲) حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے میں عجلت فرمانا حضرت علیؓ کی شرعی نہیں سیاسی غلطی تھی (ایضاً خارجی فتنہ ص ۳۰۳ ب حوالہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۱۹۳)

غور فرمائیے کہ بالفرض حکمین نے کتاب وسنت پر نظر کیے بغیر اپنی رائے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ حضرت علیؓ خلافت سے معزول ہو جائیں تو بھی اس فیصلے کی پابندی کرنا حسب معاہدہ حضرت علیؓ پر واجب تھا کیونکہ اس فیصلے کے جواز میں تو کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں۔ ہم یہ بھی مان لیں کہ یہ کسی آیت یا سنت سے ثابت نہیں مگر آیت یا حدیث کے خلاف بھی تو نہیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت منصوص تو نہ تھی کہ انہیں معزول کرنا جائز نہ رہا ہو۔ خلافت سے دستبردار ہو جانا کوئی فعل حرام اور گناہ تو نہ تھا۔ (ایضاً خارجی فتنہ ص ۴۰۵۔ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۳۸۱)

آں محترم (یعنی حضرت علیؓ) نے جو اصحاب جمل واصحاب صفین سے جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا یہ موصوف کی اجتہادی غلطی تھی مگر اجتہادی غلطی صرف اس حد تک ہوئی کہ آں محترم نے ترک اولی فرمایا۔ اولی یہ تھا کہ جنگ نہ کرتے مگر حدود جواز

سے تجاوز نہیں فرمایا یعنی قتال کا اقدام شرعاً جائز تھا مگر خلاف اولی تھا (ایضاً خارجی فتنہ ص ۵۶۱۔ اظہار حقیقت ص ۴۴۸) مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کی مذکورہ عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ، کی خلافت کو ابتداء میں مستقل نہیں سمجھتے اور اپنے دور میں بھی ان کو احق بالخلافۃ نہیں تسلیم کرتے۔ ان کے نزدیک اگر دوبارہ الیکشن ہوتا تو اس میں حضرت علیؓ ناکام بھی ہو سکتے تھے۔ ان کے نزدیک حکمین کے فیصلہ کے تحت حضرت علیؓ پر لازم تھا کہ وہ خلافت سے دستبردار ہو جاتے۔ وہ جنگ صفین میں بہ نسبت حضرت علیؓ کے حضرت معاویہؓ کو اقرب الی الحق مانتے ہیں۔ جنگ جمل میں وہ حضرت علیؓ کی فتح تسلیم نہیں کرتے اور جنگ صفین میں وہ حضرت علیؓ کی اجتہادی خطا کے قائل ہیں لیکن اس کے برعکس وہ اس جنگ کیوجہ سے حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا تسلیم نہیں کرتے اور مشاجرات صحابہ میں مختلف مسالک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: سب سے آخر میں اس مسلک کا تذکرہ مناسب ہے جو متاخرین نے عموماً اختیار کیا ہے یعنی یہ کہ اختلافات اجتہادی تھے اور حضرت علیؓ مجتہد مصیب تھے جبکہ ان سے اختلاف کرنے والے خواہ اصحاب جمل ہوں یا اصحاب صفین مجتہد مخطی تھے یہ مسلک باوجود مقبولیت عام در حقیقت بالکل غلط بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے الخ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۰۰۔ حوالہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۱)

مولانا سندیلوی نے مشاجرات صحابہ خصوصاً جنگ صفین کے سلسلے میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں جو اپنا مؤقف پیش کیا ہے، یہ سراسر مسلک اہل السنۃ کیخلاف ہے اور نہ صرف متاخرین بلکہ متقدمین حضرات بھی اس میں حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا کے قائل ہیں جیسا کہ بعض حضرات کی عبارتیں پہلے پیش کر دی گئی ہیں اور مشاجرات یعنی جنگ جمل

وصفین میں کوئی محقق اہل سنت بھی حضرت علی المرتضٰی کی اجتہادی خطا کا قائل نہیں ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں: ولم یذھب الی تخطئة علیؓ ذو تحصلٍ اصلاً (احیاء العلوم جلد اول) اور کوئی اہل تحقیق (مشاجرات صحابہؓ میں حضرت علیؓ کی اجتہادی خطا کا قائل نہیں ہے۔ بہر حال چونکہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے مشاجرات صحابہؓ کی بحث میں اہل سنت کے خلاف اپنا ایک نرالہ مؤقف پیش کیا تو مذہب اہل سنت کے تحفظ کے لیے اس کا جواب ضروری تھا۔ اس ضرورت کے تحت میں نے خارجی فتنہ میں مشاجرات صحابہؓ پر بحث کی ہے اور مولانا سندیلوی اور میرا اختلاف اس میں نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرنا چاہیے یا نہیں بلکہ زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ جنگ جمل وصفین اور خصوصاً جنگ صفین میں جو حضرت علی المرتضٰیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین واقع ہوئی اس میں حق وصواب پر کون تھے اور خطا پر کون اور چونکہ مذہب اہل سنت یہی ہے کہ ان مشاجرات میں حضرت علیؓ مصیب اور حضرت معاویہؓ مجتہد مخطی ہیں اور مجتہد مخطی کو بھی ایک گونہ ثواب ملتا ہے اور چونکہ مذہب اہل سنت دلائل و براہین پر مبنی ہے اس لیے میں نے حضرت علی المرتضٰیؓ کے مصیب ہونے کے دلائل بھی پیش کیے ہیں خصوصاً آیت استخلاف اور آیت تمکین۔ اور تائید میں اکابر اہل سنت کے اقوال بھی پیش کیے ہیں اور الحمد للہ اس کتاب خارجی فتنہ کی وجہ سے مولانا سندیلوی کی کتاب اظہار حقیقت بے اثر ہو کر رہ گئی ہے۔ چونکہ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی یزید کو صالح اور عادل خلیفہ قرار دیتے ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کی معرکہ کربلا کے سلسلے میں اجتہادی خطا کے قائل ہیں۔ حالانکہ اہل السنّت والجماعت کے ہاں یزید کا فسق متفق علیہ ہے۔ اس لیے میں نے خارجی فتنہ حصہ دوم میں فسق یزید کی بحث کی ہے اور چونکہ میری ان دونوں

کتابوں سے دورِ حاضر کی پاکستانی خارجیت اور یزیدیت بے نقاب ہو گئی تھی۔ اس لیے کراچی سے مولانا محمد علی صاحب سعید آبادی مرحوم کے نام سے ایک ۸۰ صفحات کا رسالہ بعنوان ''قاضی مظہر حسین چکوالی کے خارجی فتنہ کی اصل حقیقت'' شائع کیا گیا جس کے جواب میں بندہ نے کتاب ''کشف خارجیت'' لکھی جو ۵۶۸ صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب میں میں نے رسالہ اصل حقیقت کے نمبردار ۳۷ جھوٹ ثابت کیے ہیں۔ جب ان کا رسالہ ''اصل حقیقت'' بے حقیقت اور خلاف حقیقت ثابت ہو گیا تو پھر میری کتاب خارجی فتنہ کے جواب کے لیے مولانا قاضی شمس الدین صاحب نقشبندی مرحوم ساکن درویش (ہری پور) کو میدان میں لایا گیا۔ ان کے مضامین ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان میں شائع ہوئے جس کا جواب الجواب میری طرف سے قسط وار ماہنامہ حق چار یارؓ میں شائع ہوا۔ قاضی شمس الدین صاحب مرحوم بھی عہدہ برا نہ ہو سکے اور بحث کے دوران ہی مرحوم ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب میری کتاب خارجی فتنہ کے جواب میں ابو ریحان مولانا عبدالغفور صاحب کی ضخیم کتاب بنام ''سبائی فتنہ شائع ہوئی ہے جو تضادات کا مجموعہ ہے۔ یہ بھی عجیب و غریب مصنف ہیں۔ اہل سنت کے مذہب کے تحت حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا تسلیم بھی کرتے ہیں اور نہیں بھی تسلیم کرتے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اہل سنت کا اصل مذہب سکوت و توقف ہے اور مشاجرات صحابہ میں تخطیہ و تصویب اہل السنۃ کا اصل مذہب نہیں۔ یہ ابو ریحان بیچارے اتنی بات نہیں سمجھتے کہ زیر بحث مسئلہ جنگ صفین کا ہے کہ اس میں کون مصیب ہیں اور کون مخطی۔ تو اس زیر بحث مسئلہ میں ہم نے دیکھنا ہے کہ اہل سنت کا مذہب کیا ہے۔ اگر کوئی شیعہ ابو ریحان صاحب سے سوال کرے کہ اگر آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآن کا چوتھا موعودہ خلیفہ راشد مانتے ہیں تو

حضرت امیر معاویہؓ نے تو ان سے جنگ وقتال کیا تھا اس میں آپ کے نزدیک حضرت علیؓ مصیب ہیں اور حضرت امیر معاویہؓ مخطی یا اس کے برعکس آپ حضرت معاویہؓ کو مصیب اور حضرت علیؓ کو مخطی مانتے ہیں اور اس میں اہل سنت کا مذہب کیا ہے تو کیا شیعہ کے جواب میں مولانا ابوریحان یہ فرمائیں گے کہ میں اس کا بالکل جواب نہیں دیتا کیونکہ اہل سنت کا اصل مذہب یہ ہے کہ اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی جائے۔ تو کیا وہ شیعہ اس جواب سے مطمئن ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ اس جواب کو آپ کی لاجوابی اور شکست سمجھے گا اور عجیب تر بات یہ ہے کہ اصل مذہب تو ابوریحان صاحب سکوت وتوقف ہی بتاتے ہیں لیکن خود کرتے اس کے خلاف ہی ہیں۔ چنانچہ اسی مصیب ومخطی ہونے کی بحث میں سینکڑوں صفحات سیاہ کر دیے ہیں۔ تو کیا اصل مذہب وہی ہوتا ہے جس کی مخالفت کی جائے واللہ الھادی۔ اور ماہنامہ حق چار یارؓ میں میرے جوابی مضامین کے جواب میں ابوریحان صاحب نقیب ختم نبوت میں قسط وار مضمون شائع کر رہے ہیں جس کا عنوان انہوں نے کشف سبائیت رکھا ہے۔ چونکہ میں نے خارجی رسالہ کے جواب میں کشف خارجیت لکھی تھی اس لیے انہوں نے کشف سبائیت عنوان رکھا۔

ایک اور تلبیس

میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کو ان مشاجرات میں مصیب ثابت کرنے کے لیے امام غزالیؒ کی یہ عبارت پیش کی تھی کہ: ولم یذھب الی تخطئة علی ذو تحصیل اصلاً (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۱۸ بحوالہ احیاء العلوم جلد اول) (کسی اہل علم وتحقیق نے یہ نہیں کہا کہ ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے اجتہادی خطا کا صدور ہوا تھا) اس سے حضرت علیؓ کا مصیب ہونا اہل سنت کے نزدیک متعین ہو جاتا ہے۔ اور المجتہد یخطی ویصیب کے ضابطہ کے

تحت فریق ثانی یعنی حضرت امیر معاویہؓ کی خطائے اجتہادی بھی متعین ہو جاتی ہے لیکن زیر بحث استفتاء میں میری اس دلیل کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی تلبیس ہے۔ حالانکہ استفتاء میں میرے دوسرے مستدلات کا بھی ذکر کرنا چاہیے تھا یعنی آیت تمکین آیت استخلاف اور حدیث اتباع خلفائے راشدین وغیرہ۔

صورتاً معصیت

میں نے جہاں حکمین یا دوسرے حضرات کے لیے نافرمانی وغیرہ کے الفاظ لکھے ہیں تو اس کے ساتھ ہی تصریح کر دی ہے کہ یہ نافرمانی صورتاً تھی نہ کہ حقیقتاً جس کا نتیجہ خطائے اجتہادی ہی ہے لیکن استفتاء میں اس کو میرے مسلک کے ضمن میں بالکل ذکر نہیں کیا تھا۔

صورتاً بغاوت

استفتاء میں لکھا گیا ہے کہ: پھر خالد اکابر کی ایسی عبارتوں میں اجتہادی خطا جیسی تاویل ان اکابر کی صفائی دینے اور ان کی طرف سے معذرت کرنے کے لیے نہیں کرتا بلکہ خود صحابہؓ کی صفائی دینے اور ان کی طرف سے معذرت کرنے کے لیے کرتا ہے۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ اکابر نے صحابہ کے بارے میں خطائے اجتہادی سے زائد جو کیا ہے وہ انہوں نے بالکل صحیح کیا ہے۔ مخطی صحابہ کا اصل حکم بیان کیا ہے ان صحابہ سے جو کچھ ظہور میں آیا اصل کے اعتبار سے وہ بغاوت وجور اور طغیان وعصیان وغیرہ ہی تھا۔ لہٰذا جن اکابر اہل السنّت نے صحابہ کو کچھ کہا ہے انھوں نے کوئی خلافِ واقعہ بات نہیں کی بلکہ اصل حکم اور اصل حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ لہذا صفائی دینے اور معذرت پیش کرنے کی ضرورت صحابہ کی طرف سے تھی کہ بغاوت وجور وغیرہ کا ارتکاب انھوں نے ہی کیا تھا۔ ان کا اصل حکم تو یہی تھا جو اکابر اہل السنّت نے بیان کیا ہے مگر چونکہ وہ صحابہ تھے مجتہد تھے۔ ان کا اختلاف اجتہادی تھا

اس لیے ان کی بغاوت وجور اور طغیان وعصیان کی تاویل ہی کی جائے گی تاکہ ان صحابہ کی عظمت مجروح نہ ہو۔

الجواب

(۱) میں نے تو اکابر اہل السنّت کے اس قسم کے الفاظ کی خود تاویل پیش کی ہے۔ چنانچہ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی نے صاحب ہدایہ متوفی ۵۹۳ھ کی ایک عبارت پیش کی تھی جس میں حضرت معاویہؓ کو جائر کہا گیا ہے تو میں نے اس کے جواب میں یہ لکھا تھا کہ: مولانا سندیلوی تو بہت آگے جا چکے ہیں ورنہ جہاں کہیں محققین اہل السنّت نے حضرت معاویہؓ کو باغی یا جائر لکھا ہے تو اس سے مراد صورتاً جور و بغاوت ہے نہ کہ حقیقتاً کیونکہ انہوں نے مشاجرات میں جو کچھ کیا ہے بغرض دین کیا ہے البتہ ان سے اپنے اجتہاد میں خطا ہو گئی ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

وآنچہ در عبارات از فقہاء لفظ جور در حق معاویہؓ واقع شدہ است وگفتہ کان معاویہ اماماً جائر مراد از جور عدم حقیقت خلافت او در زمان خلافت حضرت امیر خواہد بود نے جوریکہ مآئش فسق وضلالت است تا باقوال اہل سنت موافق باشد ے ذلک ارباب استقامت از اموہمہ خلاف مقصود اجتناب می وزیادہ برخطا تجویز نمی کنند۔ (مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۲۵۱)

(ترجمہ) اور بعض فقہاء کی عبارتوں میں حضرت معاویہؓ کے حق میں لفظ جور واقع ہوا ہے اور یہ کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ امام جائر تھے تو وہاں جور سے مراد یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں حق پر نہ تھے نہ کہ وہ جور جس کا نتیجہ فسق وضلالت ہے اور اصحاب استقامت اس قسم کے الفاظ کے استعمال سے بھی اجتناب کرتے ہیں جن سے اصل مقصود کے خلاف وہم پیدا ہوتا ہے وہ خطا سے زیادہ حضرت

معاویہؓ کے بارے میں کوئی لفظ تجویز نہیں کرتے۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۲۲)

فرمایئے کیا میں نے یہاں اکابر اہل سنت کی طرف سے دفاع نہیں کیا کہ ان کی مراد حقیقتاً جور نہیں۔ تو پھر استفتاء میں لکھنے میں کتنی غلط بیانی کی گئی ہے کہ: خالد اکابر کی ایسی عبارتوں میں اجتہادی خطا جیسی تاویل ان اکابر کی صفائی دینے اور ان کی طرف سے معذرت کرنے کے لیے نہیں کرتا۔

(۲) مولانا سندیلوی جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کی اجتہادی خطا بھی تسلیم نہیں کرتے۔ تو میں نے ان کے جواب میں لکھا تھا کہ آپ تو اجتہادی خطا بھی تسلیم نہیں کرتے حالانکہ بعض اکابر اہل سنت نے حضرت معاویہؓ کے بارے میں باغی وغیرہ الفاظ بھی لکھے ہیں۔ اسی سلسلے میں میں نے اکابر اہل سنت کی عبارتیں پیش کی تھیں اور ساتھ ہی تاویل بھی کر دی تھی کہ اس سے مراد صورتاً بغاوت ہے نہ کہ حقیقتاً۔ چنانچہ میں نے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کی بھی جنگ صفین کے بارے میں حسب ذیل عبارت پیش کی: دوم جنگ صفین۔ جس میں ایک جانب حضرت علی اور دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما، ہیں اس لڑائی کے متعلق اہل السنّت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ مرتضیٰؓ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھ والے باغی اور خاطی۔ مگر اس خطا پر ان کو برا کہنا جائز نہیں کیونکہ وہ بھی صحابی ہیں، صاحب فضائل ہیں اور ان کی یہ خطاء غلط فہمی کیوجہ سے تھی اور غلط فہمی کے اسباب موجود تھے۔ ایسی خطا کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں جن پر عقلاً شرعاً کسی طرح مؤاخذہ نہیں ہوسکتا (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۸۳)۔

فرمایئے یہاں امام اہلسنت نے خود ہی باغی اور خاطی کی تاویل پیش کر دی ہے کہ اس سے مُراد اجتہادی خطا ہے۔

(۳) میں نے اس سلسلے میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی کی بھی حسب ذیل عبارت پیش کی ہے: اور جو کچھ بعض سے حرب حضرت امیرؓ (یعنی علی المرتضیٰ) یا کچھ اور بشیریت سے تقصیر ہوئی وہ خطائے اجتہادی تھا اور جو امر بخطائے اجتہادی سرزد ہوتا ہے بصورت معصیت ہوتا ہے نہ خود معصیت (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۸۹) اسی سلسلے میں میں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ وغیرہ اکابر کی عبارتیں بھی پیش کی ہیں۔ پھر آخر میں بعنوان ''تطبیق'' میں نے لکھا ہے کہ: مندرجہ عبارات کا حاصل یہ ہے کہ جن حضرات نے جنگ صفین کے سلسلے میں حضرت معاویہؓ کو باغی و جائر وغیرہ کہا ہے ان کی مراد صورت بغاوت و جور ہے نہ کہ حقیقت کیونکہ یہی حضرات ان کی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں اور اجتہادی خطا پر بھی ایک گونہ ثواب نصیب ہوتا ہے حالانکہ حقیقی گناہ اور معصیت پر ثواب نہیں ملتا۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۹۰)

میری اس وضاحت کے بعد بھی کوئی ذی شعور اور اہل انصاف شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے بھی اکابر اہل سنت کی طرف سے دفاع نہیں کیا جیسا کہ استفتاء میں مجھ پر الزام تراشی کی گئی ہے۔

خطائے اجتہادی اور اجر

استفتاء میں میرے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ: پھر طارق یہ بھی کہتا ہے کہ خالد کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ: مجتہد کو خطائے اجتہادی پر ایک اجر ملتا ہے۔ وہ خطائے اجتہادی کی وجہ سے ایک گونہ اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ کیونکہ مجتہد مخطی کو ایک اجر خطا پر اور خطا کی وجہ سے نہیں ملتا بلکہ اجتہاد پر اور اجتہاد کی وجہ سے ملتا ہے۔ خطا کی وجہ سے تو اس کا ایک اجر کم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تعبیر یوں ہونی چاہیے کہ مجتہد مخطی

کو بھی اس کے اجتہاد پر ایک اجر ملتا ہے۔"

الجواب

خطاء اجتہادی پر اجر ملنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ مجتہد کو باوجود خطا کرنے کے بھی ایک اجر ملتا ہے اور مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب بانی دارالعلوم کراچی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بھی اسی قسم کی ہے۔ چنانچہ مشاجرات صحابہؓ کی بحث میں لکھتے ہیں:

علمائے امت کے اجماع نے ان مشاجرات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق پر ہونا اور ان کے بالمقابل جنگ کرنے والوں کا خطا پر ہونا پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا لیکن ساتھ ہی قرآن و سنت کی نصوص مذکورہ کی بنا پر اس پر بھی سب کا اجماع و اتفاق ہوا کہ جو فریق خطا پر تھا اس کی خطا بھی اولاً اجتہادی تھی جو گناہ نہیں بلکہ اس پر ایک اجر ملنے کا وعدہ حدیث صحیح میں مذکور ہے۔ الخ (مقام صحابہ ص ۱۱۴)

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جن کو ابو ریحان صاحب فقیہ النفس قرار دیتے ہیں) کے الفاظ

ع سخن شناس نہ مولوی خطا اینجاست۔

بہرحال اس استفتاء میں اس قسم کی اور بھی جہالتیں اور خیانتیں پائی جاتی ہیں۔

☆☆☆

مولانا (عبداللہ صاحب خطیب اسلام آباد) نے مولوی عظیم الدین کے نام اپنے خط میں یہ معذرت پیش کی کہ: شروع شروع میں اپنی کم علمی کی وجہ سے میری رائے ایسی تھی۔ بعد میں اپنے مخدوم مربی حضرت الشیخ علامہ مولانا محمد

یوسف بنوریؒ سے تفصیلی بات اور استفادہ پر معلوم ہوا کہ آپ کے نظریات درست نہیں ہیں الخ۔ میں نے انکی اس تأویل کے جواب میں لکھا کہ ان کا یہ جواب خلاف واقعہ ہے کیونکہ مولوی عظیم الدین کی اس کتاب کی تاریخ تصنیف ۲۲ رجب ۱۳۹۸ھ ہے ملاحظہ ہو کتاب مذکورہ طبع دوم ص ۲۱ مطبوعہ ۱۳۹۹ھ اور حضرت مولانا علامہ محمد یوسف صاحب محدث بنوریؒ کی تاریخ وفات ۲ ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ (۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء) ہے، ملاحظہ ہو ماہنامہ ''بینات' محدث بنوری نمبر ص ۶۶ ۷ حضرت محدث بنوری تو زیر بحث کتاب کی تصنیف سے بہت پہلے وفات پاچکے تھے' تو کیا آپ نے یزیدی نظریات کی تردید علامہ بنوری سے عالم برزخ میں سیکھی ہے؟ مولانا عبداللہ یا ابوریحان اس گتھی کو سلجھائیں۔

مولانا عبداللہ کا جوابی مکتوب

مولانا محمد عبداللہ صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد نے بذریعہ ڈاک جو مجھے مکتوب ارسال کیا ہے وہ لفظاً لفظاً درج ذیل ہے:

بخدمت اقدس حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ نے اپنے ماہنامہ حق چار یارؓ کے تازہ شمارہ بابت ماہ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۲ء میں میرے خط بنام مولوی عظیم الدین سے متعلق یہ بات لکھی ہے کہ مولوی عظیم الدین کی کتاب کی تاریخ تصنیف ۲۲ رجب ۱۳۹۸ھ ہے جبکہ میرے استاد حضرت الشیخ البنوری رحمہ اللہ ۱۳۹۸ھ مین وفات پاگئے تھے۔ تو کیا میں نے ان سے عالم برزخ میں استفادہ کیا ہے اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اس گتھی کو سلجھاؤں۔ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ میں نے وہ تردیدی خط عجلت میں لکھا تھا اور چونکہ مقصود اپنی سابقہ رائے اور تحریر سے رجوع کا

اظہار تھا۔ اس کی تفصیلات مقصود نہ تھیں اس لیے مقصودی بات لکھ دی اور تفصیل نہ لکھی۔ اب جبکہ آپ نے اس میں اعتراض کیا ہے تو اب تفصیل عرض کرنا بھی ضروری ہو گیا ہے جو کہ پیش خدمت تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ مولوی عظیم الدین نے میرا جو پرانا خط اپنی کتاب میں شائع کیا ہے وہ اُس وقت کا ہے جبکہ ابھی اس کی یہ کتاب طبع نہ ہوئی تھی بلکہ صورت مسودہ تھی اور مولوی صاحب مذکور دہی مسودہ علماء کی خدمت میں پیش کر کے ان کی آراء حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میری نظروں سے بھی اس کا مسودہ ہی گزرا تھا۔ مسودہ دیکھ کر جب میں نے اس کو وہ خط لکھا جو اس نے اب شائع کیا ہے تو اس وقت میرے شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے۔ یزیدی نظریات کی تردید میں نے اپنے حضرت الاستاذ سے اسی زمانہ میں ان کی حیات میں ہی سیکھی تھی۔ برزخ میں نہ سیکھی تھی۔ اس کے بعد مولوی عظیم الدین سے ترکِ تعلق تو اسی وقت سے کر لیا تھا چنانچہ وہ دن اور یہ دن آج تک ان سے کسی بھی جگہ کسی بھی عنوان سے ملاقات یا خط و کتابت نہیں ہوئی۔ اس کو اس کتاب سے متعلق جو خط میں لکھ چکا تھا وہ چونکہ محض ایک خط تھا، کتاب پر کوئی تقریظ نہ تھی اور نہ مجھے اس کا وہم وگمان ہی تھا کہ وہ اس کو شائع کریگا اس لیے اس کو اپنے اس خط کی تردید بھیجنے کی طرف خیال بھی نہ گیا ورنہ جو تردید میں نے اب بواسطہ قاری خبیب رحؒ بھیجی ہے اسی وقت اس کو براہ راست بھیج دیتا۔ کتاب طبع ہونے کے بعد آج تک میں نے اس کا کوئی بھی ایڈیشن ابھی تک بھی نہیں دیکھا کہ اس میں اپنا خط شائع ہوا میں دیکھتا اور تردید کی طرف ذہن جاتا اب قاری خبیب کی اطلاع پر پتہ چلا تو جلدی سے تردیدی جواب لکھ دیا۔ پھر عرض یہ بھی ہے کہ مقصود اصلی تو اپنے نظریات کی درستی تھی وہ ہو گئی اور اس کی اطلاع بھی آپ کو اور آپ کے رسالہ واسطہ سے سب کو ہو گئی۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ درستگی کس ذریعے سے

ہوئی، کون سبب بنا۔ کیوں بنا۔ یہ درستگی کس سے سیکھی۔ عالم حیات میں سیکھی یا عالم برزخ میں۔ تاریخ کیا تھی۔ وقت کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ذیلی امور ہیں۔ نظریات کی درستگی کے بعد جن کی کوئی خاص اہمیت نہیں رہتی۔ میں نے یزیدی نظریات کی تردید کسی سے بھی سیکھی ہو اور جہاں کہاں بھی سیکھی۔ میرا عقیدہ بہر حال یزید کے بارے میں اب وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دس پندرہ سال تک آپ سے تعلق اور آپ کے جلسوں میں شمولیت بھی کرتا رہا۔ چونکہ میں ذہناً وفکراً عظیم الدینی نظریات کو ترک کر چکا تھا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ آپ کے ساتھ تعلقات منافقانہ بھی نہ تھے اور آج بھی ان نظریات سے الگ تھلگ ہوں۔ والحمد للہ علی ذلک۔

اور جہاں تک ابو ریحان کی کتاب سے متعلق استفتاء کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ وہ اس کی کتاب کے مشتملات پر مشتمل ہے اور اس سے متعلق ہے نہ آپ کی کتاب خارجی فتنہ کے مشتملات پر مشتمل ہے اور نہ ہی اس سے متعلق ہی ہے۔ لہٰذا استفتاء کی ترتیب میں لحاظ اسکا نہیں رکھا گیا کہ خارجی فتنہ میں کیا ہے اور کیا نہیں بلکہ پیش نظر یہ رکھا گیا ہے کہ سبائی فتنہ میں کیا ہے اور کیا نہیں۔ لہٰذا خارجی فتنہ کے حوالے سے استفتاء میں تلبیس بتانا بالکل بے محل ہے۔ ہاں سبائی فتنہ مین ہی ابو ریحان نے خارجی فتنہ کی کسی عبارت سے ایسی کوئی حرکت کی ہو تو وہ آپ کا اعتراض سبائی فتنہ پر اور ابو ریحان پر ہو سکتا ہے لیکن اگر استفتاء میں سبائی فتنہ کی کسی عبارت کے ساتھ ایسی حرکت نہیں کی گئی تو استفتاء پر تلبیسات کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ استفتاء میں نے اپنی تائید کے لیے ہرگز نہیں کروایا جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے بلکہ محض یہ معلوم کرنے کے لیے کروایا ہے کہ

میرے جامعہ کے مدرس نے جب حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ جیسے امام اہلسنت سے اختلاف کیا ہے تو کہیں اس مدرس نے مسلک اہلسنت کے خلاف تو کوئی بات نہیں لکھ ڈالی اور مقصد یہ معلوم کرنے سے یہ تھا کہ اگر کہیں ایسا ہوا ہو تو یا تو ابو ریحان سے رجوع کروالیا جائے یا اس کو میں اپنے جامعہ سے فارغ کر دوں۔ آپ کے تبصرے کی کل اقساط بھی میں نے اسی نظر سے بغور پڑھیں لیکن آپ نے بھی ابھی تک اپنا دفاع ہی کیا ہے۔ کسی ایسی بات کی نشاندہی ابھی تک نہیں کی جس کو ابو ریحان کا خروج از مسلک اہلسنت قرار دیا جا سکے۔ ایسی کھلی بات کی نشان دہی آپ فرما دیں۔ میرا ابو ریحان سے معاہدہ طے پا چکا ہے کہ خلاف مسلک اہلسنت اپنی بات سے یا وہ رجوع کرے گا یا میرے جامعہ میں وہ نہیں رہے گا۔ یہ ہے کل صورتحال اس سے زائد میں آپ کے اطمینان کے لیے کچھ نہیں لکھ سکتا۔ مجھے امید ہے کہ انصاف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے میرے اس وضاحتی بیان کو بھی آپ اپنے رسالے میں شائع فرما دیں گے۔ ایک کاپی دفتر حق چار یارؓ کو بھی بھیج رہا ہوں۔

والسلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

احقر محمد عبداللہ یکم ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

تبصرہ

(۱) مولانا محمد عبداللہ صاحب موصوف نے اپنے اس مکتوب میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب محدث نبوری کی تاریخ وفات ۱۳۹۸ھ لکھی ہے۔ یہ سہو قلم ہے کیونکہ ان کی وفات کا سال ۱۳۹۷ھ ہے (۲) مولانا عبداللہ صاحب نے جو یہ تاویل پیش کی ہے کہ انہوں نے مولوی عظیم الدین کی کتاب کا مسودہ پڑھ کر انکو وہ خط لکھا تھا اور ابھی وہ کتاب شائع نہیں ہوئی تھی تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ آپ

کے زیر بحث خط سے ہی ثابت ہو گیا ہے کہ اسوقت کتاب طبع ہو چکی تھی، اور آپ کو ایک نسخہ کتاب کا موصول ہو گیا تھا۔ چنانچہ آپ کا وہ خط درج ذیل ہے: محترم السیّد الاستاد المکرم محمد عظیم الدّین صدیقی صاحب۔ سلام مسنون خط ملا۔ آج ہی شیخ القرآن سے بات کی۔ کتاب ''حیات سیدنا یزید'' ان کو ابھی تک نہیں ملی تبصرہ اور رائے کی درخواست بھی کی۔ انھوں نے قبول فرمالیا۔ ویسے وہ بھی حضرت امیر یزیدؒ کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو ہمارا ہے لیکن وہ بھی میری ہی طرح برملا اظہار بوجوہ نہیں کرتے۔ یہ مجبوری نا معلوم کب تک چلے گی کوئی آنے والا نہیں ورنہ دستی کتب منگواتا۔ والسلام محمد عبد اللہ خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد۔ آپ کے خط کے یہ الفاظ کہ: کتاب ''سیدنا یزید'' ان کو ابھی تک نہیں ملی۔ اس بات کا ثبوت ہیں کہ کتاب تو چھپ چکی لیکن ابھی تک مولوی عظیم الدین صاحب کی طرف سے ان کو نہیں ملی اور خط کے آخری الفاظ کہ: کوئی آنے والا نہیں ہے ورنہ دستی کتب اور منگوالیتا'' ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کتاب کا ایک نسخہ تو آپکو مل چکا ہے۔ مزید دستی کتب کے آپ خواہش مند ہیں۔ بہرحال آپ کا یہ خط کتاب شائع ہونے کے بعد کا ہے اور حضرت شیخ بنوری اس سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ اب اگر اور کوئی تاویل ہے تو پیش فرمائیں۔

(۳) آپ نے جو مولوی عظیم الدین کے لیے السیّد کا لفظ لکھا ہے تو یہ بھی حامیانِ یزید کی اصطلاح ہے کہ وہ ہر اپنے ہم مسلک عالم کو سیّد قرار دیتے ہیں خواہ وہ نسباً سید نہ ہو۔ (۴) آپ نے جو شیخ القرآن (یعنی مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم) کو اپنا ہم مسلک بتایا ہے تو یہ ان کے تلامذہ اور متقدمین ہی بتا سکتے ہیں کہ یزید کے بارے میں ان کا کیا نظریہ تھا البتہ آج کل کے مماتی گروہ میں سے اکثر یزید کے حامی ہیں چنانچہ سرگودھا کے مولوی عطاء اللہ صاحب بندیالوی

نے بھی حمایت یزید میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر"۔ (۵) علامہ مولانا محمد یوسف صاحب محدث بنوریؒ کی زندگی میں ہی اس کتاب کی اشاعت سے بہت پہلے سے آپ کے ہم مسلکی تعلقات مولوی عظیم الدین سے چلے آ رہے تھے چنانچہ آج کل ہی مولوی عظیم الدین کی ایک کتاب "آثار سحر" دستیاب ہوگئی ہے جو مجموعہ ہے مصنف موصوف کے خطوط کا اور اس میں ایک خط آپ کے نام کا بھی شائع ہوا ہے جس میں لکھا ہے:

برادرم مولانا محمد عبداللہ صاحب! اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ خاصے دن گزر گئے عریضہ اور مجلس کے شائع کردہ رسائل کی چند کاپیاں ارسال کی تھیں لیکن تا ایں دم جواب اور اطلاع وصولی سے محرومی ہے۔ اخی الکریم گزشتہ دنوں یہاں پیش آنے والے بعض واقعات اجمالاً جناب کے علم میں آنے ضروری ہیں الخ ص۱۲) اس خط کے آخر میں لکھا ہے کہ: پوسٹر کی فوٹو کاپی برائے ملاحظہ ارسال ہے۔ جواب جلدی دیں۔ محترم علی شیر صاحب کو بھی پیغام وسلام پہنچا دیں۔ (۲۱ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ)

اسی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبداللہ صاحب اور مولوی عظیم الدین کے باہمی ہم مسلکی تعلقات کتاب "حیات یزید" کے مسودہ سے بھی پہلے قائم تھے اور مولوی عظیم الدین کے دوسرے رسائل بھی ان کی خدمت میں پہنچتے رہتے تھے۔ مثلاً مولوی عظیم الدین کا ایک رسالہ "حادثہ کربلا" ہے جس کی تاریخ تصنیف ۲۰ محرم ۱۳۹۵ھ ہے جس کے ص ۸ پر لکھا ہے کہ: آخر کار حضرت حسینؓ نے فیصلہ کر لیا کہ کوفہ جانے کے بجائے دمشق جا کر خلیفہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لینا ہی مناسب ہے۔" اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ: ان ساٹھ جنگجو کوفیوں نے اچانک سیدنا حسینؓ کے خیمہ پر دھاوا بول دیا الخ (ص ۱۱) علاوہ ازیں مولوی عظیم

الدین صاحب کا ایک کتابچہ ۸۰ صفحات کا 'حق تحقیق'' ہے جس کے صفحہ ۱۰ پر محمود احمد عباسی کو ان القاب سے نوازا گیا ہے۔ امام اہل سنّت مجدّد تاریخ علامہ محمود احمد عباسی صاحب رحمتہ اللہ علیہ۔ یہ کتاب بھی مولوی عظیم الدین صاحب کے چند خطوط پر مشتمل ہے جو ۱۳۹۴ھ تا ۱۳۹۶ھ لکھے گئے ہیں۔ ان خطوط سے بھی یزیدیت اور خارجیت جھلک رہی ہے۔ کیا مولانا عبداللہ صاحب اس قسم کے رسائل سے ناواقف تھے جبکہ مولوی عظیم الدین ان کو خود بھیج رہے ہیں۔ کیا ان خلاف حق نظریات کی کبھی انہوں نے تردید فرمائی خواہ نجی مجالس میں ہی ہو۔ مولانا عبداللہ صاحب کی تاویلات عذر گناہ برتر از گناہ کی قسم کی ہیں۔ مولانا موصوف سے یہاں ہمارا یہ سوال بھی ہے کہ کیا انہوں نے اپنے مدرسہ کے مدرس مصنف سبائی فتنہ ابو ریحان مولانا عبدالغفور صاحب سے کبھی یہ بھی دریافت کیا کہ وہ حسینؓ ویزید کے مسئلے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ کیونکہ ان کی کتاب ''سبائی فتنہ'' نقیب ختم نبوت والوں نے شائع کی ہے اور اسی ماہنامہ میں ان کا جواب الجواب ''کشف سبائیت'' کے نام سے قسط وار شائع ہو رہا ہے اور ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان کھلم کھلا یزیدیت کا حامی ہے۔ اس باہمی معاونت وموانست سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابو ریحان بھی یزید کو صالح وعادل حکمران ہی مانتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اگر ایسا ہے تو پھر آپ ان کو اپنے مدرسہ میں نہیں رکھ سکتے۔ آپ خود بجائے تاویلات کے یہ اعلان کر دیں کہ جمہور اہل سنت کی اتباع میں آپ یزید کو فاسق تسلیم کرتے ہیں اور مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم، میں خصوصاً جنگ صفین کے سلسلے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کا مؤقف صحیح تھا اور حضرت امیر معاویہؓ سے اس میں اجتہادی خطا کا صدور ہوا تو اس سلسلے میں ہمارا آپ سے اختلاف ختم ہو جائے گا۔

☆☆☆

اس مکتوب میں مولانا موصوف نے یہ بھی لکھا ہے۔ جہاں تک ابو ریحان کی کتاب سے متعلق استفتاء کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ وہ اس کی کتاب کے مشتملات پر مشتمل ہے اور اس سے متعلق ہے نہ آپ کی کتاب خارجی فتنہ کے مشتملات پر مشتمل ہے اور نہ ہی اس سے متعلق ہی ہے لہٰذا استفتاء کی ترتیب میں لحاظ اس کا نہیں رکھا گیا کہ خارجی فتنہ میں کیا ہے اور کیا نہیں بلکہ پیش نظر یہ رکھا گیا ہے کہ سبائی فتنہ میں کیا ہے اور کیا نہیں۔ لہٰذا خارجی فتنہ کے حوالے سے استفتاء میں تلبیس بتانا بالکل بے محل ہے۔ ہاں سبائی فتنہ میں ہی ابو ریحان نے خارجی فتنہ کی کسی عبارت کے ساتھ ایسی کوئی حرکت کی ہوتو وہ آپ کا اعتراض سبائی فتنہ پر اور ابو ریحان پر ہوسکتا ہے لیکن اگر استفتاء میں سبائی فتنہ کی کسی عبارت کے ساتھ ایسی کوئی حرکت نہیں کی گئی، تو استفتاء پر تلبیسات کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔
دوسری بات یہ ہے کہ یہ استفتاء میں نے اپنی تائید کے لیے ہرگز مرتب نہیں کروایا جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے بلکہ محض یہ معلوم کرنے کے لیے کروایا ہے کہ میرے جامعہ کے مدرس نے جب حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ، جیسے امام اہل سنت سے اختلاف کیا ہے تو کہیں اس مدرس نے مسلک اہلسنت کے خلاف تو کوئی بات لکھ نہیں ڈالی اور مقصد یہ معلوم کرنے سے یہ تھا کہ اگر کہیں ایسا ہوا ہوتو ابو ریحان سے رجوع کروالیا جائے یا اس کو میں اپنے جامعہ سے فارغ کردوں۔
آپ کے تبصرے کی کل اقساط بھی اسی نظر سے بغور پڑھیں لیکن آپ نے بھی ابھی تک اپنا دفاع ہی کیا ہے کسی ایسی بات کی نشاندہی ابھی تک نہیں کی جس کو ابھی تک ابو ریحان کا خروج از مسلک اہلسنت قرار دیا جا سکے۔ ایسی کھلی بات کی نشاندہی آپ فرمائیں۔'' الخ

الجواب

(۱) آپ کا یہ لکھنا کتنا غلط ہے کہ: ''استفتاء کی ترتیب میں لحاظ اس کا نہیں رکھا گیا کہ خارجی فتنہ میں کیا ہے اور کیا نہیں۔'' کیونکہ کتاب سبائی فتنہ میری کتاب خارجی فتنہ کے جواب میں لکھی گئی ہے اور آپ نے استفتاء میں میرے نظریات خالد کے نام سے پیش کیے ہیں اور ابو ریحان صاحب کے نظریات طارق کے نام سے۔ تو میں نے اپنا مسلک اور مؤقف تو خارجی فتنہ میں ہی پیش کیا ہے اور اس پر دلائل بھی قائم کیے ہیں۔ اس لیے آپ پر لازم تھا کہ میری کتاب خارجی فتنہ سے میرا موقف پیش کرتے۔ اصل زیر بحث مسئلہ ہمارا یہ ہے کہ جنگ صفین میں جمہور اہل سنت کے مطابق میں نے یہ مسلک پیش کیا ہے کہ اس میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ، کا مؤقف صحیح تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا کا صدور ہوا لیکن ابو ریحان صاحب اس پر چیں بہ جبیں ہوتے ہیں اگر مجبوراً انہوں نے اسے تسلیم کیا بھی ہے تو اس کو بھی ناقص ذکر خیر قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہین: دوسری گذارش یہ ہے کہ اجتہادی خطا کا قول اگر ضابطۂ ذکر بالخیر کے خلاف نہیں تو یہ بھی ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ یہ پورا، کامل اور خالص ذکر خیر نہیں بلکہ یہ وہ ادھورا، ناقص اور ناخالص ذکر خیر ہے جس کے عنوان معنون اور انجام تک میں غیر خیر کی آمیزش ہے الخ (سبائی فتنہ ص ۴۰۳) پہلے ابو ریحان صاحب اہل سنت کا یہ ضابطہ پیش کر چکے ہیں کہ ''یہ بھی ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ عقائد اہل سنت کی جس کتاب میں بھی صحابہ سے متعلق عقائد اہل سنت کا ذکر ہوا ہے ابتداً اس کی لا تذکرھم الا بالخیر۔ جیسے عنوانوں سے ہوتی ہے الخ (ص ۳۹۳) یعنی ہم صحابہ کا ذکر صرف بھلائی سے کرتے ہیں اور جن حضرات نے یہ ضابطہ لکھا ہے وہی مشاجرات صحابہ کی بحث میں حضرت معاویہؓ کی

طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرتے ہیں جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے: و کتب القوم مشحونة بالخطاء الاجتهادی کما صریح بہ الامام الغزالی و القاضی ابو بکر و غیرهما (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۲۴۹) اور اہل سنت کی کتابیں خطائے اجتہادی کے قول سے بھری ہوئی ہیں جیسا کہ امام غزالیؒ اور قاضی ابو بکرؒ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۹۴) اور استفتاء میں بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی یہ عبارت درج کی ہے لیکن بالخطاء الاجتہادی تک اور اس کے بعد کی عبارت چھوڑ دی ہے یعنی کما صریح بہ الامام الغزالی و القاضی ابو بکر وغیرهما۔ بہر حال یہ تو ثابت ہو گیا کہ اہل سنت کی کتابوں میں حضرت معاویہؓ کی خطائے اجتہادی کا عموماً ذکر پایا جاتا ہے لیکن ابو ریحان صاحب کا ریحانی لطیفہ یہ ہے کہ اجتہادی خطا حضرت معاویہؓ کی طرف منسوب کرنا یہ ادھورا اور ناقص ذکر خیر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جمہور اہل سنت نے حضرت معاویہؓ کا کامل ذکر خیر نہیں کیا بلکہ ادھورا اور ناقص ذکر خیر کیا ہے اور ادھورا اور ناقص ذکر خیر میں یقیناً تنقیص پائی جاتی ہے۔ گویا کہ جمہور اہل سنت نے حضرت امیر معاویہؓ کی تنقیص کی ہے۔ العیاذ باللہ۔ اب مولانا عبد اللہ ہی بتائیں کہ کیا ابو ریحان نے اہل سنت کے ضابطہ کو مجروح نہیں کیا اور کیا ایسا لکھنا مسلک اہل سنت سے خروج نہیں ہے اور میں نے ص ۱۲۷ میں بھی ابو ریحان صاحب کے اس نظریہ پر گرفت کی ہے۔ دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔

۲۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تو مشاجرات صحابہ (جنگ جمل وصفین) کے سوا دوسرے مسائل میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی اجتہادی خطا کو تسلیم کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: لازم نیست کہ امیر در جمیع امور خلافیہ حق باشند و مخالف ایشاں بر خطا ہر

چند درامر محاربہ حق بجانب امیر بودہ الخ (مکتوبات جلد دوم۔مکتوب نمبر ۳۶ قدیم ص ۵۸)۔ یہ لازم نہیں کہ حضرت امیرؓ تمام اجتہادی امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر البتہ محاربہ (باہمی جنگ وقتال) میں حق وصواب حضرت امیر (علی المرتضیٰؓ) کی طرف تھا۔" ملاحظہ ہو (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۱۰) لیجئے بارشاد حضرت مجدد الف ثانیؒ میں نے یہ تسلیم کرلیا کہ سوائے باہمی جنگ وقتال کے دوسرے اجتہادی امور میں حضرت علی المرتضیٰؓ سے خطائے اجتہادی کا صدور ہو سکتا ہے اور ہوا بھی ہے۔فرمایئے۔مولانا ابوریحان نے حضرت امیر معاویہؓ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرنے پرتو مجھے سبائیت کا طعنہ دیا ہے اور قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرنے پر مجھے کونسا سرٹفکیٹ عطا فرمائیں گے۔

۴۔ صحابہ تو معصوم بھی نہیں لیکن خود ابو ریحان صاحب تو انبیائے معصومین علیہم السلام سے اجتہادی خطا کے صدور کے قائل ہیں۔چنانچہ لکھتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی اجتہادی خطا کو ذلت بھی کہتے ہیں۔یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دونام ہیں۔اسی لیے حضرت قاضی صاحب نے بھی صحابہ اکرمؓ کی اجتہادی خطا کے سلسلے میں انبیاء علیہم السلام کی اجتہادی خطا کا خارجی فتنہ ص ۵۰۰۔۵۰۱۔ج اول میں مختصراً اور دفاع معاویہ ص ۷۵ تا ۸۴ میں قدرے مفصلاً ذکر کیا ہے۔البتہ نبی اور غیر نبی کی اجتہادی خطا میں یہ فریق ہوتا ہے کہ نبی قرار علی الخطا سے معصوم ہوتا ہے جبکہ غیر نبی اس سے معصوم نہیں ہوتا (کتاب سبائی فتنہ حاشیہ ص ۴۱۷) اسی سلسلے میں لکھتے ہیں۔اجتہادی خطا کی تین قسمیں ہیں (۱) خطا فی الکبیرہ (۲) خطا فی الصغیرہ (۳) خطافی ترک الاولی۔یعنی اجتہادی خطا کے طور پر مجتہد سے صادر ہونے والا قول وفعل اس وقت تو اگرچہ نہ کبیرہ کہلاتا ہے نہ

صغیرہ بلکہ اس کو اجتہادی خطا ہی کہا جاتا ہے۔ لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے وہ کبیرہ بھی ہوسکتا ہے۔ اور صغیرہ بھی اور ترک اولیٰ بھی خطائی الکبیرہ سے اوپر اور خطائی ترک الاولیٰ سے نیچے اہل سنت کے نزدیک اجتہادی خطا کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ کبیرہ سے اوپر کفر و شرک ہے اور خلاف اولیٰ سے نیچے اولیٰ ہے جو صواب ہے اور خطائے اجتہادی نہ کفر و شرک میں جاری ہوتی ہے اور نہ صواب میں۔ اس لیے اجتہادی خطا کی ممکن واقع یہی تین قسمیں ہوئیں۔ چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی اجتہادی خطا کی عام علمائے اصول نے یہی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ البتہ بعض علماء و مشائخ ان کی اجتہادی خطا کو صرف ترک الافضل والاصوب تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ چنانچہ بحر العلوم صاحب فواتح الرحموت فرماتے ہیں۔ یجوز الزلۃ فی الکبائر والصغائر بعد النبوۃ (فواتح الرحموت ج ۲ ص ۳۸۹) اصول کی مشہور کتاب لتسہیل الوصول ص ۱۲۹) اور جو بعض مشائخ انبیاء علیہم السلام کی زلّات کو صرف ترک الافضل تک محدود رکھتے ہیں ان کا مذہب بیان کرتے ہوئے علامہ تفتازانی رقم طراز ہیں کہ: ذکرہ بعض المشائخ من ان الانبیاء ھی الزلل من الافضل الی الفاضل ومن الاصوب الی الصواب لاعن الحق الی الباطل وعن الطاعۃ الی المعصیۃ۔ (تلویح علی التوضیح ص ۴۹۱) یہاں زلّات انبیاء کی تحقیق مقصود نہیں بلکہ صرف اجتہادی خطا کی تین قسموں کا بیان مقصود ہے جب انبیاء معصومین علیہم السلام کی اجتہادی خطا تک میں اجتہادی خطا کی یہ تین قسمیں جاری ہوتی ہیں تو غیر انبیاء کی اجتہادی خطائیں تو بطریق اولیٰ جاری ہوں گی تو ترک اولیٰ اجتہادی خطا کی قسم نہ ہوگی اس کی ایک قسم ہوگی۔ خطائی الکبیرہ کی مثال جیسے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا مثلاً اس شخص کو قتل کر دینا جس نے ان کی تلوار کی زد میں آنے کے بعد کلمہ پڑھ لیا تھا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ یہ شخص مسلمان ہونے

کے لیے نہیں بلکہ محض اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ (صحیح مسلم ص ۶۸۔ جلد اول)

دیکھئے حضرت اسامہؓ سے بظاہر ایک مسلمان قتل ہو گیا اور کسی مسلمان کو بلا کسی شرعی وجہ اور بلا کسی تاویل کے قتل کرنا اپنی ذات کے اعتبار سے گناہ کبیرہ ہے۔ یہ قتل بھی اگر بلا تاویل ہوتا تو یقیناً گناہ کبیرہ ہی ہوتا لیکن یہاں چونکہ اجتہاد اُوتاویلاً ہوا ہے۔ لہٰذا اب کبیرہ نہیں بلکہ اجتہادی خطا فی الکبیرہ ہے الخ (ص ۴۱۸) علاوہ ازیں مولانا ابو ریحان میں ۲۲۹ کے حاشیہ پر مذکورہ دونوں کتابوں یعنی فواتح الرحموت اور تسہیل الوصول کی مندرجہ عبارتیں نقل کر کے لکھتے ہیں: مطلب یہ کہ گناہ کے طور پر تو نہ صغیرہ کا صدور شرعاً جائز ہے اور نہ کبیرہ کا۔ البتہ ذلت کے طور پر وہ سرزد ہو سکتے ہیں۔"

تبصرہ

(۱) ابو ریحان نے انبیاء کرام علیہم السلام سے اجتہادی خطا کا صدور مان لیا ہے۔ لیکن وہ یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ:۔ (اجتہادی خطا کا قول) یہ وہ ادھورا۔ ناقص اور خالص ذکر خیر ہے جس کے عنوان معنوں اور انجام تک میں غیر خیر کی آمیزش ہے۔ (ص ۴۰۳) جب اجتہادی خطا کا قول حضرت امیر معاویہؓ صحابی کے لیے ادھورا اور ناقص ذکر خیر ہے یعنی ان کے شرف صحابیت کے مناسب نہیں تو انبیاء معصومین علیہم السلام کے لیے تو اس سے بھی زیادہ ادھورا اور ناقص ذکر خیر ہو گا جس سے غیر خیر کی آمیزش ہو گی۔ فرمایئے ابو ریحان صاحب کے اس لطیفہ بلکہ کشیفہ کے پیش نظر تو انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرنا ان کی تنقیص شان کا زیادہ باعث بنے گا۔ میں نے اگر جمہور اہل سنت کے مسلک کے تحت حضرت معاویہؓ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کی ہے تو ابو ریحان

صاحب آگ بگولہ ہو گئے اور فرمایا کہ اس بارے میں توقف اور سکوت کرنا لازمی ہے اور اگر کسی وجہ سے اجتہادی خطا کی نسبت کی بھی جائے تو وہ ناخالص ذکر خیر ہوگا۔ اس کے لیے خطائے اجتہادی بھی زبان پر نہ لائی جائے۔ لیکن جب نیچے اترے تو انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی اجتہادی خطا کا صدور مان لیا۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا ناقص اور ادھورا ذکر خیر کرنے کی اجازت ہے۔

ع۔ وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

(۲) بلکہ اور نیچے گرے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے اجتہادی خطا کے طور پر گناہ کبیرہ کا صدور بھی مان لیا جیسا کہ ص ۲۲۹ کے حاشیہ پر تصریح کر رہے ہیں کہ البتہ زلّت کے طور پر وہ (یعنی گناہ کبیرہ صغیرہ انبیاء کرامؑ سے) سرزد ہو سکتے ہیں یعنی انبیاء کرام سے جو فعل سرزد ہوا ہے وہ اصل میں تو گناہ کبیرہ تھا لیکن انہوں نے چونکہ قصداً ایسا نہیں کیا بلکہ اجتہادی خطا کی وجہ سے کیا ہے اس لیے وہ حقیقتاً کبیرہ گناہ نہ ہوگا بلکہ صورتاً گناہ ہوگا لیکن یہی بات جب میں نے جنگ صفین کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں کہی کہ قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ، سے لڑنے میں تو وہ باغی ہی تھے لیکن چونکہ ان سے اس میں اجتہادی خطا ہو گئی ہے اُن کی اس لئے بغاوت صورتاً بغاوت ہو گی نہ کہ حقیقتاً اور بوجہ مجتہد ہونے کے ان کو اس پر بھی ایک اجر ملے گا تو ابو ریحان صاحب نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور میرے پیش کردہ نظریے کو سبائیت قرار دے کہ ایک ۶۱۸ صفحات کی ضخیم کتاب سبائی فتنہ تصنیف کر ڈالی حتی کہ حامیان یزید زور و شور سے کہتے رہے کہ کسی غیر صحابی اور فلاں فلاں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی غلطیاں نکالے لیکن ابو ریحان صاحب سے کوئی نہیں پوچھتا کہ ان کو کیا حق پہنچتا ہے کہ معصوم انبیاء علیہم السلام کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کریں اور صورتاً

ان سے کبیرہ گناہوں کا صدور بھی مان لیں۔

(۳) ابو ریحان صاحب لکھتے ہیں۔ حضرت قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں: حضرت علیؓ کو معزول کرنا ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا......اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے (خارجی فتنہ ج اول ۴۵۵) بلکہ ان کو معزول کرنا حکم خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے۔ (ایضاً ص ۴۵۸) (سبائی فتنہ ص ۱۲۸) پھر ابو ریحان صاحب اسی سلسلہ میں ص ۱۳۰ پر لکھتے ہیں: اجتہادیات کا یہ اصول مسلّمہ ہے کہ مجتہد سے اجتہاد میں بالفرض اگر خطا بھی ہو جائے تو از روئے حدیث بخاری اس کو اپنے اجتہاد پر اجر ہی ملتا ہے بلکہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ، کے نزدیک تو اجتہاد سے بڑھ کر خود خطا پر ہی اجر ملتا ہے اور اجتہاد سے بڑھ کر خود خطاء ہی کار ثواب ہوتی ہے۔ (خارجی فتنہ ص ۷۷۔۴۔۵۳۴۔ جلد اول) یا بقول حضرت قاضی صاحب ان کی یہ خطا بہر صورت کار ثواب ہی ٹھہری اور کار ثواب کو گناہ اور یقیناً سخت نافرمانی جیسے الفاظ سے تعبیر کرنا ظاہر ہے کہ بجائے خود ناجائز اور گناہ ہے الخ اور مولانا عبداللہ صاحب کے مجوزہ استفتاء میں بھی خالد کے نام سے میرے متعلق یہ لکھا ہے کہ:۔ خالد جن صحابہ کو مخطی کہتا ہے ان کی اجتہادی خطا کو گناہ۔ یقیناً سخت نافرمانی۔ اللہ کے حکم کی مخالفت۔ قصور از روئے نص قرآنی درحقیقت بالکل ناجائز اور بطور اصل حکم باغی ہی جیسے الفاظ بلا تکلف ذکر کر کے پھر ان کی مراد خطاء اجتہادی سے بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ صحابہ کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرنے میں جبکہ ان کی مراد خطاء اجتہادی سے بیان کر دی جائے صحابہ کی کچھ بھی کسر شان نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ کہہ کر ان کو مجتہد اور ان کی خطا کو اجتہادی کہہ دینے سے ان کی عظمت شان بڑھتی ہے کہ ان سب پر ایک اجر ملتا ہے۔"

الجواب

(۱) حکمین صحابہؓ کے متعلق جو میں نے نافرمانی وغیرہ الفاظ لکھے ہیں وہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی صدیقی کے جواب میں بطور الزام کے ہیں۔ اس کی تفصیل کسی اور موقع پر آئے گی۔

(۲) ابو ریحان صاحب بار بار میرے تعبیری الفاظ کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں اور یہاں بھی لکھ رہے ہیں: بلکہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے نزدیک تو اجتہاد سے بڑھ کر خود خطا پر ہی اجر ملتا ہے اور اجتہاد سے بڑھ کر خود خطا ہی کارِ ثواب ہوتی ہے حالانکہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ بھی لکھتے ہیں: حضرات صحابہؓ نفسانیت سے پاک تھے۔ انہوں نے جو کچھ کیا محض للّٰہیت سے کیا۔ ان تمام جھگڑوں کا منشا اجتہادی غلطی تھی۔ سو مجتہد کو غلطی پر بھی ثواب ملتا ہے۔ (ماہنامہ حق چار یارؓ ص ۲۴ ستمبر ۹۲) (حضرات صحابہ کرامؓ کے واقعات اور ازالہ شبہات) فرمایئے کہ اگر میں نے لکھا ہے کہ مجتہد کو خطا پر بھی ثواب ملتا ہے تو حضرت تھانویؒ نے بھی تو یہی لکھا کہ: مجتہد کو غلطی پر بھی ثواب ملتا ہے اور زیر بحث استفتاء میں میری طرف منسوب کرنا کہ: ان کی خطا کو اجتہادی کہہ دینے سے ان کی (یعنی مجتہد کی) عظمت شان بڑھتی ہے کہ اس پر اس کو ایک اجر ملتا ہے اس میں میں نے یہ کہاں لکھا ہے کہ خطا سے مجتہد کی عظمت شان بڑھتی ہے عبارت پیش کریں۔

(۲) اگر میں نے بعض صحابہؓ کے لیے نافرمانی وغیرہ کے الفاظ لکھے ہیں تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا ہے کہ چونکہ وہ مجتہد تھے اس لیے اس کو اجتہادی خطا کہا جائے گا اور یہ نافرمانی صورتاً ہے نہ کہ حقیقتاً۔ لیکن ابو ریحان صاحب نے تو معصوم انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے بھی گناہ کبیرہ کے الفاظ لکھے ہیں جیسا کہ ان

کی عبارت پہلے پیش کر دی گئی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ اجتہادی خطا کی تین قسمیں ہیں: (۱) خطا فی الکبیرہ (۲) خطا فی الصغیرہ (خطا فی ترک الاولی۔ پھر لکھتے ہیں: چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی اجتہادی خطا کی عام علمائے اصول نے یہی تین قسمیں بیان کی ہیں (ص ۴۱۷) فرمایئے مولانا ابو ریحان نے خطا فی الکبیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں یا نہیں۔ یعنی اجتہادی خطا کی وجہ سے ان سے کبیرہ گناہ بھی سرزد ہو جاتا ہے نیز ص ۲۲۹ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں: مطلب یہ کہ گناہ کے طور پر تو نہ صغیرہ کا صدور شرعاً جائز ہے نہ کبیرہ کا۔ البتہ زلت کے طور پر وہ (یعنی صغیرہ اور کبیرہ گناہ) سرزد ہو سکتے ہیں۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے لفظ کبیرہ کو کیوں استعمال کیا صرف یہ کیوں نہیں لکھا کہ انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطا سرزد ہو سکتی ہے؟

(۴) استفتاء میں خالد کے نام سے میرا یہ مؤقف پیش کیا ہے کہ: پھر خالد اکابر کی ایسی عبارتوں میں اجتہادی خطا جیسی تاویل ان اکابر کی صفائی دینے اور ان کی طرف سے معذرت کرنے کے لیے نہیں کرتا بلکہ خود صحابہؓ کی صفائی دینے اور ان کی طرف سے معذرت کرنے کے لیے کرتا ہے یعنی وہ کہتا ہے کہ اکابر نے صحابہ کے بارے میں خطائے اجتہادی سے زائد جو کچھ کہا ہے وہ انہوں نے بالکل صحیح کہا ہے۔ محض صحابہ کا اصل حکم بیان کیا ہے۔ ان صحابہ سے جو کچھ ظہور میں آیا اصل کے اعتبار سے وہ بغاوت و جور اور طغیان وعصیان وغیرہ ہی تھا۔ لہٰذا جن اکابر اہل سنت نے صحابہؓ کو یہ کچھ کہا ہے انہوں نے کوئی خلاف واقعہ بات نہیں کہی بلکہ اصل حکم اور اصل حقیقت کا اظہار کیا ہے...... ان کا اصل حکم تو یہی تھا جو اہل سنت نے بیان کیا ہے مگر چونکہ وہ صحابہؓ تھے مجتہد تھے ان کا اختلاف اجتہادی تھا اس لیے ان کی بغاوت و جور اور طغیان وعصیان کی تاویل کی جائے گی تاکہ ان صحابہؓ کی عظمت

مجروح نہ ہو۔ اس کا جواب میں نے ص ۳۷ پر بھی دیا ہے۔ دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔

(۲) میں نے خود کسی صحابی کے لیے جور طغیان ظلم اور فسق کے الفاظ استعمال نہیں کیے اور میں نے یہ لکھا ہے ہی نہیں کہ اصل حکم صحابہؓ کے بارے میں بغاوت یا جور وغیرہ ہی تھا لیکن مولانا ابو ریحان نے تو یہ بات معصوم انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں بھی تسلیم کر لی ہے۔ چنانچہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے بھی اجتہادی خطا کی تین قسمیں بیان کرتے ہوئے خطائی الکبیرہ کی مثال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: خطائی الکبیرہ کی مثال جیسے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا مثلاً اس شخص کو قتل کر دینا جس نے ان کی تلوار کی زد میں آنے کے بعد کلمہ پڑھ لیا تھا (صحیح مسلم ۶۸، ج اول) دیکھئے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بظاہر ایک مسلمان قتل ہو گیا اور کسی مسلمان کو بلا کسی شرعی وجہ اور بلا کسی تاویل کے قتل کرنا اپنی ذات کے اعتبار سے کبیرہ ہے۔ یہ قتل بھی اگر بلا تاویل ہوتا تو یقیناً گناہ کبیرہ ہی ہوتا لیکن یہاں چونکہ اجتہاد و تاویلاً ہوا ہے لہذا اب یہ کبیرہ نہیں بلکہ اجتہادی خطائی الکبیرہ ہے۔" (ص ۴۱۸) اسی طرح آپ کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے بھی وہ گناہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے کبیرہ ہوتا ہے لیکن اجتہاد و تاویل کی وجہ سے وہ کبیر نہیں رہتا اور اس کو اجتہادی خطائی الکبیرہ کہا جاتا ہے اور اسی سلسلہ میں میں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی درج ذیل عبارت پیش کی تھی کہ: اگر وہ تاویل قطعی البطلان نہ ہو تو وہ گروہ باغی تو ہو گا مگر قرن اول میں ایسے گروہ کا حکم وہی ہے جو مجتہد مخطی کا ہوتا ہے اگر وہ خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے الخ (ازالۃ الخلفاء، مترجم جن اول ص ۳۲۔ خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۹۸) علاوہ ازیں میں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حسب ذیل عبارت بھی پیش کی ہے اور حضرت معاویہؓ سے فرمایا کہ اگر تو بادشاہ ہو جائے تو

نیک کام کرنا۔ اور فرمایا کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا اگر اللہ نے تجھے قمیص پہنائی۔ اس سے آپ خلافت مراد لے رہے تھے۔ تو ام حبیبہؓ (ام المومنین) نے کہا کہ کیا اللہ میرے بھائی کو قمیص پہنانے والا ہے۔ فرمایا کہ ہاں اور لیکن اس میں فسادات ہوں گے اور فسادات اور فسادات۔ اور اس کلمہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی خلافت تسلط کے ذریعہ سے منعقد ہوگی۔ بیعت کے ذریعہ سے نہ ہوگی اور ان کی سیرت شیخینؓ کی سیرت کے موافق نہ ہوگی اور وہ خلافت امام وقت سے بغاوت کے بعد منعقد ہوگی اسی لیے آپ ﷺ نے تین مرتبہ لفظ ھنات (فسادات) فرمایا اور نیز معاویہؓ سے فرمایا۔ اگر والی امر بن جائے تو اللہ سے ڈرا ور انصاف کر۔ اور یہ اشارہ امارت شام اور خلافت دونوں کی طرف ہے۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۱۰۰۔ بحوالہ ازالۃ الخلفاء مترجم جلد دوم فصل ہفتم ص ۱۷۴) مندرجہ عبارت کے تحت میں نے یہ نوٹ لکھا ہے کہ: مندرجہ عبارت میں حضرت محدث دہلویؒ نے جو بغاوت کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس سے مراد صورتاً بغاوت ہے نہ کہ حقیقتاً کیونکہ حضرت معاویہؓ مجتہد تھے۔ البتہ آپ سے اس اجتہاد میں خطا ہوگئی (ص ۱۰۱) فرمائیے یہاں میں نے حضرت معاویہؓ کی طرف سے دفاع کیا ہے یا ان کا تخطیۂ، برائے تخطیۂ کیا ہے جیسا کہ آپ بار بار الزام لگا رہے ہیں اور استفتاء میں بھی تخطیہ برائے تخطیۂ کا الزام عائد کیا ہے۔ جمہور اہل سنت کے مطابق حضرت امیر معاویہؓ کی طرف اگر میں نے اجتہادی خطا کی نسبت کی ہے تو وہ ابو ریحان کے نزدیک سبائیت ہے لیکن خود ابو ریحان صاحب یہ تصریح فرما رہے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام سے بھی بوجہ اجتہادی خطا کے گناہ کبیرہ کا صدور ہو جاتا ہے جیسا کہ ان کے الفاظ میں اجتہادی خطائی الکبیرہ ہے تو اس میں نہ کوئی بے ادبی ہے نہ تنقیص بلکہ یہ اصل سنیت ہے۔ ایں چہ بو العجبست۔

(۳) ابو ریحان صاحب نے اپنی زیر بحث کتاب میں کل مجتہد مصیب (یعنی ہر مجتہد کا اجتہاد صواب پر ہوتا ہے) کو المجتهد یخطی ویصیب (یعنی مجتہد کا اجتہاد یا صحیح ہوتا ہے یا غلط) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو وہ کل مجتہد مصیب کے ضابطہ کو ترجیح دیتے ہیں لیکن جب انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ آتا ہے۔ (حالانکہ وہ معصوم ہیں) تو وہ ان حضرات کی اجتہادی خطا کو تسلیم کر لیتے ہیں اور پھر اجتہادی خطا کی قسمیں بیان کر کے ان کی اجتہادی خطائی الکبیرہ بھی مان لیتے ہیں۔ یعنی ان سے ایسے فعل کا ارتکاب مان لیتے ہیں جو بظاہر کبیرہ گناہ ہوتا ہے لیکن ان معصومین کی عصمت کی وجہ سے اس کا حکم اجتہادی خطا کا ہوتا ہے۔ حالانکہ ابو ریحان صاحب کے نزدیک اجتہادی خطاء بھی ناقص اور ادھورا ذکر خیر ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ کے نزدیک جب بہ نسبت المجتهد یخطی ویصیب (مجتہد کا اجتہاد صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی) کے کل مجتهد مصیب (یعنی ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہوتا ہے) کا ضابطہ راجح ہے تو پھر معصوم انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے آپ نے اس ضابطے کو کیوں پیش نہیں کیا اور اس کے برعکس یہ تسلیم کر لیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے اجتہادی خطا کا صدور بھی ہو سکتا ہے بلکہ اجتہادی خطائی الکبیرہ بھی ان سے سرزد ہو جاتی؟

ایک ریحانی اشکال کا جواب

ابو ریحان مولانا الغفور صاحب لکھتے ہیں: دراصل ترک اولیٰ اور اجتہادی خطا دونوں آپس میں قسیم ہیں ہی نہیں جیسا کہ حضرت قاضی صاحب فرما رہے ہیں بلکہ ترک اولیٰ ایک قسم ہے اجتہادی خطا کی۔ وہ اس طرح کہ اجتہادی خطا کی تین قسمیں ہیں (۱) خطائی الکبیرہ (۲) خطائی الصغیرہ (۳) خطائی ترک الاولیٰ الخ (ص ۲۱۷)

الجواب

ابو ریحان صاحب غالباً ترک اولیٰ کا مفہوم ہی نہیں سمجھ سکے کیونکہ ترک اولیٰ میں تو کوئی پہلو غلطی کا ہوتا ہی نہیں مفتی محمد یوسف صاحب مودودی (سابق مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) نے ایک کتاب ''مولانا مودودی پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' لکھی تھی جس کے جواب میں میری کتاب ''علمی محاسبہ'' شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مسلہ عصمت انبیاء علیہم السلام پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اسی سلسلے میں میں نے ترک اولیٰ کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔ اولیٰ بھی بہتر اور افضل ہے۔ ترک کا معنی چھوڑنا ہے اور شرعی اصطلاح میں ترک اولیٰ اور ترک افضل کا یہ مطلب ہے کہ کسی کام کے دو پہلو ہوں اور وہ دونوں جائز اور صحیح ہوں لیکن ان میں سے ایک پہلو دوسرے سے بہتر اور افضل ہو۔ جس کو چھوڑ کر اس سے کم درجے کا پہلو اختیار کیا گیا ہو تو اس کو ترک اولیٰ اور ترک افضل کہا جاتا ہے۔ یعنی بہتر پہلو چھوڑ دینا۔ اور یہ گناہ اور معصیت نہیں ہوتا لیکن انبیاء علیہم السلام کی عظمت شان کے تحت اس پر مؤاخذہ ہوتا ہے۔ (ص ۳۰۶)

(۲) ابو ریحان صاحب نے لکھا ہے کہ: اور جو بعض مشائخ انبیاء علیہم السلام کی زلّات کو صرف ترک افضل تک ہی رکھتے ہیں ان کا مذہب بیان کرتے ہوئے علامہ تفتازانی رقمطراز ہیں: ذکرہ بعض الشائخ من انّ ذلّة الانبیاء هی الزّلل من الافضل الی افاضل ذمن الاصوب الی الصواب لاعن الحق الی الباطل وعن الطاعة الی المعصیة (تلویح علی التوضیح ص ۴۹۱) اور بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی زلّت یہ ہے کہ افضل کو چھوڑ کر فاضل اور اصوب (زیادہ صحیح) چھوڑ کر صواب (صحیح) کو اختیار کیا جائے۔ نہ یہ کہ حق کو چھوڑ کر باطل اور طاعت کو چھوڑ کر معصیت اختیار کی جائے۔ اس سے معلوم

ہوا ہے کہ ترک اولیٰ اور ترک افضل اجتہادی خطا کی کوئی قسم نہیں کیونکہ اس میں خطا اور غلطی کا کوئی پہلو نہیں ہوتا بلکہ ترک اولیٰ اور خطائے اجتہادی ذلّت کی قسمیں ہیں اور ہر ذلّت خطا نہیں ہوتی۔ اور خود ابوریحان صاحب بھی لکھ رہے ہیں کہ: ترک اولیٰ میں تو ایک کام کے دونوں پہلو جائز ہوتے ہیں اور اجتہادی خطا میں ایک کام کے دونوں پہلو جائز نہیں ہوتے۔'' (۴۱۶) جب ترک اولیٰ میں یہ دونوں پہلو جائز نہیں ہوتے ہیں تو اسکو خطا کس بنا پر کہا جائے گا؟ ابوریحان صاحب کی شان تحقیق نرالی ہے۔ اپنی کتاب کے ص ۴۱۶ پر تو لکھتے ہیں کہ: ترک اولیٰ میں تو ایک کام کے دونوں پہلو جائز ہوتے ہیں، لیکن اس کے بعد ہی ص ۴۱۷ پر یہ فرماتے ہیں کہ: ترک اولیٰ خطاء احتہادی کی ہی قسم ہے۔ یہاں جائز کام کو خطا قرار دے دیا۔ ماشآء اللہ ماہنامہ بیّنات کراچی کے مفتی حضرات سے بھی یہ عرض ہے کہ وہ فتویٰ اچھی طرح تحقیق کے بعد صادر فرمایا کریں۔ کاش کہ وہ ابوریحان صاحب کی کتاب ''سبائی فتنہ'' کو بھی پڑھ لیتے!

☆☆☆

مولانا عبداللہ صاحب خطیب اسلام آباد کے مرسلہ زیر بحث استفتاء میں طارق کے نام سے مولانا ابوریحان کا یہ موقف پیش کیا گیا ہے کہ: ''اور سوم یہ کہ کتابیں خطائے اجتہادی سے جو بھری پڑی ہیں تو اس سے مقصود خود خطا کا ہونا بتانا نہیں بلکہ اس کا اجتہادی ہونا مقصود ہے کتابوں میں خطاء اجتہادی کا ذکر یہ بتانے کے لیے نہیں کہ صحابہؓ سے خطاء ہوئی تھی بلکہ یہ بتانے کے لیے کہ اگر تھی تو اجتہادی خطا تھی عنادی یا منکر نہ تھی۔ چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ نے کتب القوم مشحونۃ بالخطا الاجتہادی جو فرمایا ہے تو خطا کو خطاء منکر کہنے والوں کے رد میں فرمایا ہے نفس خطاء کے اثبات میں نہیں فرمایا''

الجواب

یہ ابوریحان صاحب بھی عجیب وغریب مصنف ہیں۔ زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ جنگ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں سے کون مجتہد مصیب تھے اور کون مجتہد مخطی۔ یعنی ان میں سے کس کا اجتہاد صحیح تھا اور کس کا غلط اور چونکہ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی اس میں حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا تسلیم نہیں کرتے بلکہ حضرت علیؓ کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ کو اقرب الی الحق قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے جواب میں محققین اہل سنت کی عبارتیں پیش کی تھیں جن میں حضرت علیؓ کو مصیب اور حضرت معاویہؓ کو مخطی قرار دیا گیا ہے اسی سلسلے میں میں نے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی یہ عبارتیں پیش کی تھیں:

وکتب القوم مشحونة بالخطاء الاجتهادی کما صرح به الامام الغزالی والقاضی ابو بکر وغیرهما.

اور قوم (اہل سنت) کی کتابیں خطاء اجتہادی کے قول سے بھری ہوئی ہیں جیسا کہ اس کی تصریح امام غزالیؒ اور قاضی ابو بکرؒ وغیرہما نے کی ہے

(خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۲۸۔ بحوالہ مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۲۴۹)

اس کے جواب میں یہ لکھنا کہ: کتابوں میں خطاء اجتہادی کا ذکر یہ بتانے کے لیے ہے کہ اگر (خطا) تھی تو اجتہادی تھی عنادی یا منکرنہ تھی یہ بھی کوئی علمی جواب ہے؟ یہ تو میرے ہی پیش کردہ موقف کا اثبات ہے۔ ابوریحان صاحب کو اس سے کیا فائدہ پہنچا۔ کیا میں نے یہ موقف پیش کیا تھا کہ حضرت معاویہؓ کی خطا عنادی تھی؟ اب سمجھ لیجئے کہ مندرجہ عبارت سے پہلے حضرت مجدّد صاحبؒ نے کیا لکھا ہے فرماتے ہیں کہ:

ومنازعات ومحاربات کہ درمیان ایشاں واقع شدہ است برمحامل نیک صرف باید کرد واز ہوا و تعصب دور باید داشت زیرا کہ آں مخالفات مبنی بر اجتہاد و تاویل بودہ نہ بر ہوا و ہوس۔ چنانکہ جمہور اہل سنت برانند۔ اما باید داخت کہ کہ محارباں حضرت امیر کرم اللہ وجہہ بر خطا بودہ اند وحق بجانب حضرت امیر بودہ لیکن چوں ایں خطائے اجتہاد است از ملامت دور است داز مواخذہ مرفوع۔ چنانکہ شارح مواقف از آمدی نقل می کند کہ واقعات جمل وصفین از روئے اجتہاد بودہ۔ شیخ ابوشکور سالمیؒ دو تمہید تصریح کردہ کہ اہل سنت وجماعت برانند کہ معاویہ با جمع از اصحاب کہ ہمراہ او بودند بر خطا بودند خطاء ایشاں اجتہادی بود و شیخ ابن حجر در صواعق گفتہ کہ منازعت معاویہؓ با امیرؓ از دئے اجتہا بودہ وایں قول را از معتقدات اہل سنت فرمودہ وآنچہ شارح مواقف گفتہ کہ بسیارے ازا اصحاب ما برانند کہ آں منازعت از روئے اجتہاد نہ بودہ مراد از اصحاب کدام گروہ داشتہ باشد۔ اہل سنت برخلاف آں حاکم اند چنانکہ گزشت وکتب القوم مشحونۃ بالخطاء الاجتہادی کما صرح بہ الامام الغزالی والقاضی ابوبکر وغیرہما۔ پس تفسیق وتضلیل درحق محارباں حضرات امیر جائز نباشد۔ الخ

اور جھگڑے اور لڑائیاں جو اصحاب کے مابین واقع ہوئی ہیں ان کا نیک محمل اختیار کرنا چاہیے اور نفسانی خواہش وہوس سے دور رکھنا چاہیے کیونکہ ان کی مخالفتیں اجتہاد اور تاویل پر مبنی تھیں نہ کہ ہوا وہوس پر۔ جیسا کہ جمہور اہل سنت کا یہی موقف ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ حضرت امیر (یعنی علی المرتضیٰ) کرم اللہ وجہہ سے لڑائی کرنے والے

خطا پر تھے اور حق حضرت امیرؓ کی جانب تھا لیکن چونکہ یہ خطا اجتہادی ہے اس لیے ملامت سے دور ہے اور اس پر مواخذہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ شارح مواقف (علامہ) آمدیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جمل وصفین کے واقعات اجتہاد کی وجہ سے ہوئے ہیں اور ان کی (یعنی اصحاب جمل وصفین) کی خطا اجتہادی تھی۔ یہ شیخ ابولشکور سالمیؒ نے (اپنی کتاب) تمہید میں تصریح کی ہے۔ کہ اہل سنت والجماعت کا یہ قول (حضرت) معاویہؓ اپنے ساتھیوں سمیت خطا پر تھے اور خطا ان کی اجتہادی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ قول اہل سنت کے معتقدات میں سے ہے اور شارح مواقف نے جو یہ لکھا ہے کہ ہمارے حضرات میں سے اکثر کے نزدیک یہ نزاع اور جھگڑا اجتہاد پر مبنی نہ تھا۔ انہوں نے اپنے اصحاب سے کونسا گروہ مراد لیا ہے حالانکہ اہل سنت کا فیصلہ ان کے خلاف ہے جیسا کہ پہلے گذرا (یعنی یہ اختلاف اجتہادی تھا) اور قوم (اہل سنت) کی کتابیں خطاء اجتہادی سے بھری ہوئی ہیں جیسا کہ اس کی تصریح امام غزالیؒ، قاضی ابوبکرؒ اور ان کے علاوہ اور حضرات نے بھی کی ہے۔ پس حضرت امیر (علی المرتضیٰؓ) سے جنگ کرنے والوں کو فاسق اور گمراہ قرار دینا جائز نہیں۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بحوالہ شیخ ابوشکور سالمیؒ یہ فرمایا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ (اور آپ کی جماعت علی المرتضیٰؓ سے جنگ کرنے والے ہیں) کی اجتہادی خطا کا قائل ہونا اہل السنّت والجماعت کے عقائد میں سے ہے۔

(۲) حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

مارا الجاربان حضرت ہیچ آشنائی نیست بلکہ جائے آنست کہ ازا یشاں درآزار باشیم اماچوں اصحاب کرام پیغمبر اند کہ ما بمحبت ایشاں ماموریم واز بغض وایذا ایشان ممنوع۔ ناچار ہمہ را دوست می داریم بدوستی پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات واز بغض و ایذائے الشیاں گریزاں کہ آں بغض وایذاء منجر بآں سرور می شود لیکن محق گوئیم ومخطی را مخطی حضرت امیر برحق بودند ومخالفان ایشاں برخطا زیادہ بریں فضولیست۔ الخ

ہمیں حضرت امیرؓ سے لڑنے والوں کے ساتھ کوئی آشنائی نہیں ہے بلکہ یہ مقام ایسا ہے کہ ہمیں ان کی (اس جنگ کی) وجہ سے دکھ پہنچتا ہے۔ لیکن وہ چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں کہ ہمیں ان کی محبت کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے ساتھ بغض وایذاء سے منع کیا گیا ہے اس لیئے ناچار ہم تمام اصحاب کو دوست رکھتے ہیں بوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کے اور ہم ان کے بغض وایذاء سے دور بھاگتے ہیں کیونکہ ان (صحابہ کرام) کا بغض وایذاء آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے لیکن حق والے کو حق پر کہتے ہیں اور خطا والے کو خطا پر اس سے زیادہ کہنا فضول ہے)

(خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۰۹ بحوالہ مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب نمبر ۳۶۶ طبع قدیم ص ۳۳۲)

فرمایئے حضرت مجدد الف ثانی حضرت علی المرتضیٰؓ کو ان محاربات میں حق پر اور حضرت معاویہؓ وغیرہ کو خطا پر کہنا بطور عقیدہ بیان کر رہے ہیں اور یہ بھی فرما رہے ہیں کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نہ ہوتے تو ان کی

حضرت علیؓ سے جنگ ہمارے لیے تکلیف کا باعث ہوتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت مجدد صاحبؒ کے نزدیک امام وقت حضرت علیؓ سے جنگ کرنا نفس الامر میں خطاء منکر اور گناہ ہے لیکن حضرت معاویہؓ چونکہ صحابی ہیں اور مجتہد ہیں اس کو اجتہادی خطا قرار دیا جائے گا اور میں نے بھی تو یہی کچھ لکھا تھا کہ:

(۱) حضرت علیؓ کا موعودہ خلیفہ راشد ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے لیکن دور صحابہ میں یہ نصوص صحابہ کرام کے پیش نظر نہ تھیں کیونکہ آیت وحدیث میں خلفاء اربعہ کے نام نہیں تھے۔ اس وقت صحابہ کرام نے اجتہاد کی بنا پر اپنا اپنا موقف اختیار کر لیا اور وہ اس میں معذور تھے۔ بحیثیت شرف صحابیت ہم حضرت معاویہؓ کے خلوص میں شبہ نہیں کر سکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے اجتہادی خطا کا صدور ہو گیا تھا اور اس میں نہ کوئی بے ادبی ہے نہ تنقیصِ شان الخ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۳۴)

(۲) البتہ ہمیں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مخصوص بلند شان کے پیش نظر اور حضرت معاویہ کو فقیہ و مجتہد قرار دیتے ہوئے خطائے اجتہادی سے زائد اور کوئی حکم لگانے کا حق نہیں پہنچتا اور خود سندیلوی صاحب کے نزدیک بھی: کسی صحابہ کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۵) حضرت معاویہؓ اور دوسرے حضرات صحابہؓ ان حالات میں معذور تھے اور یہ بھی ملحوظ رکھیں کہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے اصل اختلاف حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے اور نہ لینے پر مبنی تھا۔ چنانچہ امام غزالیؒ اور دوسرے محققین نے یہی فرمایا ہے جیسا کہ امام غزالیؒ کی عبارت احیاء العلوم سے کتاب ہذا ص ۳۱۶ پر نقل کی جا چکی ہے لیکن اب سندیلوی صاحب حضرت علی المرتضیٰ کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق تسلیم کر لینے

کے بعد معذور نہیں ہیں۔ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر آیت استخلاف کی نص قرآنی کے تقاضے کو مجروح کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں واضح طور پر خلافت موعود کا ذکر کر کے مسئلہ خلافت میں جن فتنوں کا دروازہ بند کیا تھا جو اپنے اپنے دائرہ میں رافضیت، خارجیت اور مودودیت کی شکل میں ظاہر ہوئے ہیں سندیلوی صاحب اس کے کھولنے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص۵۸۲)۔

(۳) اسی سلسلہ میں میں نے لکھا ہے کہ: البتہ یہاں بھی ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرعی عظمت کا پورا پورا تحفظ کرتے ہوئے جواب دیں گے تاکہ کسی پہلو سے ان جلیل القدر صحابہ کے بارے میں کوئی تنقیص و توہین لازم نہ آئے اور حضرات اکابر اہل سنت نے یہی طرز تحقیق اختیار فرمایا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا منسوب کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ (ایضاً ص۵۷۲)

(۴) تو حضرت معاویہؓ نے جو کچھ کیا ہے اجتہاد پر مبنی ہے۔ اس کو خطا تو کہہ سکتے ہیں لیکن باطل نہیں کہہ سکتے۔ پس صحابہ کرامؓ کی ان جنگوں میں جو اجتہاد پر مبنی ہیں خطا و صواب کا تقابل ہے نہ کہ حق اور باطل کا اور مجتہد کی تاویل کو قطعی البطلان نہیں کہہ سکتے (ایضاً ص۲۹۶)

(۵) میں نے ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کی عبارت پیش کرتے ہوئے لکھا تھا کہ، حافظ ابن حجر مکی ہیتمیؒ متوفی ۹۷۳ھ / ۹۷۴ھ مصنف صواعق محرقہ نے ہمایوں بادشاہ کے حکم سے حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل و مناقب کے بیان اور معترضین کے جواب میں ایک کتاب تطہیر الجنان لکھی تھی جس کا ترجمہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ نے بنام ''تنویر الایمان'' کیا ہے۔ اس میں ابن حجر مکی اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ: حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ پر خروج

کیا اور ان سے لڑے باوجود یکہ حضرت علیؓ امام برحق تھے باجماع اہل حل وعقد اور افضل واعدل واعلم تھے الخ فرماتے ہیں: اس سے حضرت معاویہؓ پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر وہ یہ کام بغیر کسی تاویل محتمل کے کرتے تو البتہ اعتراض ہو سکتا تھا اور یہ کئی مرتبہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے ایک تاویل محتمل کی بنا پر یہ کام کیا تھا۔ خود حضرت علیؓ کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ وہ مجتہد مخطی تھے۔ بہر حال وہ مستحق ثواب ہیں نہ گنہگار۔ (تنویر الایمان ص ۵۳) اس کے بعد اصحاب جمل اور اصحاب صفین دونوں کو معذور قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اور تاویل ان لوگوں کی یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے وارثان حضرت عثمانؓ کو قاتلان حضرت عثمانؓ کے قتل کرنے سے روک دیا تھا۔ یہی تاویل حضرت معاویہؓ کی بھی تھی۔ پس جیسا کہ ان جلیل القدر صحابہؓ نے بوجہ اس تاویل کے حضرت علیؓ سے لڑنا جائز سمجھ لیا تھا۔ حضرت علیؓ نے ان کی طرف سے عذر خواہی کی بوجہ اس کے کہ ان کی تاویل قطعی البطلان نہ تھی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہمارے بھائیوں نے ہم سے بغاوت کی۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ (ایضاً ص ۵۴) یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضرت معاویہؓ وغیرہ کے لیے جہاں لفظ باغی کا اطلاق کرتے ہیں اس سے مراد صورتاً بغاوت ہوتی ہے نہ کہ حقیقتاً۔ اسی طرح لفظ باطل کا استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی حضرت عمار بن یاسرؓ کے متعلق حدیث تقتلک الباغیة پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: انتہائی نتیجہ جو اس حدیث سے نکل سکتا ہے یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھی باغی ہوں اور یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ باغی ہونا ان کے لیے کچھ نقص نہیں۔ اور باوجود اس کے بھی وہ لوگ مستحق ثواب ہیں گہنگار نہیں ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجتہد جب اجتہاد کرے اور اس سے خطا ہو جائے تو اس کو ایک

ثواب ملتا ہے اور یہ بات خوب بسط سے بیان ہو چکی ہے کہ حضرت معاویہؓ مجتہد تھے اور اعلیٰ درجے کے مجتہد تھے۔ انہوں نے اس حدیث کی تاویل بھی ایسی کی ہے جو قطعی البطلان نہیں ہے۔ یہی کیفیت اسی باغی کی ہوتی ہے جو فاسق اور گنہگار نہیں ہوتا الخ ایضاً ص ۴۷ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۹۶ تا ۲۹۸)

اب قارئین انصاف فرمائیں کہ منقولہ بالا عبارات میں کیا میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جارحانہ انداز اختیار کیا ہے یا تخطیہ برائے تبریٰ نہیں بلکہ برائے تخطیہ کیا ہے یا میں نے حضرت معاویہؓ کی طرف سے دفاع کیا ہے اور جہاں اکابر کی عبارات میں حضرت معاویہؓ کے لیے باغی یا باطل کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں میں نے واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ اس سے مراد صورتاً بغاوت ہے نہ کہ حقیقتاً۔ کیا یہ عبارتیں ابو ریحان صاحب نے نہیں پڑھیں۔ حالانکہ انہوں نے میری اس قسم کی عبارتیں اپنی کتاب میں بھی نقل کی ہیں۔ اگر ابن حجر مکی۔ ابن حجر عسقلانیؒ، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ وغیرہ اکابر محققین اہل سنت نے حضرت معاویہؓ کے بارے میں باغی کا لفظ لکھا ہے تو وہ اکابر اہل سنت ہی ہیں اور میں نے ناواقفوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لیے اس کی توجیہ بھی کر دی ہے کہ مراد اس سے صورتاً بغاوت ہے تو اس کا نام سبائیت ہو گیا ع ایں چہ بو العجیست۔ اور حد یہ ہے کہ زیر بحث استفتا میں بھی یہی الزام تراشی کی گئی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: لیکن اس ترجیح کا انداز تحقیقانہ کے بجائے تنقیدانہ اور ترجیحانہ کے بجائے اگر جارحانہ اختیار کیا گیا ہے۔ خطاء اجتہادی سے بڑھ کر اس کو گناہ یقیناً سخت نافرمانی۔ اللہ کے حکم کی مخالفت نصوص قرآنیہ وحدیث کی خلاف ورزی وغیرہ وغیرہ سے اس کو بیان کیا گیا تو یہ تخطیہ یقیناً اس مجتہد کی بے ادبی اور تنقیص شان ہی کہلائے گا۔

الجواب

کیا میں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ سے خطائے اجتہادی کا صدور نہیں ہوا بلکہ گناہ تھا یا نصوص قرآنیہ وحدیث کی نافرمانی تھی۔ یا یہ لکھا ہے کہ بظاہر یہ نافرمانی بنتی ہے لیکن وہ مجتہد تھے اس لیے اس کو اجتہادی خطا کہا جائے گا جس پر مجتہد کو ایک اجر بھی ملتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اور ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ نے بھی یہی لکھا کہ حدیث تقتلک الفئة الباغية کے تحت یہ بغاوت ہی تھی اور حضرت علیؓ سے لڑنے والے باغی ہی تھے لیکن انہوں نے چونکہ اجتہاد وتاویل سے ایسا کیا اس لیے یہ ان کی خطائے اجتہادی ہی کہلائے گی اور وہ ایک اجر کے مستحق ہیں۔ چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:

حضرت امیرؓ با معاویہؓ جنگ وجدل فرمودہ نہ بواسطہ ورغبت درامر خلافت بودہ است بلکہ قتال با بغاۃ فرض می دانستہ ودفع انہا می کردہ۔ قال تبارک وتعاظم وتعالےٰ فقاتلو التی تبغی حتی تفئی الی امر الله غایت مانی الباب چوں محارباں حضرات امیر باغیاں ماول اندو صاحب رائے و اجتہاد اند اگرچہ دریں اجتہاد مخطی باشد از طعن وملامت واز تفسیق وتکفیر دوراند حضرت امیر در شان ایشان می فرماید۔ اخواننا بغوا علینا یسوا کفراً ولا فسقہ لما لہم من التاویل قال الشافعی وہو منقول عن عمر بن عبدالعزیز تلک وماءٌ طهر الله هنها ایدینا فلظهر عنها السنتنا (خارجی فتنہ اول ص ۴۸۶ بحوالہ مکتوب امام ربانی جلد ثانی مکتوب ع ۹۶ طبع قدیم ص)

حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے جنگ امر خلافت کی طرف سے اپنے ذاتی میلان ورغبت کی وجہ سے نہیں کی بلکہ انہوں نے باغیوں سے قتال فرض ہونے کی بنا پر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ تبارک وتعظم

فرماتے ہیں کہ باغیوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرو کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرلیں۔ اس امر میں آخری بات یہ ہے کہ چونکہ حضرت امیرؓ سے جنگ کرنے والے تاویل کرنے والے باغی ہیں اور وہ اہل رائے واجتہاد ہیں اگرچہ اس اجتہاد میں وہ خطا کرنے والے ہیں اس لیے طعن و ملامت کرنے اوران کو فاسق اور کافر کہنے سے دور ہیں۔ خود حضرت امیر المومنین علیؓ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ ہمارے بھائی ہیں۔ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے نہ وہ کافر ہیں اور نہ فاسق کیونکہ انہوں نے تاویل کی بناء پر ہم سے لڑائی کی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اور یہی بات حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے منقول ہے کہ یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے پاک رکھا ہے پس ہم کو چاہیے کہ اپنی زبانوں کو پاک رکھیں۔

(خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۸۷)

فرمایئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے حضرت امیر معاویہؓ کو باغی بھی کہہ دیا اور وہ بھی قرآن حکیم کی آیت کی روشنی میں۔ انہوں نے قرآن سے ثابت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والے باغی ہیں۔ یہ ان کا اصل حکم ہے لیکن چونکہ حضرت معاویہؓ صحابی ہیں اور مجتہد ہیں۔ انہوں نے تاویل کی بنا پر جنگ کی ہے اس لیے ان کو باغی ماؤل قرار دیا جائے گا۔ لیکن یہ خطائے اجتہادی ہے۔ میں نے جو لکھا ہے۔ کہ خطاء اجتہادی کہنے کے بغیر چارہ نہیں ہے تو ابوریحان صاحب فرمائیں کہ یہ کیوں غلط ہے؟ اگر یہ حقیقی بغاوت بھی نہیں ہے اور اجتہادی خطا بھی نہیں ہے تو کیا قرآن کی آیت کا یہ مطلب ہے کہ امام وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لڑنے والوں کی کوئی کسی قسم کی غلطی ہی نہیں ہے اور انہوں

نے جو کیا ہے وہ صواب ہی صواب ہے تو کسی محقق اہل سنت کا حوالہ دیں کہ کسی نے اس کے تحت یہی موقف اختیار کیا اور ''بینات'' کے مفتی حضرات کی خدمت میں بھی یہی عرض ہے کہ وہ بھی کوئی ایسا حوالہ پیش کریں۔

(۲) اگر حضرت معاویہؓ کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت غلط ہے اور کسی درجے میں یہ بے ادبی اور توہین ہے تو اس کو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اہل سنت کے عقائد میں کیوں شمار کیا ہے؟ کیا اہل سنت کا یہ عقیدہ غلط ہے، تصریح فرمائیں؟

(۳) صرف حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی نہیں بلکہ حسب ذیل حضرات نے بھی اجتہادی قول کو اہل سنت کا مذہب قرار دیا ہے۔ امام عبدالقاہر بغدادیؒ متوفی ۴۲۹ھ (الفرق بین الفرق ۳۴۳ طبع بیروت) علامہ ابن حزم اندلسیؒ متوفی ۴۵۶ھ (الفصل الملل والنحل) (۳) قاضی ابو بکر بن العربیؒ متوفی ۴۵۳ھ (العواصم والقواصم) واحکام القرآن جلد چہارم ج ص ۱۷۱۸ قاضی ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں...... اور علمائے اہل اسلام کے نزدیک یہ بات مقرر اور دینی دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ہی امام تھے اور جس نے بھی آپ کے خلاف خروج کیا ہے وہ باغی تھے (احکام القرآن جلد۴) (۴) غوث اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ متوفی ۵۶۱ھ فرماتے ہیں۔ وکان اماماً حقا الی ان قتل خلاف ماقالت الخوارج انه لم یکن اماماً قط. (غنیۃ الطالبین) اسی سلسلے میں لکھتے ہیں۔ فمن خرج من ذلک بعد ناصبه صربا کان باغیاً خارجاً علی الامام فجاز قتاله. حضرت علیؓ شہید ہونے تک امام برحق تھے۔ بخلاف خوارج کے کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ امام (حق) نہ تھے ان کے لیے ہلاکت ہے۔ پس آپ کے امام ہونے کے بعد جس نے آپ کے خلاف خروج کیا ہے اور آپ کے خلاف جنگ قائم کی ہے وہ امام کا باغی اور خارجی تھا اس لیے اس کے

خلاف قتال کرنا جائز تھا الخ (۵) امام نوویؒ متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں: وکان علی رضی اللہ عنہ ہو الحق المصیب فی ذلک الحروب ھذا مذھب اھل السنۃ (نووی شرح مسلم۔ کتاب الفتن جلد دوم ص ۳۹۰) اوران جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، ہی حق وصواب پر تھے اور اہل سنت کا یہی مذہب ہے (۶) حافظ ابن کثیر محدثؒ متوفی ۷۷۲ھ۔ حدیث اولی الطائفتین بالحق کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ان اصحاب علی اولی الطائفتین الی الحق وھذا ھو مذھب اھل السنۃ والجماعۃ ان علیاً ھو المصیب وان کان معاویہ مجتھد اوھو ماجوران شاء اللہ ولکن علیاً ھو الامام فلہ اجران الخ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۸۰ طبع بیروت) اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں گروہوں میں سے حضرت علیؓ حق کے زیادہ قریب تھے اور اہل السنّت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ حضرت علیؓ (اپنے اجتہاد) میں صواب پر تھے۔اگرچہ حضرت معاویہؓ بھی مجتہد ہیں اوران کو اجر ملے گا انشاءاللہ لیکن حضرت علیؓ ہی امام تھے اس لیے ان کے لیے دواجر ہیں۔

(۷) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں۔ وذھب جمھور اھل السنۃ الی تصویب من قاتل مع علیؓ لامتثال قولہ تعالیٰ وان طائفتان من المومنین اقتتلوا الآیہ وفیھا الامر بقتال الفتنۃ الباغیہ وقد ثبت ان من قاتل علیاً کانوا بغاۃ وھو لآء مع ھذا التصویب یقفتون علی انہ لایتام واحد من ھولآء لا یقولون اجتھدوا افاخطئوا الخ (فتح الباری جلد ۱۳ کتاب الفتن ص ۵۸) اور جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ جو حضرت علیؓ کے ساتھ ہو کر لڑنے والے ہیں وہ صواب پر تھے کیونکہ انہوں نے اس آیت پر عمل کیا تھا۔اگر مومنین میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں الخ اور

اس آیت میں باغی گروہ کے ساتھ لڑنے کا حکم ہے اور تحقیق یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جنہوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ لڑائی کی ہے وہ باغی تھے اور یہ حضرات (یعنی جمہور اہل السنّت والجماعت) باوجود حضرت علیؓ اور ان کے گروہ کو صواب پر قرار دینے کے اس امر پر بھی متفق ہیں کہ جنہوں نے ان سے جنگ کی ہے وہ قابل مذمت نہیں ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد کیا جس میں ان سے خطا ہو گئی الخ۔

(۸) علامہ علی قاری حنفی محدثؒ متوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں: **واما كف الالسنة عن الطعن فيهم فان كلّا منهم مجتهد وان كان على رضى الله عنه مصيبا فلا يجوز الطعن فيها والا سلم للمومنين ان لا يخوضوا في امر هما قال عمر بن عبدالعزيز تلك دماءٍ طهر الله ايدينا منها فلا تلوث السنتنا بها. قال نووى رحمه الله كان بعضهم مصيباً وبعضهم مخطئاً معذوراً في الخطاء لانه كان بالا جتهادو المخطى اذا اخطاء لا اثم عليه وكان على رضى الله عنه هو الحق المصيب في تلك الحروب هذا مذهب اهل السنة** الخ (مرقاۃ جلد ۱۰ ص ۳۲۔ طبع امدادیہ ملتان) اور ان (یعنی صحابہؓ) پر طعن کرنے سے اپنی زبانوں کو روکنا اس وجہ سے ہے کہ وہ مجتہد تھے اگرچہ ان میں حضرت علیؓ مصیب تھے (یعنی آپ کا اجتہاد صحیح تھا۔) پس ان دونوں فریقوں میں سے کسی پر طعن جائز نہیں ہے اور مومنین کے لیے زیادہ سلامتی اس میں ہے کہ اس معاملے میں زیادہ غور وخوض نہ کریں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے پاک رکھا ہے۔ پس ہمیں ان کے ساتھ اپنی زبانوں کو ملوث نہ کرنا چاہیے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض مصیب تھے اور

بعض خطا کرنے والے مگر اس میں معذور تھے کیونکہ ان سے یہ خطاء اجتہاد کی بناء پر ہوئی اور اجتہاد میں خطا کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ہے اور ان لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حق اور صواب پر تھے۔ یہ ہے مذہب اہل سنت۔

ریحانی غلو

علامہ علی قاری حنفی محدثؒ نے تصریح کر دی ہے کہ صحابہؓ کے بارے میں طعن کرنے سے اپنی زبانوں کو روکنا چاہیے کیونکہ وہ سب مجتہد ہیں اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں مصیب ہیں اور حضرت علیؓ کو مصیب اور حضرت معاویہؓ کو مخطی ماننا یہ اہل سنت کا مذہب ہے لیکن مولانا ابو ریحان کو ان حنفی محدثؒ سے دل میں اس قدر تکدر ہے کہ وہ ان کی ایک دوسری عبارت کی آڑ لے کر ان کے متعلق لکھتے ہیں: کیونکہ مقلدین فقہا و محدثین نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کے بارے میں بالخصوص وہ گل افشانیاں کی ہیں کہ ان کا نام جانے بغیر ان کو پڑھنے والا یہ تمیز ہرگز نہیں کر سکتا کہ یہ کسی سنی فقیہہ محدث کے ارشادات ہیں یا کسی جلے بھنے رافضی دسبائی کی ہفوات۔ مثلاً دیکھئے یہ ہیں حافظ ملا علی قاری محدث حنفیؒ جن کی شرح فقہ اکبر اور شرح مشکوٰۃ میں ہی حضرت معاویہؓ کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ الخ (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۴۹۸) قارئین اندازہ فرمائیں کہ ان علامہ علی قاری محدثؒ کو ابو ریحان صاحب جلے بھنے سبائی اور رافضی لکھ رہے ہیں جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب فقہ اکبر اور مشکوٰۃ شریف کے شارح ہیں اور انہوں نے اپنی منقولہ بالا عبارت میں وضاحت کر دی ہے کہ ان جنگوں میں صحابہؓ کا اختلاف اجتہاد پر مبنی ہے اور ان پر طعن کرنے سے اپنی زبانوں کو روکنا چاہیئے۔ یہ ابو ریحان صاحب کی انوکھی سنیّت ہے جو کہ وہ حنفی فقہاء محدثین کو بھی سبائیوں اور رافضیوں کے زمرہ میں شمار کر رہے ہیں وہ خود بھی سوچیں کہ کس خطرناک مرض

میں وہ مبتلا ہیں۔

لفظ جور کی تاویل

اکابر اہل سنت کی کتابوں میں جہاں کہیں حضرت امیر معاویہؓ کے لیے باغی اور جائر وغیرہ الفاظ آئے ہیں وہاں میں نے اس کی تاویل پیش کر دی ہے لفظ باغی و باطل کے متعلق میں نے صاحب ہدایہ کی حسب ذیل عبارت پیش کی تھی کہ:

ثم یجوز التقلد من السلطان الجائر کما یجوز من العادل لان الصحابة تقلدوا من معاویة والحق کان بید علی رضی الله عنه فی نوبته الخ (کتاب ادب القاضی) پھر سلطان جائر سے عہدہ قبول کرنا جائز ہے جیسا کہ سلطان عادل سے قبول کرنا جائز ہے۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ نے حضرت معاویہؓ کی طرف سے عہدہ قبول کیا تھا حالانکہ اپنی خلافت کی باری میں حق حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا الخ) ھدایہ کی مندرجہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ بھی سلطان جائر تھے (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۱۶) اور ھدٰیہ کی یہ عبارت میں نے مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی کے جواب میں لکھی تھی جنہوں نے اپنی کتاب میں اس عبارت کو نظر انداز کر دیا تھا۔ پھر لفظ جائر کی توجیہہ میں نے شارح ہدایہ علامہ ابن ھمام کی درج ذیل عبارت پیش کی تھی۔ **ھذا تصریح بجور معاویة واطراد فی خروجه لافی اقضیة ثم انمایتم اذا بثت انه ولی القضاء قبل الحسن له واما بعد تسلیم فلا ویسمیٰ ذلک العام عامة الجماعة** الخ۔ یہاں حضرت معاویہؓ کے جور کی تصریح پائی جاتی ہے اور اس سے مراد ان کے فیصلوں میں جور نہیں ہے بلکہ حضرت علیؓ کے خلاف ان کے خروج کے زمانہ میں جور مراد ہے اور یہ بات تب پوری ہوتی ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ انہوں نے حضرت حسنؓ کی طرف سے خلافت تسلیم کرنے سے پہلے منصب قضا دیا

تھا نہ کہ اس کے بعد (کیونکہ صلح کے بعد تو حضرت معاویہؓ بالا تفاق خلیفہ برحق تھے) اور بعد از صلح تو اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھ دیا گیا تھا الخ (ایضاً ص ۴۱۷) پھر میں نے اسی سلسلہ میں لکھا تھا کہ: مولانا سندیلوی تو بہت آگے جا چکے ہیں ورنہ جہاں کہیں محققین اہل سنت نے حضرت معاویہؓ کو باغی یا جائر لکھا ہے تو اس سے مراد صورتاً جور و بغاوت ہے نہ کہ حقیقتاً کیونکہ انہوں نے مشاجرات میں جو کچھ کیا ہے بغرض دین کیا ہے البتہ ان سے اپنے اجتہاد میں غلطی ہو گئی ہے۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ارشاد فرماتے ہیں:

و آنچہ در عبارت بعضے از فقہاء لفظ جور در حق معاویہؓ واقع شدہ است و گفتہ کان معاویہؓ اماماً جائراً۔ مراد از جور عدم حقیت خلافت او در زمان خلافت حضرت امیر خواہد بود نہ جور یکہ مائش فسق و ضلالت است تا باقوال اہل سنت موافق باشد مع ذلک ارباب استقامت از ایشاں الفاظ موہمہ خلافت مقصود اجتناب می نمائندو زیادہ برخطا تجویز نمی کنند۔	اور بعض فقہاء کی عبارتوں میں حضرت معاویہؓ کے حق میں لفظ جور واقع ہوا ہے اور یہ کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ امام جائر تھے تو وہاں جور سے مراد یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں حق پر نہ تھے نہ کہ وہ جور جس کا نتیجہ فسق اور ضلالت ہے اور اصحاب استقامت اس قسم کے الفاظ کے استعمال سے بھی اجتناب کرتے ہیں جن سے اصل مقصود کے خلاف وہم پیدا ہوتا ہے۔ وہ خطا سے زیادہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں کوئی لفظ تجویز نہیں کرتے۔

علاوہ ازیں غایۃ شرح ھدایہ میں بھی ہدایہ کی زیر بحث مذکورہ عبارت کی یہی مراد بیان کی گئی ہے۔ اور یہی جمہور اہل سنت کا مسلک ہے۔ علاوہ

ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ گو حق کے مقابلے میں باطل ہوتا ہے لیکن حضرت معاویہؓ کے لیے باطل کا لفظ نہیں استعمال کیا جاتا کیونکہ آپؓ کا اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا اور جو قول اجتہاد پر مبنی ہو اسے باطل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مودودی صاحب کی زیادتی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے لیے باطل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مودودی صاحب نے حضرت معاویہؓ کے خلاف تنقیص وتفریط کا راستہ اختیار کیا ہے اور سندیلوی صاحب ان کے حق میں افراط غلو کی طرف چلے گئے ہیں الخ (ایضاً خارجی فتنہ ص ۴۲۲۔۴۲۳) مولانا اسحٰق صاحب سندیلوی نے جنگ صفین میں بہ نسبت حضرت علیؓ المرتضیٰ کے حضرت امیر معاویہؓ کو اقرب الی الحق قرار دیا ہے۔ وہ حضرت علیؓ سے خلافت سے معزول ہونے کے مطالبے کو بھی صحیح قرار دیتے ہیں۔ میں نے ان کے جواب میں اہل السنّت والجماعت کا متفق علیہ یہ موقف پیش کیا ہے کہ جنگ صفین میں حضرت علی المرتضیٰؓ حق وصواب پر تھے اور حضرت امیر معاویہؓ سے اس میں خطا اجتہادی کا صدور ہوا۔ پھر میں نے محققین اہل سنت کی منقولہ بالا عبارتیں پیش کی ہیں جن میں حضرت معاویہؓ کو باغی وغیرہ لکھا ہے تو میں نے وہاں اس کی توجیہہ بھی پیش کر دی ہے کہ اکابر کی مراد باغی قرار دینے سے صورتاً بغاوت ہے نہ حقیقتاً۔ حالانکہ ان اکابر نے حقیقتاً وصورتاً کا فرق وہاں بیان نہیں کیا تھا لیکن جب وہ اس امر کی تصریح کر دیتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ مجتہد تھے اور ان کا یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا اور ازروئے حدیث مجتہد مخطی کو بھی ایک اجر ملے گا تو یہی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت معاویہؓ نے جو امام وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا حتیٰ کہ باہمی حرب وقتال پر اس کی نوبت پہنچ گئی ہے تو یہ سب کچھ اجتہادی خطا کا نتیجہ ہے جس پر ان کو ایک اجر ملے گا اور چونکہ محققین اہلسنّت کی ان عبارتوں سے ناواقف قارئین غلط فہمی میں مبتلا ہو کر

حضرت امیر معاویہؓ سے بدظن ہو سکتے تھے اس لیے میں نے حضرت امیر معاویہؓ کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے ان کا دفاع کرتے ہوئے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ یہ بغاوت اور نافرمانی صورتاً ہے نہ کہ حقیقتاً۔ اس سے ہر اہل فہم یہ سمجھ سکتا ہے کہ میں نے حضرت معاویہؓ کا تخطیہ برائے تبریہ کیا ہے نہ کہ برائے تخطیہ میں نے صورتاً بغاوت وغیرہ قرار دے کر نہ صرف حضرت معاویہؓ بلکہ ان اکابر محققین کی مراد بیان کر کے ان کی طرف سے بھی دفاع کر دیا ہے تاکہ قارئین ان سے بھی بدظن نہ ہو جائیں لیکن برا ہو بدفہمی اور تعصّب کا کہ مولانا ابو ریحان جا بجا یہ لکھ رہے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہؓ کا دفاع و تبریہ نہیں کیا بلکہ میں نے جارحیت کا ارتکاب کیا ہے العیاذ باللہ

امامت و خلافت راشدہ کا فرق

حضرت علیؓ المرتضٰی کی موعودہ خلافت راشدہ کا جہاں میں نے اثبات کیا ہے وہاں میں نے شیعوں کے عقیدہ امامت کا بھی ابطال کر دیا ہے تاکہ ناواقف قارئین ان دونوں عقیدوں کا فرق سمجھ لیں بلکہ میں نے موعودہ خلافت راشدہ پر بحث کرتے ہوئے ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے نظریہ کی بھی تردید کر دی ہے جنہوں نے حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما جارحانہ تنقیدیں کی ہیں۔ میری تصانیف مودودی مذہب۔ علمی محاسبہ، اتحادی فتنہ، میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ، خارجی فتنہ حصہ اول و دوم، کشف خارجیت اور دفاع حضرت معاویہؓ اس پر شاہد عدل ہیں۔ اگر ابو ریحان صاحب کے نزدیک اسی کا نام سبائیت ہے تو پھر وہ بتائیں کہ سنّیت کیا ہے؟

ایک ریحانی مغالطہ

حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں جمہور اہل سنت کی اتباع میں میرے

پیش کردہ موقف (حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا) کے جواب میں مولانا
ابوریحان اکابر کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ **تلک دماءٌ طھر اللہ ایدینا منھا**
فلا نلوث اَلسِنَتنا بھا. یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان
سے پاک رکھا ہے پس ہمیں اپنی زبانوں کو ان سے ملوث نہیں کرنی چاہیے۔
حالانکہ میں نے خود خارجی فتنہ حصہ اول ص ۶۰۶ پر مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱۰ کے
حوالے سے علامہ علی قاری حنفی محدثؒ کی یہ عبارت لکھ دی ہے جس میں انہوں نے
لکھا: **اما کف الالسنۃ عن الطعن فیھم**. صحابہ کرامؓ پر طعن کرنے سے اپنی
زبانوں کو روکنا چاہیے۔ یہ بالکل صحیح ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی پر
کوئی مسلمان زبان طعن کھول نہیں سکتا۔ لیکن باوجود اس کے علامہ قاریؒ حضرت علیؓ
کو مصیب اور حضرت معاویہؓ کو مخطی کہتے ہیں۔ تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت
امیر معاویہؓ ہوں یا کوئی اور صحابی کسی کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت کرنا ان کے
شرف صحابیت کے منافی نہیں ہے البتہ طعن کرنا اس کے منافی ہے۔ علاوہ ازیں
علامہ علی قاریؒ یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ **والا مسلم للمومنین ان لایخو ضوا فی امر ھما**. اور مومنین کے لیے زیادہ سلامتی اس میں ہے کہ ان دونوں
کے اس معاملہ میں غور وخوض نہ کریں اور یہ بھی صحیح ہے کہ بلاضرورت مشاجرات
صحابہؓ کی بحث نہیں کرنی چاہئے لیکن بہ ضرورت اس کی بحث کو ابوریحان بھی جائز
قرار دیتے ہیں اور خود بھی کر رہے ہیں۔ اور میں نے بھی یہ بحث مودودی صاحب
اور سندیلوی صاحب کے جواب میں بہ ضرورت ہی کی ہے اور جب بحث کی
ضرورت پڑ جائے تو اہل سنت کا مسلک ہی مدلل طور پر پیش کیا جائے گا اور محققین
اہل سنت نے بہ ضرورت ہی اپنی تصانیف میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کو بطور عقیدہ پیش کر کے اس کو اہل سنت کا

مذہب قرار دیا ہے جیسا کہ اکابر محققین کی عبارتیں پہلے پیش کی جاتی ہیں۔

ایک سوال

مولانا ابو ریحان سے سوال یہ ہے کہ جس طرح میں نے اکابر کی عبارتیں پیش کی ہیں اسی طرح آپ بھی ان اکابر محققین اہل سنت کی ایسی عبارتیں پیش کریں جس میں یہ لکھا ہو کہ جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہؓ سے اجتہادی خطا کا صدور نہیں ہوا اور یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے یا حضرت علی المرتضیٰؓ سے بھی جنگ صفین میں اجتہادی خطا سرزد ہو گئی تھی۔

(۲) آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے اجتہادی خطا کے طور پر کبیرہ گناہوں کا سرزد ہونا تسلیم کر لیا ہے چنانچہ آپ کی عبارتیں پہلے پیش کی جا چکی ہیں (ملاحظہ ہو کتاب سبائی فتنہ حصہ اول ص ۲۲۹۔ ۴۱۸) حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہیں جن سے نہ صغیرہ گناہوں کا صدور ہوتا ہے نہ کبیرہ کا۔ اور حضرت معاویہؓ ہوں یا دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو معصوم بھی نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود آپ جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کو بخوشی قبول نہیں کرتے تاویلات کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ میں نے جہاں حضرت معاویہؓ کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے امام وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کی مخالفت کی یا نافرمانی کی اور وہاں اس امر کی بھی تصریح کر دی ہے کہ یہ آپ کی اجتہادی خطا تھی، تو اس کو آپ بے ادبی، گستاخی اور جارحیت پر محمول کرتے ہیں۔ آخر اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ کیا آپ حضرت امیر معاویہؓ کو مثل انبیاء یا ان سے بھی بڑھ کر معصوم مانتے ہیں؟

زیر بحث مسئلے کے تحت میں نے اپنی کتاب ''خارجی فتنہ'' حصہ اول میں جمہور اہل السنّت والجماعت کا یہ مؤقف پیش کیا تھا کہ مشاجرات صحابہ کرام خصوصاً

جنگ صفین میں قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علیؓ کا اجتہاد حق وصواب تھا اور حضرت امیر معاویہؓ سے اجتہادی خطا کا صدور ہوا۔لیکن ابوریحان مولانا عبدالغفور صاحب سیالکوٹی اتنی بات بھی برداشت نہ کر سکے اور جواب میں ''سبائی فتنہ'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب شائع کر دی اور چونکہ ابوریحان صاحب مولانا محمد عبداللہ صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے مدرسہ جامعہ فریدیہ میں مدرس بھی ہیں۔اس لیے انہوں نے ایک استفتاء مرتب کرا کے متعدد دارالافتاؤں اور علماء کو جواب کے لیے بھیجا۔اس لیے استفتاء میں میرا موقف خالد کے نام سے اور مولانا ابوریحان کا موقف طارق کے نام سے پیش کیا گیا ہے لیکن میرا موقف پیش کرنے میں علمی خیانت کا ارتکاب کیا گیا جس کی نشاندہی میں نے سابقہ مضمون میں کر دی۔

(۲) اسی زیر بحث استفتاء میں یہ لکھا ہے کہ: خالد کہتا ہے کہ صحابہؓ کا یہ تخطۂ وتصویب ہے بھی قطعی اور حتمی یعنی حضرت علیؓ مصیب ہیں تو قطعی طور پر مصیب ہیں اور حضرت معاویہؓ جو مخطی ہیں تو قطعی طور پر ایسے مخطی ہیں کہ ان کو مخطی ہی مانے بغیر نہ کوئی چارہ ہے اور نہ اس کے سوا دوسرا کوئی صحیح راستہ۔اس کے بالمقابل طارق کا کہنا ہے کہ صحابہؓ کا یہ تخطیہ وتصویب قطعی وحتمی نہیں ہے بلکہ محض ظنی ہے یعنی بوقت ضرورت شرعیہ وشدیدہ جوان کو مصیب اور مخطی کہا جاتا ہے تو محض ظناً کہا جاتا ہے قطعاً وحتماً نہیں کہا جاتا کیونکہ صحابہ کرامؓ کا اختلاف باتفاق اہل السنّت خالص اجتہادی اختلاف تھا اور اجتہادی اختلاف میں خطا وصواب جو کچھ بھی ہوا کرتا ہے خالص ظنی ہوا کرتا ہے قطعی وحتمی نہیں ہوا کرتا۔یہاں بھی صواب وخطا جو کچھ بھی ہوگی محض ظنی ہوگی قطعی ویقینی نہ ہوگی۔جن حضرات نے اس کو قطعی ویقینی کہا ہے تو انہوں نے درحقیقت صواب وخطا کو قطعی ویقینی نہیں کہا بلکہ اس کہ

اجتہادی ہونے کو قطعی کہا جاتا ہے۔

(ماہنامہ "بنیات" کراچی ص ۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ تمبر ۱۹۹۲ء)

"بنیات" کے مفتی حضرات

اس استفتاء کا مکمل متن "بنیات" میں شائع ہوا ہے۔ جس کا جواب بھی اسی شمارہ میں مفتی حضرات نے دیا ہے۔ چنانچہ حمد وصلوٰۃ کے بعد لکھتے ہیں: اما بعد یہ کہ خود بندہ نے اور بندہ کے رفقاء کار نے بھی جناب عالی کا استفتاء اور جناب خالد صاحب اور طارق صاحب کی تحریرات غور سے پڑھی ہیں۔ اس کے جواب کے سلسلے میں عرض یہ ہے کہ جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے معیار اور جس نوع کا ایمان حاصل تھا ان کے بعد تا قیامت کسی کو وہ ایمان حاصل نہیں ہوسکتا اور کفر وشرک اور معاصی سے جس درجہ کی نفرت دکراہت کسی فقیہہ مجتہد ولی، مفتی کو حاصل نہیں ہوسکتی۔" (ص ۳۷) اس کے بعد جناب مفتی صاحب نے حسب ذیل عنوانات کے تحت صحابہ کرامؓ کے فضائل بیان کیے ہیں: ایمان سے محبت اور معاصی سے صحابہ کرامؓ کی نفرت۔ صحابہ کرامؓ کا دینی تعاون وتناصر۔ صحابہ کرامؓ کا اخلاص دللہیت۔" اسی سلسلے میں لکھتے ہیں: انہی امور قطعیہ کی رو سے حق جل مجدہ کے نزدیک انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد جو مقام محبوبیت صحابہ کرامؓ کو حاصل تھا وہ پوری انسانیت میں کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو صریح نصوص کے ذریعہ وصیت فرمائی اور حکم دیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں نہ کوئی ایسا جملہ استعمال کیا جائے نہ ایسا رویہ اختیار کیا جائے جس سے ان کی تنقیص یا تحقیر ہوتی ہو یا ان کو ایذا پہنچ سکتی ہو کیونکہ صحابہ کرامؓ کی تنقیص خود رسول اللہ ﷺ کی تنقیص ہے۔ ان کی تحقیر آپ ﷺ کی تحقیر ہے۔ ان کو ایذا دینا رسول پاک ﷺ کو ایذا دینا ہے۔ بنائً علیہ نصوص شرعیہ

وقطعیہ کی روشنی میں صحابہ کرامؓ اعلٰے درجہ کے ایماندار اور متقی تھے۔" (ص ۳۸)

تبصرہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں یہاں تک جو کچھ حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے یہی اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ ہے اور بندہ خادم اہل سنت بھی اسی عقیدہ کی تحریر وتقریر کے ذریعے تبلیغ واشاعت کرتا ہے۔ بندہ کے نزدیک تمام صحابہ کرامؓ جنتی ہیں۔ چنانچہ میں نے لکھا ہے کہ: حضرت مجدد الف ثانیؒ، امام ابن حزمؒ (متوفی ۴۵۶ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ الصحابہ کلھم من اھل الجنة قطعاً (تمام صحابہؓ قطعاً جنتی ہیں) (رسالہ رد روافض ص ۱۴) ملاحظہ ہو الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۱۴۸)۔ بہر حال جو شخص حضرت امیر معاویہؓ کو صحابی مانتا ہے اس آیت کے تحت اس کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ حضرت معاویہؓ سیدھے جنت میں جائیں گے اور دوزخ کی آگ ان کو چھو بھی نہیں سکتی۔" (دفاع حضرت معاویہؓ ص ۱۷۸) اس کے بعد فضائل صحابہؓ کے سلسلے میں جناب مفتی صاحب موصوف (یعنی مولانا مفتی عبدالسّلام صاحب) لکھتے ہیں:

قطعی طور پر ان میں سے کسی جماعت کو باغی وخاطی قرار دینا غلط ہے ہاں گمان وظن کے درجہ میں جائز ہے ضروری نہیں۔ اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت قطعی طور پر حق پر تھی اور دوسری جماعت قطعی طور پر ناحق پر تھی اس کی کوئی دلیل قطعی قرآن میں نہیں ہے ہاں ظن وگمان کے درجے میں بعض کو صواب پر اور بعض کو خطا پر سمجھنا ممکن اور جائز ہے لازم نہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ کی ایک تیسری جماعت ایسی بھی تھی جس نے ان میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا تھا بلکہ یہ حضرات خاموشی کو اسلم سمجھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ بنص قطعی اسلام اور مسلمانوں کے سراپا خیر خواہ تھے۔ اللہ کی رضا اور خوشنودی صحابہ کرامؓ کے ساتھ

تھی۔ پھر یہ حضرات قطعی باغی اور خطا کار کیسے ہو سکتے ہیں بناءً علیہ ہمارے نزدیک دونوں تحریرات میں سے جناب طارقؔ صاحب کی تحریرات اقرب الحق واولیٰ بالصواب واثبت بالاخذ واقوی بالدلیل وانسب للتعبیر واوفق بالمذاہب ہیں اور جناب خالد صاحب کی تحریرات اس کے برعکس ہیں۔ مبنی بر خطا اور اقرب الی الخطاء ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم (ایضاً ص ۳۸)

تبصرہ

جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مفتی جناب مولانا مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی موصوف سے بندہ قبل ازیں بالکل واقف نہیں ہے۔ زیر بحث استفتاء کا جو جواب انہوں نے لکھا ہے اور خالد و طارق کی تحریرات کے پیش نظر انہوں نے جو محاکمہ فرمایا ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجتہدین کے اجتہادی اختلاف کی نوعیت نہیں سمجھتے ورنہ وہ یہ نہ لکھتے کہ: اہل السنت والجماعت کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت قطعی طور پر حق پر تھی اور دوسری جماعت قطعی طور پر ناحق پر تھی (ص ۳۸) کیونکہ اجتہادی اختلاف حق کے دائرے میں ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے متعدد بار اس بات کی تصریح کی ہے کہ: مشاجرات صحابہ اجتہاد پر مبنی تھے اور اجتہادی اختلاف میں صواب وخطا کا تقابل ہوتا ہے نہ کہ گناہ وثواب کا (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۹۰)

(۲) اور مولانا ابوریحان صاحب نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ: بلکہ خود حضرت قاضی صاحب مدظلہ، نے بھی اجتہادی خطا کے بارے میں بار بار یہ تصریح فرمائی ہے کہ: "وہ حق کے خلاف نہیں۔" حق کے دائرے میں ہوتی ہے۔" "اس کی نسبت کسی مجتہد کی طرف اس کی توہین نہیں۔" اس خطا کے باوجود بھی مجتہد کر ایک اجر ملتا ہے۔" (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۴۹۔۵۰)

ایک اور غلط توجیہہ

استفتاء میں طارق صاحب کے مؤقف کے تحت اجتہادی صواب وخطا کے بارے میں یہ لکھا گیا ہے کہ: جن حضرات نے اس کو قطعی ویقینی کہا ہے تو انہوں نے درحقیقت صواب وخطا کو قطعی ویقینی نہیں کہا بلکہ اس کے اجتہادی ہونے کو قطعی کہا ہے۔ (ایضاً بینات ص ۲۹)

الجواب

یہ توجیہہ تو جہالت در جہالت پر مبنی ہے کیونکہ میں نے جو امام ابن حزمؒ کی عبارت پیش کی تھی حسب ذیل ہے: فبهذا قطعنا على صواب على رضى الله عنه وصحة امامته وانه صاحب الحق وان له اجرين اجرا لاجتهاد واجر الاصابة وقطعنا ان معاوية ومن معه مخطئون مجتهدون ماجورون اجراً واحداً الخ (ص ۱۶۱) پس اس بنا پر ہم یقین رکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے اجتہاد میں صحیح ہیں اور آپ کی امامت وخلافت بھی صحیح ہے اور آپ اس میں حق پر ہیں اور آپ کے لیے اس میں دو اجر ہیں۔ ایک اجتہاد کا اور دوسرے صواب کا (یعنی اجتہاد کے صحیح ہونے کا) اور ہماری قطعی رائے ہے کہ حضرت معاویہؓ اور آپ کے ساتھی اجتہاد میں خطا کرنے والے ہیں اور ان کو اس میں ایک اجر ملے گا۔" (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۸۲-۲۸۳) اور ابو ریحان صاحب نے بھی میری یہ عبارت "سبائی فتنہ" حصہ اول ص ۳۲ پر درج کی ہے۔ اب کوئی صاحب علم وفہم بتائے کہ کیا امام ابن حزمؒ کی مندرجہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہاں اس مسئلہ کے اجتہادی ہونے کو قطعی اور یقینی کہا ہے نہ کہ ان کے مصیب اور مخطی ہونے کو۔ حالانکہ عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد یقیناً صحیح ہے اور حضرت معاویہ رضی

اللہ عنہ کا اجتہاد یقیناً غلط ہے۔

(۳) میں نے اسی سلسلہ میں علامہ سفارینیؒ کی بھی حسب ذیل عبارت پیش کی تھی کہ: وقد اتفق اھل الحق ان المصیب فی تلک الحروب والتنازع امیر المومنین علی من غیر شکٍّ الخ۔ اور اس بات پر اہل حق کا اتفاق ہے کہ ان جنگوں میں حق بلاشبہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا الخ (ایضاً مقام صحابہ ص ۱۰۷) (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۹۳) اور مولانا ابوریحان نے بھی میری مندرجہ عبارت اپنی کتاب سبائی فتنہ حصہ اول ص ۳۷ پر درج کی ہے اور امام اسفرائینیؒ (متوفی ۴۱۸ھ) کی مندرجہ عبارت کا ترجمہ بھی میں نے وہی لکھا ہے جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صاحب تفسیر معارف القرآن نے اپنی کتاب مقام صحابہ ص ۱۰۷ پر لکھا ہے۔ عبارت بھی صاف ہے اور ترجمہ بھی بالکل بے غبار۔

(۴) اور خود مولانا ابوریحان صاحب نے بھی میری پیش کردہ عبارات کا جو جواب اپنی کتاب میں لکھا ہے اس میں اُنہوں نے مذکورہ زیر بحث عبارتوں کا وہی صحیح مطلب تسلیم کیا ہے جو میں نے لکھا ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے۔ چنانچہ امام اسفرائینیؒ کی منقولہ عبارت کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ''یہاں حضرت علیؓ کو مصیب من غیر شک کہا گیا ہے۔ اس سے اصحاب جمل وصفینؓ کا مخطی من غیر شک ہونا بھی سمجھ میں آ گیا۔ غور فرمایئے کہ من غیر شک کا فتوی اجتہادی خطا وصواب پر لگایا جا رہا ہے اور اجتہاد بھی کس کا۔ صحابہ کا۔ اور وہ بھی عام فقہی مسائل میں نہیں بلکہ آپس کے مشاجرات میں۔ جبکہ عام فقہی اجتہادی خطا وصواب بھی سراسر ایک ظنی چیز ہے جس میں من غیر شک جیسے حتمی فیصلے بغیر وحی کے نہیں ہو سکتے اور جدید وحی اب آنے سے رہی۔ اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ علامہ سفارینیؒ اور

حضرت قاضی صاحب نے صحابہ کی مشاجراتی اجتہادلت میں قطعی فیصلہ کس بنا پر کر دیا ہے کیونکہ مسلک اہلسنت اور اصول اجتہاد کے پیش نظر تو اجتہادی خطاء وصواب کی اس جزم وحزم کے ساتھ قطعی تعیین کی کوئی معقول ومنقول وجہ جواز کم ازکم ہماری سمجھ میں تو نہیں آتی۔ (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۳۷۔۳۸) مولانا ابوریحان نے اپنی کتاب کے ص ۳۷۔۳۸ پر تو امام سفارینی کی عبارت کا صحیح مطلب قبول کر کے اس کا جواب دیا ہے لیکن اس کے بعد ص ۶۴ پر ان کو وہ تاویل باطل سوجھی ہے جو استفتاء میں پیش کی گئی ہے۔ چنانچہ ''ازالہ شبہ'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے اجتہادی صواب وخطا کی قطعی ویقینی تعیین صرف حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی ہی ایجاد نہیں بلکہ بعض علمائے اہل السنّت نے بھی اس کی تصریح نقل فرمائی ہے۔ چنانچہ ص ب ۱۵ پر ابن حزمؒ کی عبارت۔ فبهذا قطعنا على صواب علی رضی الله عنه. وقطعنا ان معاوية ومن معه مخطئون مجتهدون۔ اور ص ج ۱۵ پر امام سفارینیؒ کی عبارت۔ وقد اتفقا اهل الحق ان المصيب فی تلك الحروب والتنازع امير المومنين على من غيرشك. گزرچکی۔ ہے تو کیا ان حضرات کی طرف سے اجتہادی صواب وخطا کے یقینی اور قطعی ہونے کی یہ تصریح بھی اصول اجتہاد کے خلاف ہی قرار پائیگی۔ اس کا ازالہ یہ ہے کہ ان عبارتوں کی اگر کوئی مناسب تاویل نہ کی جائے تو اپنے ظاہری الفاظ اور صوری ساخت پرداخت کے اعتبار سے ان حضرات کی بھی یہ تصریح قطعاً اور من غیر شک اصول اجتہاد کے بالکل خلاف ہے۔ ہاں اگر اس کی کوئی مناسب تاویل کر لی جائے تو پھر اصول اجتہاد سے متصادم نہ رہے گی۔ مثلاً یہ کہ قطعاً اور من غیر شک کا تعلق صواب وخطا سے نہیں بلکہ ان کے اجتہادی ہونے سے ہے یعنی مقصود اصلی

صواب وخطا کی قطعیت کو بتانا نہیں بلکہ ان کے اجتہادی ہونے کی قطعیت کو بتانا ہے اور اس سے رد کیا جا رہا ہے ان لوگوں پر جو مذہب کو اختیار کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، کو مصیب اور حضرت معاویہؓ کو مخطی کہنے والا۔ لیکن اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا کو اجتہادی کی بجائے عنادی بتاتے اور کہتے ہیں۔ (ص ۶۵) ابو ریحان صاحب کی یہ تاویل امام ابن حزمؒ اور امام اسفرائنیؒ کی مذکور زیرِ بحث عبارات میں تو چل نہیں سکتی۔ یہ ابو ریحان صاحب کی ایک صدری تاویل ہے اور ان کے علم وفہم کا ایک شاہکار۔ سوائے وانا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

حضرت نانوتویؒ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ ایک شیعہ مجتہد کے جواب میں لکھتے ہیں۔ لاریب حضرت امیرؓ برحق تھے۔ ہم وہ نہیں کہ مثل شیعہ حق بات کو ہضم کر جائیں۔ اسی سلسلے میں لکھتے ہیں۔ تحقیقی جواب تو اسکا یہ ہے کہ لاریب اپنے ایام خلافت میں حضرت امیر افضل البشر تھے۔ بے شک وہ حق پر تھے اور حضرت عائشہؓ خطا پر تھیں۔ بوجہ خطا ونسیان معاتب نہیں الخ۔ یہ ماہنامہ حق چار یارؓ جون ۱۹۹۲ء میں ۴۳ حوالہ پر بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ اب ابو ریحان صاحب ہی فرمائیں کہ لاریب ظن کے لیے آتا ہے یا یقین کے لیے؟ بہرحال حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہ نے بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کو یقیناً حق وصواب پر اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یقیناً خطائے اجتہادی پر قرار دے دیا۔ کیا حضرت مولانا نانوتویؒ بھی اہل سنت کے اصول سے ناواقف تھے۔

☆ حضرت مولانا مفتی محمد شیخ صاحب بانی دار العلوم کراچی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اور علمائے امت کے اجماع نے ان مشاجرات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کا حق پر ہونا اور ان کے بالمقابل جنگ کرنے والوں کا خطا پر ہونا پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی قرآن وسنت کی نصوص مذکورہ کی بناء پر اس پر بھی سب کا اجماع واتفاق ہوا کہ جو فریق خطا پر بھی تھا اس کی خطا بھی اولاً اجتہادی تھی جو گناہ نہیں بلکہ اس پر ایک اجر ملنے کا وعدہ حدیث صحیح میں مذکور ہے اور قتل وقتال اور جنگ کے ہنگاموں میں کسی سے واقعی کوئی لغزش اور گناہ ہوا بھی ہے تو وہ اس پر نادم وتائب ہوئے الخ (مقام صحابہ ص ۱۱۴)

یہاں حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے پوری پوری وضاحت کر دی ہے کہ ان مشاجرات میں حضرت علیؓ کے حق وصواب پر ہونے اور فریق مخالف کے خطا پر ہونے کا اجماع ہے۔ تو کیا جس مسئلہ پر علمائے امت کا اجماع ہو جائے کیا ابوریحان صاحب اس کا بھی یقینی ہونا نہیں مانتے اور اجماع کو ظنی سمجھتے ہیں۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ ابوریحان صاحب انہی حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ کو فقیہ النفس لکھ چکے ہیں۔

(۶) امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی عبارت پہلے پیش کی جا چکی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا حق وصواب پر ہونا اور فریق ثانی کا اجتہادی خطا پر ہونا اہل سنت کے عقائد میں شامل ہے تو کیا ابوریحان صاحب کے نزدیک اہل سنت کے عقائد یقینی نہیں بلکہ ظنی ہیں؟

جامعہ اسلامیہ کے مفتی صاحبان

مولانا ابوریحان موقف کی تائید کرتے ہوئے جو الجامعۃ الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مفتی جناب مولانا مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی زیر بحث استفتاء کا جواب دیتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں: اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت قطعی طور پر حق پر تھی اور دوسری جماعت

قطعی طور پر ناحق پر تھی۔ اس کی کوئی دلیل قطعی قرآن میں نہیں ہے۔ ہاں ظن وگمان کے درجہ میں بعض کو صواب پر اور بعض کو خطا پر سمجھنا ممکن اور جائز ہے۔ لازم نہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ کی ایک تیسری جماعت ایسی بھی تھی جس نے ان میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا تھا بلکہ یہ حضرات خاموشی کو اسلم سمجھتے تھے۔ صحابہ کرام بنصِ قطعی اسلام اور مسلمانوں کے سراپا خیر خواہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی صحابہ کرامؓ کے ساتھ تھی پھر یہ حضرات قطعی باغی اور خطا کار کیسے ہو سکتے ہیں۔ بناءً علیہ ہمارے نزدیک دونوں تحریروں میں سے جناب طارق صاحب کی تحریرات اقرب الی الحق واولی بالصواب واقویٰ بالدلیل وانسب التعبیر واوفق بالمذاہب ہیں اور جناب خالد صاحب کی تحریرات اس کے برعکس ہیں مبنی بر خطا اور اقرب الی الخطاء ہیں واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔ ("بنیات" کراچی ۲۸۔ ستمبر۱۹۹۲ء)

تبصرہ

جناب مفتی صاحب موصوف سے ہمارا سوال ہے کہ کیا صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو ظناً باغی کہنے میں ان حضرات کی تنقیص وتوہین نہیں ہے اور یہ بھی فرمائیں کہ کیا قرآن سے ان کے ظناً باغی ہونے کا ثبوت مل سکتا ہے۔؟

(۲) امام اسفرائینیؒ امام ابن حزمؒ اور حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مشاجرات صحابہؓ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ یقیناً حق وصواب پر تھے اور دوسرے حضرات یقیناً خطا پر تھے۔ تو کیا ان حضرات کا یہ عقیدہ اہل السنّت والجماعت کے خلاف ہے۔؟

(۳) حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس مسلک پر اجماع نقل کیا تو کیا ان علمائے اہل سنت نے اصول اہلسنت کے خلاف اس پر اجماع کرلیا ہے اور یہ تمام حضرات اصول اہل سنت سے ناواقف تھے؟

(۴) کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معصوم ہیں کیونکہ آپ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی صحابہ کرامؓ کے ساتھ تھی پھر یہ حضرات قطعی باغی اور خطا کار کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ چونکہ صحابہ کرامؓ کو جنت کی اور رضاء الٰہی کی بشارت مل چکی ہے۔ اس لیے وہ قطعی باغی اور خطا کار نہیں ہو سکتے یعنی ان سے یقینی طور پر خطاء اجتہادی کا بھی صدور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے گناہ کبیرہ سرزد ہوا تھا۔ اس کے باوجود ہم اہل سنت ان کو جنتی مانتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: واهل السنة يقولون ان اهل الجنة ليس من شرطهم سلامتهم عن الخطاء بل لا عن الذنب بل يجوزان يذنب الرجل منهم ذنباً صغيراً او كبيراً ويتوب منه وهذا متفق عليه بين المسلمين الخ (شرح العقیدہ الواسطہ لابن تیمیہؒ ص ۴۵۶)

اور اہل السنّت والجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ اہل جنت کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ خطا سے سلامت رہیں بلکہ یہ شرط بھی نہیں ہے کہ وہ گناہ سے محفوظ رہیں۔ بلکہ جائز ہے کہ ان میں سے کوئی شخص گناہ کرے صغیرہ ہو یا کبیرہ اور وہ اس سے توبہ کر لیں اور یہ مسلمانوں کے مابین متفق علیہ ہے الخ

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ (جن کو ابو ریحان صاحب فقیہ النفس تسلیم کر چکے ہیں ایک اشکال وجواب کے تحت لکھتے ہیں: یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف امت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ صحابہ کرام معصوم نہیں۔ ان سے کبیرہ۔ صغیرہ ہر طرح کے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے اور ہوا بھی ہے۔ دوسری طرف یہ عقیدہ اوپر لکھا گیا ہے کہ سب کے سب عدولؔ ہیں اور عدل کے معنی اصطلاحی بھی سب کے نزدیک یہ ہیں جو کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب اور صغیرہ پر مصر نہ ہو۔ اور جس سے گناہ کبیرہ سرزد ہو گیا یا صغیرہ پر اصرار ثابت ہو گیا وہ ساقط

العدالت کہلائے گا جس کا اصطلاحی نام فاسق ہے۔ یہ کھلا ہوا تضاد ان دونوں عقیدوں میں ہے۔ اس کا جواب جمہور علماء کے نزدیک یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے کوئی بڑا گناہ بھی سرزد ہوسکتا ہے اور ہوا بھی ہے مگر ان اور عام افراد امت میں ایک فرق ہے کہ گناہ کبیرہ صغیرہ سے جو کوئی شخص ساقط العدالت یا فاسق ہوجاتا ہے۔ اب اس کی مکافات توبہ سے ہوسکتی ہے جس نے توبہ کرلی یا کسی ذریعے سے یہ معلوم ہوگیا کہ اس کی حسنات کی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس کا یہ گناہ معاف کر دیا وہ پھر عادل اور متقی کہلائے گا اور جس نے توبہ کی وہ ساقط العدالت فاسق قرار دیا جائے گا۔ اب توبہ کے معاملے میں عام افراد امت اور صحابہ کرامؓ میں ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ عام افراد امت کے بارے میں اس کی ضمانت نہیں ہے کہ انہوں نے توبہ کی یا نہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس کی حسنات نے سب سئیات کا کفارہ کردیا۔ مگر صحابہ کرامؓ کا معاملہ ایسا نہیں۔ اول تو ان کے حالات کا جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ گناہ سے کتنے ڈرتے اور بچتے تھے اور کبھی کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو اس کی توبہ صرف زبانی کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کوئی اپنے آپ کو بڑی سے بڑی سزا کے لیے پیش کردیتا ہے کوئی اپنے آپ کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیتا ہے۔ جب تک قبول توبہ کا اطمینان نہیں ہوجاتا اس کو صبر نہیں آتا۔ صحابہ کرامؓ کی اس خوف وخشیت کا تقاضا یہ ہے کہ جن حضرات سے توبہ کا اظہار بھی نہیں ہوا ہم ان کے بارے میں یہی ظن رکھیں کہ انہوں نے ضرور توبہ کرلی ہوگی۔ دوسرے ان کے حسانات اور سوابق اتنے عظیم اور بھاری ہیں کہ ان کے مقابلہ میں عمر بھر کا ایک گناہ حق تعالیٰ کے وعدے کے مطابق معاف ہی ہوجانا چاہیے۔ مگر صحابہ کرام کے معاملے میں ہمارا صرف یہ گمان ہی نہیں قرآن کریم نے اس گمان کی تصدیق بار بار کردی۔ کبھی صحابہ کرام کی خاص خاص جماعتوں کے لیے اس کا

اعلان کر دیا۔ کبھی صحابہ کرام وسابقین وآخرین کے لیے اعلان عام کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ بیعت حدیبیہ جس کو قرآنی بشارت کی وجہ سے بیعت رضوان اور بیعت شجرہ بھی کیا جاتا ہے۔ اس میں جو تقریبا ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ تھے۔ ان کے بارے میں کھلے الفاظ سے یہ اعلان فرمایا لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ۔ اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے راضی ہو گیا جب کہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے الخ (مقام صحابہ ص ۶۸ تا ۷۰)۔

اب مولانا مفتی عبدالسلام صاحب موصوف ہی فرمائیں کہ میں نے تو صرف یہ لکھا تھا کہ جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہؓ سے یقیناً اجتہادی خطا کا صدور ہوا ہے اور خطاء اجتہادی گناہ بھی نہیں بلکہ اس پر بھی مجتہد کو ازروئے حدیث بخاری ایک اجر ملتا ہے (اور مولانا ابوریحان صاحب نے میری اس تعبیر کو غلط قرار دیا حالانکہ حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ جو فریق خطا پر بھی تھا اس کی خطا بھی اولاً اجتہادی تھی جو گناہ نہیں بلکہ اس پر (یعنی خطائے اجتہادی پر) ایک اجر ملنے کا وعدہ حدیث صحیح میں مذکور ہے۔ (مقام صحابہ ص ۱۱۴) لیکن علامہ ابن تیمیہ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تو اہل سنت کا یہ مسلک لکھا ہے کہ بعض صحابہ کرام سے گناہ کبیرہ کا صدور بھی ہوا تھا لیکن توبہ اور حق تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق بہرحال وہ جنتی ہیں اور حضرت امیر معاویہؓ سے یقیناً حضرت علی المرتضیٰؓ سے جنگ کرنے میں اجتہادی خطا کا صدور ہوا ہے اور امام اسفرائنی۔ امام ابن حزم اور حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی یہی لکھا ہے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے خطاء اجتہادی پر اجماع نقل کیا ہے لیکن زیر بحث استفتاء کے جواب میں آپ نے میرے پیش کردہ اس

موقف کو مبنی بر خطا اور اقرب الی الخطا لکھا ہے اور مولانا ابو ریحان کے پیش کردہ موقف کو اقرب الی الحق اور اقوی بالدلیل وغیرہ لکھا ہے۔ حالانکہ ان کا پیش کردہ موقف حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ وغیرہ اکابر محققین کے پیش کردہ موقف کے خلاف ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ابھی تک مشاجرات صحابہ کی بحث میں اکابر محققین اہل سنت کے مؤقف کا مطالعہ ہی نہیں کیا۔ علاوہ ازیں یہ عرض ہے کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں

حضرت امیرؓ با معاویہؓ جنگ وجدل فرمودہ نہ بواسطہ میل ورغبت درامر خلافت بودہ است بلکہ قتال بابغاۃ فرض می دانستہ دو فعے اینہا می کردہ قال تبارک وتعاظم وتعالیٰ فقاتلوا التی تبغی حتی الی امر اللہ۔ غایت مافی الباب چوں محارباں حضرت امیر باغیاں مأول اندو صاحب رائے واجتہاد اند اگر چہ دریں اجتہاد مخطی باشد از طعن وملامت واز تفسیق وتکفیر دور اند الخ (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی مکتوب نمبر ۹۶ طبع قدیم ص ۱۷۴) حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے جنگ امر خلافت کی طرف اپنے ذاتی میلان درغبت کی وجہ سے نہیں کی بلکہ انہوں نے باغیوں سے قتال فرض ہونے کی بنا پر کی ہے۔ اللہ تبارک وتعاظم وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ باغیوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرو کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کر لیں۔ اس امر میں آخری بات یہ ہے کہ چونکہ حضرت امیرؓ سے جنگ کرنے والے تاویل کرنے والے باغی ہیں اور وہ اہل رائے واجتہاد ہیں۔ اگر چہ اس اجتہاد میں وہ خطا کرنے والے ہیں اس لیے طعن وملامت کرنے اور ان کو فاسق اور کافر کہنے سے دور ہیں الخ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۸۶) علاوہ ازیں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور امام اہل سنت حضرت مولانا حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنویؒ وغیرہ محققین اہل سنت نے بھی حضرت امیر معاویہؓ پر باغی ہونے کا اطلاق

کیا ہے۔ تو آپ ان حضرات پر کیا فتویٰ لگائیں گے؟ (۳) کتاب خارجی فتنہ حصہ اول میں دو اہم مسئلے زیر بحث آئے ہیں۔ (۱) حضرت علیؓ قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد تھے (۲) مشاجرات صحابہ (یعنی جنگ جمل وصفین) میں حضرت علیؓ حق وصواب پر تھے اور ان کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے خطائے اجتہادی کا صدور ہوا ہے۔ اس کتاب پر ماہنامہ بیناب کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل تقریظ لکھی ہے جس میں لکھتے ہیں کہ: بلاشبہ ان دونوں مسئلہ میں جناب مصنف نے اہل حق کے مسلک کی ٹھیک ترجمانی کی ہے۔ اہل حق پر جس طرح روافض کی تردید لازم ہے اسی طرح خوارج ونواصب کی تردید بھی لازم ہے اور جس طرح خلفاء ثلثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے دفاع کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے مدافعت کرنا بھی اہل حق کا فریضہ ہے۔ جناب مصنف کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اہل حق کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیا ہے۔ الخ (بنیات کراچی ص ۴۷ جنوری ۱۹۸۴ء)

کاش کہ جناب مولانا مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی اور ان کے رفقاء کار حضرات مشاجرات صحابہؓ کے مسئلہ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی سے ہی استفادہ کر لیتے۔ بہرحال بندہ نے جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مفتی حضرات کے فتوی پر جو تبصرہ لکھا ہے امید ہے کہ اپنے جواب سے ماہنامہ بنیات کو ہی مشرف فرمائیں گے۔

☆☆☆

اجتہادی صواب وخطا میں ریحانی موقف

ابوریحان مولانا عبدالغفور صاحب لکھتے ہیں: ”علمائے اہلسنت کی مذکورہ

بالا تصریحات سے یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہوگئی کہ اجتہادی واختلافی مسائل میں فقہاء کے مذہب کے مطابق حق نفس الامری تو اگرچہ ایک ہی ہوتا ہے لیکن چونکہ شرعی اجتہاد ہوتا ہی وہاں ہے جہاں کوئی نص قطعی نہیں ہوتی۔ اس لیے اس حق نفس الامری کی حتمی تعیین نہ اب دنیا میں قیامت تک ہو سکتی ہے اور نہ قیامت کے دن ہی ہی راز کھلے گا۔ اس لیے مجتہدین اُمت میں سے کسی کو مصیب یا مخطی محض ظناً واحتمالاً تو کہا جا سکتا ہے لیکن اس کی قطعی تعیین کی اصول اجتہاد کی رُو سے کوئی گنجائش نہیں۔ اکثر بیشتر ہر اجتہادی صواب محتمل الخطا اور ہر اجتہادی خطا محتمل الصواب ہے اور یہ بات تمام ائمہ فقہاء کے ہاں مسلّم ہے لیکن حضرت قاضی صاحب نے اہل السنّت کے اس مسلّمہ اصول کے علی الرغم صحابہ کے مشاجراتی اجتہاد میں ان کے اجتہادی صواب وخطا کی حتمی وقطعی تعیین صرف کی ہی نہیں بلکہ اول سے آخر تک اپنا سارا زور اس صواب وخطا کو قطعی ثابت کرنے بلکہ بنانے پر صرف کر دیا ہے الخ (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۲۸)

(۲) حضرت قاضی صاحب محدث عثمانیؒ (یعنی علامہ ظفر احمد صاحب عثمانیؒ) کی عبارت سے استدلال کر کے ان امامین ھمامین رضی اللہ عنہما کے اس اجتہادی صواب وخطا کے یقینی اور قطعی ہونے کی عبارت النص کے طور پر تصریح کر رہے ہیں۔ (ایضاً ص ۳۲)

الجواب

ائمہ فقہا کا پیش کردہ ضابطہ اپنی جگہ صحیح ہے لیکن میں نے جو امام ابن حزم، امام اسفرائینی، امام المحققین حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات پیش کی ہیں جو حضرت علیؓ المرتضیٰ کو یقیناً حق وصواب پر اور حضرت امیر معاویہؓ کو یقیناً خطا پر قرار

دے رہے ہیں۔ کیا ابو ریحان صاحب، کے نزدیک یہ حضرات اہل السنّت میں سے نہیں ہیں؟ اور امام اسفرائینیؒ تو یہاں تک لکھ رہے ہیں کہ:

"وقد اتفق اهل الحق ان المصيب فی تلك الحروب والتنازع امير المومنين علیؓ من غير شك"

(مقام صحابہ ص ۱۰۶)

اور یہ عبارت حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مقام صحابہؓ میں نقل کی ہے جن کو ابو ریحان صاحب فقیہہ النفس قرار دے چکے ہیں اور حضرت مفتی صاحبؒ نے خود بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے جیسا کہ ان کی عبارت پہلے درج کی جا چکی ہے۔ تو میں نے جو موقف پیش کیا ہے اس پر تو اہل حق کا اتفاق و اجماع ہے نہ یہ کہ بعض اکابر اہل سنت کا یہ قول ہے۔ اس میں اس خادم اہل سنت کا کیا قصور۔ میں تو ناقل ہوں کہ ان حضرات کا موقف نقل کر دیا ہے اور ظاہر ہے کہ اہل حق کا اتفاق و اجماع کسی مسئلہ پر بغیر دلائل کے نہیں ہوتا۔ خواہ اس کی دلیل ہمیں معلوم ہو یا نہ۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکابرؒ نے اس موقف کو اہل سنت کا مذہب قرار دیا ہے۔

(۲) اگر میں نے اہل حق کے اس متفق علیہ مسلک پر اپنی کتاب خارجی فتنہ حصہ اول میں زور دیا ہے تو اس میں شرعاً کیا جرم کیا ہے؟ میں نے خارجی فتنہ میں جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی ثم صدیقی کے نظریات پر بحث کی ہے جو اہل سنت کے خلاف ہیں۔ حدیث نبویؐ کی روشنی میں مشاجرات صحابہؓ میں اقرب الی الحق حضرت علی المرتضیٰؓ ہیں جنہوں نے خوارج کے خلاف جہاد کیا لیکن مولانا سندیلوی اس کے برعکس جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہؓ کو اقرب الی الحق قرار دیتے ہیں لیکن مولانا ابو ریحان صاحب کھل کر ان کی تردید نہیں کرتے

ع ایں چہ بوالعجبیست

(۳) میں نے بطور عبارت النص کے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو یقیناً برحق وصواب نہیں قرار دیا بلکہ بطور اقتضاء النص آپ کے اجتہاد کو یقیناً حق وصواب کہا ہے اور آیت استخلاف اور آیت تمکین کی روشنی میں پہلے تین خلفاء الراشدین امام الخلفاء حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی طرح حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو قرآن کا چوتھا موعودہ خلیفہ راشد ثابت کیا ہے اور اس میں اکابر مفسرین حضرات کے اقوال پیش کیے ہیں۔ یہاں ابوریحان صاحب سے میرا سوال ہے کہ کیا وہ قرآن کے ان مدعودہ چار خلفاءؓ راشدین کو یقیناً برحق خلیفہ مانتے ہیں یا صرف ظن وگمان کی بنیاد پر۔

(۴) میں اس سلسلہ میں پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی یہ عبارت پیش کر چکا ہوں کہ "اس وقت اگر ان خلفاء کا فیصلہ کسی مسئلہ کے متعلق یا ان کا فتویٰ کسی واقعہ کے متعلق پایہ ثبوت تک پہنچ جائے تو وہ (فیصلہ وفتویٰ) دلیل شرعی ہوگا۔"

(ازالۃ: الخفاء مترجم جلد اول ص ۷۹)

اور مجاہد جلیل حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ کی یہ عبارت بھی پیش کر چکا ہوں کہ: ایک امر یہ ہے کہ قوانین ریاست اور آئین سیاست جو خلیفہؓ راشد سے ظاہر ہوتے ہیں سنت بنویہ کا حکم رکھتے ہیں۔ پس خلفاءؓ عظام کا طریقہ بمنزلہ سنت انبیائے کرام کے ہے اور مناظرات میں استدلال اور معاملات وعادات میں ان سے تمسک کافی وشافی ہے۔ پس اس کے آئین استنباط قبیل سنت سے ہیں نہ کہ جنس بدعت سے۔" (منصب امامت مترجم ص ۸۹) حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ خلفائے راشدینؓ کے فتوے اور فیصلے کو شرعی دلیل قرار دیتے ہیں اور ان کے نبیرہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ خلفاء راشدین کے اجتہاد کو بمنزلہ

سنت نبویہ قرار دیتے ہیں۔ اب ہم مولانا ابو ریحان اور جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مفتی جناب مولانا عبدالسلام صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے نزدیک شرعی دلیل اور سنت نبویہ پر یقین کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۵) علامہ علی قاری حنفی محدثؒ فرماتے ہیں: **وقال ابو حنیفه لو لا علی لا یعرف السیرة فی الخوارج.** (شرح فقہ اکبر) امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر حضرت علیؓ نہ ہوتے تو خوارج کے بارے میں کوئی طریقہ نہ معلوم ہو سکتا۔

اور قاضی ابو بکر بن العربیؒ فرماتے ہیں: اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو تمام روئے زمین پر حضرت علیؓ سے زیادہ مستحق خلافت اور کوئی نہ رہا تو خدا کی تقدیر کے مطابق خلافت اپنے وقت اور موقع میں ان کے سپرد ہوئی اور خداوند تعالیٰ کو جو کچھ منظور تھا ان کی زبانی احکام اور علوم بیان فرمائے اور حضرت فاروقؓ نے کہا تھا کہ اگر حضرت علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا اور اہل قبلہ کی جنگ اور ان کی سمجھ اور ان کے علم کا اظہار ہوا کہ آپ نے ان کو دعوت دی، ان سے بحث کی اور جب تک جنگ شروع نہ ہوگئی آپ ان کی طرف نہ بڑھے۔ نہ جنگ میں ابتدا کی اور آواز دی کہ ہم جنگ میں پہل نہیں کریں گے اور حکم دیا کہ بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، زخمی کو قتل نہ کیا جائے، کسی عورت پر حملہ نہ کیا جائے، ان کا مال غنیمت نہ لوٹا جائے اور حکم دیا کہ مخالفین کی شہادت قبول ہے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ یہاں تک کہ اہل علم نے کہا ہے کہ اگر حضرت علیؓ کی یہ جنگ نہ ہوتی تو ہمیں باغیوں سے جنگ کرنے کا طریقہ ہی معلوم نہ ہوتا۔ (العواصم من القواصم مترجم ص ۳۱۶) (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۵۷-۵۵۹) اس کے بعد خارجی فتنہ میں میں نے لکھا ہے کہ: لیکن مولانا محمد اسحاق سندیلوی مشاجرات صحابہؓ کی بحث میں حضرت علی المرتضیٰؓ کو بحیثیت امام وقت مرکزی اور

بنیادی حیثیت نہیں دیتے اور وہ اس طرح بحث کرتے ہیں جس سے حضرت علی المرتضیٰ کا منصب خلافت راشدہ موعودہ مجروح ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: واقعات پر نظر کرنے سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ (یعنی صفین) میں حضرت معاویہؓ اقرب الی الحق تھے کیونکہ انہوں نے تا بامکان جنگ کو ٹالنے کی کوشش کی اور فوج کشی حضرت علیؓ نے فرمائی۔ پھر یہ کہ صلح کی پیش کش بھی حضرت معاویہؓ ہی کی طرف سے ہوئی۔ (اظہار حقیقت جلد دوم حاشیہ ص ۱۸۸) جب اہل حق کے نزدیک جنگ جمل وصفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اجتہادی عمل مابعد والوں کے لیے قابلِ اتباع بلکہ واجبِ اتباع اُسوہ ہے کہ اس سے خارجیوں اور باغیوں کے بارے میں احکام معلوم ہوئے تو کیا ان کے اس اجتہاد پر یقین نہیں کیا جائے گا؟

ابوریحان کی غلط فہمی

مولانا ابوریحان یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ: جو خطاء اجتہادی قیامت تک باقی رہتی ہے اس کی جیسے اصلاح قیامت تک نہیں ہوسکتی ایسے ہی ان کی قطعی تعین بھی قیامت تک نہیں ہوسکتی اور جو خطاء اجتہادی قیامت تک باقی نہیں رہتی اس کی جیسے اصلاح ہوسکتی ہے ویسے ہی اس کی قطعی تعین بھی ہوسکتی ہے۔ (حاشیہ ص ۲۱) آخر آپ نے بھی اجتہادی خطا کی قطعی تعین مان لی۔ خواہ اس کی صورت کچھ بھی ہو۔

(۲) اعلاء السنن کے حوالہ سے لکھتے ہیں: اور ایک صورت ایسے اجتہاد کی کہ جس میں خطاء اجتہادی باقی نہیں رہتی یہ ہے کہ اجتہاد کیوقت اس مجتہد فیہ مسئلہ میں نص موجود تو ہو لیکن مجتہد کو اتفاق سے معلوم نہ ہو اور اجتہاد کے بعد ظاہر ہوئی ہو اس صورت میں بھی اجتہادی خطا باقی نہ رہے گی بلکہ اجتہاد ہی باقی

نہ رہے گا۔ اگر مجتہد کی زندگی میں ہی وہ نص ظاہر ہوگئی تو مجتہد اور اس کے مقلدین دونوں کے حق میں اور اگر مجتہد کی وفات کے بعد ظاہر ہوئی تو اس کے مقلدین کے حق میں وہ خطا باقی نہ رہے گی یعنی اب ان کو اس پر عمل کرنا جائز یا اولی نہ رہے گا۔ (حاشیہ ص ۲۰ بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن ج ۲ ص ۲۳۵) اس سے بھی معلوم ہوا کہ صورت خواہ کوئی بھی ہو مجتہد کی خطا پر یقین بھی ہوسکتا ہے۔

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صحابہ کرامؓ کے اجتہادی اختلاف کی بحث میں لکھتے ہیں۔ ایک صحابی نے کوئی حکم کسی معاملہ میں یا استفتاء میں سنا تو اس کے مقلدین کے حق میں وہ خطا باقی نہ رہے گی یعنی اب ان کو اس پر عمل کرنا جائز یا اولٰی نہ رہے گا۔ (حاشیہ ص ۲۰ بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن ج ۲ ص ۲۳۵)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ صورت خواہ کوئی بھی ہو مجتہد کی خطا پر یقین بھی ہوسکتا ہے۔

(۴) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صحابہ کرامؓ کے اجتہادی اختلاف کی بحث میں لکھتے ہیں: ایک صحابی نے کوئی حکم کسی معاملہ میں یا استفتاء میں سنا اور دوسرے نے وہ حکم نہیں سنا۔ اس نے اس باب میں اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور یہ بھی کئی طور پر ہوا۔ اول یہ کہ اس کا اجتہاد موافق حدیث کے ہوا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نسائی وغیرہ نے روایت کیا کہ ابن مسعودؓ سے حال اس عورت کا پوچھا گیا جس کا شوہر مر گیا اور اس کا مہر مقرر نہیں کیا تھا۔ ابن مسعودؓ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ میں حکم دیتے نہیں دیکھا۔ لوگ ابن مسعودؓ کے پاس مہینہ بھر آتے رہے اور جواب مسئلہ کے لیے اصرار کیا۔ تب انہوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کر کے حکم کیا کہ اس عورت کو مہر مثل بلا کم وبیش چاہیئے اور اس کا عدت میں بیٹھنا ضروری ہے اور شوہر کے مال میں سے میراث کی مستحق ہے۔

معقلؓ بن یسار کھڑے ہوئے اور گواہی دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم ہمارے قبیلہ کی ایک عورت یعنی بردع بنت اشق کے حق میں فرمایا تھا۔ اس بات کے سننے سے ابن مسعودؓ ایسے خوش ہوئے کہ مسلمان ہونے کے بعد کبھی خوش نہیں ہوئے تھے۔ (کشاف ترجمہ انصاف ص ۱۰)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ مجتہد کا صواب پر ہونا یقینی بھی ہوتا ہے اور ابو ریحان صاحب نے جو کلیہ بیان کیا تھا اس کی استثنائی صورتیں بھی ہیں اور وہ خود بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں پھر وہ اتنی شدومد سے میرے متعلق یہ کیوں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت قاضی صاحب نے اہل سنت کے اس مسلّمہ اصول کے علی الرغم صحابہؓ کے مشاجراتی اجتہاد میں ان کے اجتہادی صواب وخطا کی حتمی اور قطعی تعیین صرف کی ہی نہیں بلکہ اول سے آخر تک اپنا سارا زور اس صواب وخطا کو قطعی ثابت کرنے بلکہ بنانے پر صرف کر دیا الخ (ایضاً ص ۲۸)

اگر میں نے حتمی اور قطعی تعیین اجتہادی صواب وخطا میں بیان کی ہے تو آپ نے بھی خود اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ آپ یہ تو کہہ سکتے تھے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صواب اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہادی خطا کے یقینی ہونے کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے یا جو دلیلیں میں نے پیش کی ہیں ان پر جرح کر سکتے تھے لیکن آپ کا یہ کہنا صحیح نہ تھا کہ میں نے اہل سنت کے مسلّمہ اصول کے خلاف کیا ہے۔

موعودہ خلافت راشدہ

میرے پیش کردہ مذکورہ موقف پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ مولانا ابو

ریحان صاحب نے تو اجتہادی صواب وخطا کے حتمی اور یقینی ہونے پر یہ قید لگائی ہے کہ ان کا یقینی ہونا کسی نص سے ثابت ہو جائے اور حضرت علی المرتضیٰ کے صواب اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے خطا کے ثابت کرنے کے لیے کونسی نص پائی جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ النور کی آیتِ استخلاف اور سورۃ الحج کی آیتِ تمکین سے خلفاء اربعہ کا موعودہ خلفاء راشدین ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ آیت استخلاف کے تحت لکھتے ہیں:

"خطاب فرمایا حضرت کے وقت کے لوگوں کو جو ان میں نیک ہیں پیچھے ان کو حکومت دے گا اور جو دین پسند ہے ان کے ہاتھ سے قائم کرے گا اور وہ بندگی کریں گے بغیر شرک"

یہ چاروں خلیفوں سے ہوا۔ پہلے خلیفوں سے اور زیادہ پھر جو کوئی اس نعمت کی ناشکری کرے ان کو بے حکم فرمایا۔ جو کوئی ان خلافت کا منکر ہو اس کا حال سمجھا گیا (موضح القرآن) حضرت محدث دہلویؒ نے واضح فرما دیا کہ جو کوئی ان چاروں خلفاء کی خلافت کا منکر ہو وہ بے حکم یعنی نافرمان ہے۔ اب فرمائیے کہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار نہیں کیا۔ اور کیا انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ نہیں کی۔

(۲) حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند رحمتہ اللہ علیہ آیت استخلاف کی تشریح میں لکھتے ہیں: "اس سے ثابت ہوا کہ تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالہ خوف اور تبدیلی امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہی چار یار رضی اللہ عنہ کے لیے تھا"

(ہدیۃ الشیعہ طبع قدیم ص ۵۶ طبع جدید ص ۷۵)

حضرت نانوتویؒ نے بھی آیت استخلاف کا مصداق صرف خلفاء اربعہ کو قرار دیا ہے اور ان کے لیے چار یارؓ کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔ یہ تازیانۂ عبرت ہے ان صاحبان کے لیے جو اپنے آپ کو دیو بند کی طرف تو منسوب کرتے ہیں لیکن حق چار یارؓ کے اعلان حق سے متوحش ہوتے ہیں۔

(۳) سورۃ الحج میں ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنا ھم فِی الْاَرَض اقاموا الصلوۃ وآتووا الزکوۃ وَ امر وابا لمعروف ونھو ا عن المنکر ولله عاقبة الامورہ (رکوع۔٦ آیت ۴۱) وہ لوگ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دے دیں تو نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کام کا حکم کریں اور بُرے کاموں سے روکیں اور ہر کام کا انجام تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ (ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی)

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی فاروقیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ”آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مہاجرین کو تمکین فی الارض دی جائے گی اور وہ لوگ زمانہ تمکین میں ایسے عمدہ عمدہ کام کریں گے“۔ پس اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ مہاجرین میں سے کن کن حضرات کو تمکین ملی۔ اس وقت ہمیں بحکم قرآنی یہ ماننا پڑے گا کہ ان لوگوں سے زمانہ تمکین میں اعمال صالحہ مذکورہ صادر ہوئے اور یہی مفہوم خلافت راشدہ کا ہے۔ ظاہر ہے کہ جماعت مہاجرین میں سے صرف چار بزرگوں کو تمکین ملی۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پس قرآن شریف پر ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ ان چاروں کو خلیفہ راشد مانیں اور زمانہ خلافت میں جو کام انہوں نے کیے ان کاموں کے پسندیدہ خدا ہونے کا یقین رکھیں۔ (تحفہ خلافت یعنی مجموعہ تفسیر آیات قرآنی ص ۴٦۷۔ ناشر جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم)

(ب) خاص کر حضرات مہاجرین کے لیے تو خاص قرآن شریف میں نص موجود ہے۔ (ایضاً تحفہ خلافت)

''مولانا لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف پر ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ ان چاروں کو خلیفہ راشد مانیں'' لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔

(۴) امام اہل سنت رحمتہ اللہ علیہ آیت استخلاف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلَّذِیْنَ آمنو اوعملو االصلحت دونوں صیغے ماضی کے ہیں پھر اس کے بعد لفظ منکم ہے۔ جو ضمیر حاضر پر شامل ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔ پس حضرت معاویہؓ اور حضرت امام مہدی یا خلفاء بنی امیہ و بنی عباس وغیرہ موعود لہم نہیں ہو سکتے۔ موعود لہم وہی صحابہ کرامؓ مہاجرین و انصار ہیں جو نزول آیت کے پہلے سے ان دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف تھے۔

(ایضاً تحفہ خلافت یعنی تفسیر آیات قرآنی ص ۱۱۹)

مذکورہ عبارتیں نقل کرنے کے بعد میں نے اپنی کتاب خارجی فتنہ حصہ اول میں لکھا تھا: ''امام اہل سنت مولانا لکھنویؒ کی مندرجہ تشریح سے رافضیت اور خارجیت دونوں کے نظریہ خلافت کا ابطال ہو جاتا ہے اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ خلافت راشدہ موعودہ جس کا مصداق صرف خلفاء اربعہ (چار یارؓ) ہیں آفتاب نصف النہار کی طرح بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں تقریباً تمام اہلسنت آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق خلفاء اربعہ ہی کو قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض مفسرین کی عبارتیں بطور نمونہ کتاب ص ۹۲ پر گزر چکی ہیں۔ دوبارہ

ملاحظہ فرمالیں"۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۴۳)

(۴) اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

اور اس جہت سے کہ آیت استخلاف یعنی وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت و آیت الذین ان مکنا ھم فی الارض (یعنی آیت تمکین) دونوں ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک کے مُطلق کو دوسری مقید کرتی ہے اور دونوں کے مجموعہ سے جو حاصل ہوا وہ مہاجرین اولین کا استخلاف ہے اور ان کی خلافت کی مدح اور اس بات کا بیان ہے کہ اگر تمکین فی الارض (یعنی ملک پر حکومت) ان کے حصہ میں آجائے تو ضروری ہے کہ دوسرا جزو کہ جس سے مل کر یہ خلافت راشدہ ہو جائے اس کے ساتھ منضم ہو جائے گا اور ان مباحث کی تقریر جلد اول میں گذر چکی ہے۔ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد دوم ص ۳۹۶)

اکابر محققین اہل سنت کی مذکورہ تشریحات سے یہ ثابت ہو گیا کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق صرف خلفاء اربعہ (چار یارؓ) ہیں اور مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے بھی آخر اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"حضرت علیؓ کی خلافت بھی آیت استخلاف اور آیت تمکین کی مصداق ہے" (جواب شافی ص ۱۰)

اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ: "مگر جب جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین وانصار اور اکابر صحابہ نے ان کی خلافت تسلیم کر لی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہوگئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔ ان کا (یعنی حضرت علیؓ کا) نقطہ نظر بھی اپنی جگہ صحیح تھا۔ اس پر شرعاً کسی اعتراض کی گنجائش نہیں" (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۱۲) (ایضاً خارجی فتنہ

حصہ اول ص ۲۲۷)

(۵) حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ اسی بحث خلافت میں لکھتے ہیں:

''پھر (یہ بھی سمجھ لو کہ) لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم پر (موعودہ خلفاء کی) اطاعت واجب کر دی ان امور میں جن میں خلیفہ کی اطاعت کرنی چاہیے مثلاً اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے حق میں فرمائیں کہ میں نے اس کو تم پر افسر بنایا (مثلاً) خلیفہ کہے کہ میں نے فلاں شخص کو تم پر قاضی بنایا یا (یوں کہے کہ) تمہارے مقدمات کے فیصلہ کرنے کا میں نے فلاں شخص کو اختیار دیا تو ایسا کہنا اس شخص کے وہ تمام حقوق ظاہر کر رہا ہے جو سردار لشکر کو لشکر پر یا قاضی کو رعیت پر (حاصل) ہوتے ہیں۔ گویا یہ لفظ خلافت کے تمام تفصیلی حقوق کے وجوب کو بالاجماع ادا کر رہا ہے اور (بغائر نظر دیکھنے سے) ایسا کہنے میں کہ میں نے فلاں کو تم پر خلیفہ بنایا اور ایسا کہنے میں کہ میں نے فلاں شخص سے وعدہ کر لیا ہے کہ کل اس کو خلیفہ بناؤں گا کوئی فرق نہیں ہے بعد اس کے کہ کل کا دن آجائے اور وہ وعدہ پورا ہو جائے۔'' (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اول ص ۷۷)

پھر اسی سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

''یہ معلوم ہو گیا کہ (الذین امنوا سے) مراد وقت نزول سورۃ النور کے مسلمان ہیں تو (یہ بھی واضح ہو گیا کہ) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء بنی امیہ اور خلفائے بنی عباس اس آیت کے وعدہ سے خارج ہیں الخ'' (ایضاً ص ۷۸)

خلفاء راشدین ابو ریحان کے پیش کردہ ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں

مولانا ابو ریحان نے اہل السنّت والجماعت کا جو یہ ضابطہ پیش کیا ہے کہ: ”مجتہدین امت میں سے کسی کو مصیب یا مخطی محض ظناً اور احتمالاً تو کہا جا سکتا ہے لیکن اس کی قطعی تعیین کی اصول اجتہاد کی رو سے کوئی گنجائش نہیں۔ اکثر و بیشتر ہر اجتہادی صواب محتمل الخطا اور ہر اجتہادی خطا محتمل الصواب ہے اور یہ بات تمام ائمہ فقہا کے ہاں مسلم ہے۔“ (ایضاً ص ۲۸)

لیکن اس اصول اجتہاد سے قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

”اس وقت اگر ان خلفاء کا فیصلہ کسی مسئلہ کے متعلق یا ان فتویٰ کسی واقعہ کے متعلق پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ (فیصلہ اور فتویٰ) دلیل شرعی ہوگا کہ مجتہد اس سے تمسک کرے گا کیونکہ وہ فیصلہ اور فتویٰ (بحکم اس آیت (استخلاف) کے) وہی دین پسندیدہ ہے جس کی تمکین واقع ہوئی۔ گو اجتہاد ہر مجتہد کا چاہے وہ مجتہد صحابی کیوں نہ ہو خطا کا احتمال رکھتا ہے اور جو لوگ ہر مجتہد کو (تمام مسائل میں) صواب ہی پر سمجھتے ہیں ان کے نزدیک ہر مسئلہ میں کئی کئی جواب ممکن ہیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ صواب پر ایک ہی مجتہد ہوتا ہے اور وہ دوسرا مجتہد (خطا پر مگر) معذور بے گناہ ہے۔ ان کے نزدیک احتمال خطا کا دونوں جانب ہے اور چونکہ خلفاء بھی مجتہد تھے لہٰذا ان کے فیصلے اور فتویٰ میں بھی احتمال خطا کا ہونا چاہئے لیکن یہ احتمالات ان مسائل کی حقیقت کو (یعنی حق ہونے کو) جو خلفاء کے زمانہ میں اور ان کی کوشش سے شائع ہوئے نہیں مٹا سکتے

(کیونکہ ان مسائل کی حقیقت آیت قرآنیہ سے ثابت ہو چکی) بہر حال (یہ تو یقینی ہے کہ) ان کا قول دوسروں کے قیاس اور استنباط سے زیادہ قوی ہوگا۔ المختصر لیمکنن سے موعودہ خلفاء کے زمانے میں دین حق کا باکمل وجوہ ظاہر ہونا بالکل واضح ہے۔ نہ جیسا کہ امامیہ کہتے ہیں کہ دین پسندیدہ ہمیشہ پوشیدہ رہا اور ائمہ اہل بیت ہمیشہ تقیہ کرتے رہے اور اپنے دین کے ظاہر کرنے پر کبھی قادر نہ ہوئے بلکہ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو دین پوشیدہ رہا وہ غیر پسندیدہ اور باطل ہے کیونکہ اگر پسندیدہ ہوتا تو اس وعدہ کے مطابق اس کو تمکین ملتی'' (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اول ص ۸۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ قدس سرہ نے نص قرآنی آیت تمکین (وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ) کی روشنی میں بڑی وضاحت سے فرما دیا ہے کہ دوسرے مجتہدین حتیٰ کہ دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجتہاد میں تو صواب وخطا کا احتمال ہے لیکن قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے اجتہاد میں یہ احتمال باقی نہیں رہتا۔ ان کا اجتہاد جو مسائل خلافت سے متعلق ہو حق وصواب ہی ہے اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ نے بھی تو اسی حقیقت اجتہاد کے متعلق فرمایا تھا کہ خلفاء راشدین کا اجتہاد سنتِ نبوی کا حکم رکھتا ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے بھی تو انہی آیات کی روشنی میں فرمایا تھا کہ:

اسی واسطے اہل تحقیق اس امر پر ہیں کہ خلافت خلفاء اربعہ مانند ان نصوص کے منصوص میں جب کہ تفصیل اس کی آیت استخلاف میں کہ اندر سورہ نور کے ہے اور آیت قتال مرتدین میں کہ اندر سورہ مائدہ

کے ہے اور آیت مخلفین میں غزوہ حدیبیہ سے کہ اندر سورۃ فتح کے مذکورہ ہے۔ تفسیر عزیزی پارہ اول مترجم ص ۲۷۶) (ایضاً ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۲۱)

اور انہی آیات کی بنا پر ہی امام ابن حزمؒ، امام اسفرائینیؒ، حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ اور فقیہہ النفس حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، صاحب تفسیر معارف القرآن وغیرہ اکابر نے بھی تو موعودہ خلفاء راشدین کی حقیقت خلافت کی بنا پر ہی یہ فرمایا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا اجتہاد بلا ریب یقیناً صحیح ہے اور فریق ثانی (صحابہ کرامؓ) کا اجتہاد یقیناً غلط ہے اور میں نے تو ان اکابر حضرات کے اقوال نقل کیے تھے جس پر مولانا ابو ریحان نے فرد جرم عائد کر دی۔ اب مولانا ابو ریحان کے ذمہ تو اس کا جواب ہے ہی مگر جامعہ اسلامیہ کے مفتی جناب مولانا عبدالسلام صاحب چاٹگامی پر بھی اس کا جواب دینا لازم ہے کیونکہ انہوں نے بھی بلا تحقیق ابو ریحان صاحب کے پیش کردہ موقف کی بھرپور تائید فرما دی۔

مولانا سندیلوی اور خلافت راشدہ

مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی (مقیم کراچی) نے بعنوان ''خلافت صدیقی'' ایک مضمون ۱۸ محرم ۱۳۹۳ھ کو لکھا جو غیر مطبوعہ ہے۔ میں نے خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۲۸/۲۲۷ اور ص ۴۴۴ تا ص ۴۴۸ پر ان کے مضمون کے چند اہم اقتباسات نقل کر دیے ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔ آیت استخلاف سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) آیت میں لفظ مـنـکـم (تم سے) قطعی اور یقینی طور پر بتا رہا ہے کہ مخاطب وہی حضرات ہیں جو نزول آیت کے وقت موجود تھے۔ (مضمون ص ۴)

(۲) یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ عطائے خلافت کا یہ مطلب نہیں کہ آسمان

سے کوئی تخت نمودار ہوگا جس پر کسی شخص کو بٹھا دیا جائے گا اور غیب سے ندا آئے گی کہ یہ خلیفۃ اللہ ہے۔ اسی کی اطاعت کرو یا کسی اور خارق عادت طریقے خلافت قائم ہوگی بلکہ اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائیں گے کہ وہ کسی شخص کو خلیفہ اور اپنا امام منتخب کر کے نظام خلافت قائم کریں۔ لیکن وہ اگر کسی کو منتخب ہی نہ کرتے تو خلافت کس طرح قائم ہوتی۔ یہ احتمال خارج از قیاس نہیں کیونکہ انتخاب خلیفہ فعل اختیاری ہے لیکن باوجود اس کے وعدہ بصیغہ تاکیداً تاکید فرمایا جن سے حسب قاعدہ عربی تاکید در تاکید ہوگئی اور ترجمہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بالضرور خلیفہ بنائیں گے۔ گویا کہ صحابہ کرامؓ سے فرمایا جا رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم خلیفہ کا انتخاب کرنا۔ ہماری توفیق خاص تمہاری رفیق ہوگی اور یہ نظام خلافت ہمارا موعودہ اور پسندیدہ نظام خلافت ہوگا۔ (ص ۵)

(۳) اس مرحلے (یعنی انتخاب خلیفہ) پر باوجود اخلاص غلطی کا بھی امکان تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ جلشانہ نے صحابہ کرامؓ کو بمنزل جارحہ (یعنی آلہ) بنالیا کہ بظاہر تو وہ حضرات دین کی حفاظت اپنے ارادے سے کر رہے ہیں لیکن درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہ، کا ارادہ اور لطف خاص اس طرح ان کے ارادے پر محیط تھا کہ وہ بلاتشبیہ اس طرح کام کر رہے تھے جیسے دست کاتب میں قلم۔ اس لیے امر کو بصورت وعدہ ذکر فرمایا گویا یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس کام کے حکم کے ساتھ ہم اس کی توفیق خاص بھی تمہیں دیں گے اور تمہاری نگرانی کریں گے تاکہ تم سے کوئی غلطی نہ ہو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم سے کوئی غلطی اس معاملے میں نہ ہوگی اور تمہارا انتخاب بالکل صحیح انتخاب ہوگا۔

(۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہو چکا تھا۔

اگر امر خلافت بصورت امر ہی ہوتا تو صدیق اکبرؓ کا انتخاب کرنے کے بعد صحابہ کرامؓ کو یہ فکر ہوتی کہ ہم نے حکم الٰہی کے مطابق عمل کیا ہے یا نہیں۔ اس کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا اس لیے امر بصورت وعدہ فرمایا گیا تا کہ انتخاب کے بعد وہ مطمئن ہو جائیں کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ عین مرضی الٰہی تھا۔

(۵) جب واقع ہو گیا تو بات روز روشن سے زیادہ روشن ہو گئی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امام برحق ہیں اور انہی کو خلیفہ بنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں مقرر فرمایا تھا۔ کیونکہ استخلاف کو آیت میں حق تعالیٰ جل شانہ نے خود اپنی ذات اقدس کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اگر معاذ اللہ ان کی خلافت کو باطل کیا جائے تو لازم یہ آتا ہے کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ نے وعدہ خلافی کی۔ وعدہ تو کیا مگر صحیح خلافت قائم کرنے کی ہدایت نہ فرمائی بلکہ باطل سربراہ کے (ان کو) تحت کر دیا۔

(۶) نیز یہ آیت خلافت صدیقی کے لیے نص ہے جس کا اقتضاء یہ ہے کہ آں محترم کو خلیفہ منتخب کرنا رضائے الٰہی اور حکم الٰہی کے مطابق تھا۔

(۷) آخر میں ارشاد فرمایا: **وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ** (جو شخص اس کے بعد ناشکری کرے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔ خلفاء راشدین کی خلافت کی حقانیت وصحت کا جو منکر ہو وہ فاسق ہے۔ ان حضرات میں سب سے پہلے خلیفہ صدیق اکبرؓ ہیں۔ ان کی خلافت کی حقانیت کا منکر بھی فاسق اور مستوجب عذاب آخرت ہے۔ یہ ان کی خلافت کے حق ہونے کا اعلان ہے۔ اور ان کے مخالفین کے لیے تہدید۔ ظاہر ہے کہ شیعہ ہی ان کی خلافت کے منکر ہیں۔ (ایضاً غیر مطبوعہ مضمون ص ۱۱)

مولانا سندیلوی نے آیت استخلاف کا جو مطلب بیان کیا ہے اور جس

طرح اس سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت حقہ ثابت کی ہے بالکل صحیح اور بے غبار ہے اور چونکہ مولانا موصوف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''حضرت علیؓ کی خلافت بھی آیت استخلاف اور آیت تمکین کی مصداق ہے'' (جواب شافی ص ۱۰)

اس لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے برحق خلیفہ راشد ہونے کے متعلق بھی مثل حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے یہی کہا جائے گا کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ امام برحق ہیں اور انہی کو خلیفہ بنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں مقرر کیا تھا الخ

اور پھر آیت ومن کفر بعد ذلک فاولٰئک ھم الفاسقون کے تحت انہوں نے یہ بھی صحیح فرمایا ہے کہ'' خلفاء راشدین کی خلافت کی حقانیت وصحت کا جو منکر ہو وہ فاسق ہے۔ ان حضرات میں سب سے پہلے خلیفہ حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔ ان کی خلافت کی حقانیت کا منکر بھی فاسق اور مستوجب عذاب آخرت ہے۔ یہ ان کی خلافت کے حق ہونے کا اعلان ہے اور ان کے مخالفین کے لیے تہدید ہے۔ ظاہر ہے کہ شیعہ ہی ان کی خلافت کے منکر ہیں۔ بیشک شیعہ پہلے تین موعودہ خلفاء راشدین کی خلافت راشدہ کے منکر ہیں'' اور ان پر اللہ تعالیٰ کی مذکورہ وعید صادق آتی ہے لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ موعودہ کے بھی منکر ہیں اور وہ خارجی ہیں اور ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی مذکورہ وعید صادق آتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شیعہ یہ اعتراض کرے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے منکر تھے بلکہ انہوں نے تو حضرت علی المرتضیٰؓ سے جنگ بھی لڑی ہے اور آخر تک آپ کی خلافت کو تسلیم نہیں

کیا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت راشدہ موعودہ میں ہی انہوں نے اپنی خلافت کے لیے بیعت شروع کر دی تھی تو کیا ان پر اللہ تعالیٰ کی مذکورہ وعید صادق نہیں آئے گی؟ تو مولانا ابو ریحان اور مولانا مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی کے پاس اس کا کیا جواب ہے اور آپ آیت استخلاف اور آیت تمکین کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیونکر دفاع کریں گے؟

(۲) اور میں نے مولانا سندیلوی پر بھی یہ اعتراض کیا تھا کہ جب آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مثل خلفاء ثلثہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق قرار دیتے ہیں تو ان کے بارے میں بھی یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ: انہی کو خلیفہ بنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں مقرر فرمایا تھا۔ تو پھر آپ نے اظہار حقیقت جلد دوم میں یہ کیوں لکھا ہے کہ:

''جن لوگوں نے انہیں منتخب کیا تھا ان میں شام یا دوسرے ممالک اسلامیہ کا کوئی نمائندہ نہ تھا بلکہ درحقیقت مدینہ طیبہ کے نمائندوں نے ان کا انتخاب کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ مہاجرین وانصار کی اکثریت بھی اس انتخاب میں حصہ دار نہ تھی۔ ان حالات میں جو خلافت منعقد ہوئی وہ جائز تو تھی لیکن محض ہنگامی تھی۔ اس کے استحکام اور اس کی بقا کے لیے استصواب رائے اور دوبارہ انتخاب کی حاجت سے انکار نہیں ہوسکتا'' الخ (ص ۱۷۳)

اسی سلسلے میں مولانا سندیلوی نے لکھا ہے کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علیؓ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے''۔ (اظہار حقیقت جلد دوم (ص ۴۲۲)

جب مولانا سندیلوی یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ: اس لیے امر کو بصورت وعدہ ذکر فرمایا گویا یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس کام کے حکم کے ساتھ ہم اس کی توفیق بھی تمہیں دیں گے اور تمہاری نگرانی کریں گے تاکہ تم سے کوئی غلطی نہ ہو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم سے کوئی غلطی اس معاملہ میں نہ ہوگی اور تمہارا انتخاب بالکل صحیح انتخاب ہوگا۔ (ایضاً مطبوعہ مکتوب)

جب اللہ تعالیٰ نے بصورت وعدہ فرما دیا کہ خلیفہ کے انتخاب میں تم (صحابہ) سے کوئی غلطی نہ ہوگی تو پھر مولانا سندیلوی کس بنیاد پر یہ بھی فرما رہے ہیں کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزاد نہ ہوتا تو حضرت علیؓ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور فیصلہ کو دوبارہ انتخاب خلیفہ کے وقت مخلوق کی کوئی طاقت بدل سکتی تھی؟ حالانکہ آپ کا پہلا انتخاب ہی صحیح تھا۔ اور قادر مطلق حکیم وعلیم جل شانہ کی توفیق خاص سے عمل میں لایا گیا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور انتخاب خلیفہ کے بارے میں مولانا محمد اسحٰق سندیلوی کی اس قسم کی تضاد بیانیوں کی وجہ سے میں نے ان پر سخت گرفت کی تھی اور لکھا تھا کہ: ''اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ تو فرمایا تھا کہ موعودہ خلفاء کے انتخاب میں غلطی نہیں ہونے دے گا اور اس نے حضرت علیؓ کو اپنے حکم اور وعدہ کے تحت خلیفہ بنا ہی دیا لیکن فریق ثانی کی اتنی قوت تھی کہ دوبارہ انتخاب میں ہوسکتا تھا کہ حضرت علیؓ شکست کھا جاتے'' یہ ہے سندیلوی صاحب کا قادر مطلق کے وعدہ اور حکم پر ایمان۔ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول از ص ۴۴۴ تا ص ۴۵۴) مولانا سندیلوی اور ان کے حواری قیامت تک اس کا جواب نہیں دے سکتے نہ ہی مولانا ابوریحان سندیلوی صاحب کی اس تضاد بیانی کا جواب دے سکتے ہیں۔

مولانا سندیلوی کی ایک اور کم فہمی

حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی نزاع اور جنگ وقتال کا فیصلہ کرنے کے لیے حکمین (ثالثوں) کا تقرر ہوا تھا۔ حضرت ابوموسیٰؓ اشعریؓ حضرت علیؓ کی طرف سے اور حضرت عمروؓ بن العاص حضرت معاویہؓ کی طرف سے حکم مقرر ہوئے تھے جنہوں نے بقول سندیلوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی معزول کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے متعلق مولانا سندیلوی لکھتے ہیں:

''بالفرض حکمین نے کتاب وسنت پر نظر کیے بغیر اپنی رائے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ حضرت علیؓ خلافت سے معزول ہو جائیں تو بھی اس فیصلے کی پابندی کرنا حسب معاہدہ حضرت علیؓ پر واجب تھا کیونکہ اس فیصلہ کے جواز میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ ہم یہ بھی مان لیں کہ یہ کسی آیت یا سنت سے ثابت نہیں مگر آیت یا حدیث کے خلاف بھی نہیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت منصوص تو نہ تھی کہ انہیں معزول کرنا جائز نہ رہا ہو۔ نصب وعزل امام کا مسئلہ اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے۔ حکمین نے رفع تنازع کے لیے یہی مناسب سمجھا اور جب انہوں نے فیصلہ کر دیا تو فریقین کے لیے اس پر عمل کرنا واجب تھا۔ خلافت سے دستبردار ہو جانا شرعاً کوئی فعل حرام اور گناہ تو نہ تھا۔ (ایضاً اظہار حقیقت ص ۳۸۱)

میں نے مولانا سندیلوی کی اس عبارت پر بعنوان ''تبصرہ'' یہ لکھا تھا کہ:

''جہاں تک حضرت علی المرتضیٰؓ رفع تنازع کے لیے رواداری کر سکتے تھے، آپ نے فرمائی۔ چنانچہ حکمین کا تقرر تسلیم کر لیا اور یہ بھی اس لیے کہ آپ فریق ثانی یعنی حضرت معاویہؓ کو حقیقتاً باغی قرار نہیں دیتے تھے (بوجہ ان کے اجتہادی اختلاف کے) لیکن جب حکمین نے آپ کو معزول کر دیا تو چونکہ یہ فیصلہ

آیت استخلاف کے خلاف تھا اس لیے آپ اس کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ **لاطاعة لمخلوقٍ فی معصیة الخالق** (جس کام میں خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے) حضرت علیؓ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا۔ سندیلوی صاحب اگر آیت استخلاف پر ایمان رکھیں تو ماننا پڑے گا کہ چونکہ حسب امر بصورت وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے اور اگر حضرت علی المرتضیٰؓ حکمین کا فیصلہ منظور فرمالیتے تو یہ بھی آیت کے تقاضا کے خلاف ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کام دہ کر ہی نہیں سکتے تھے اس لیے حضرت علیؓ سے وہی عمل صادر ہوا جو مرضی خدا تعالیٰ کے عین مطابق تھا۔ اگر بالفرض حضرت علیؓ معزول ہو جاتے تو آج ہم حضرت علی المرتضیٰ کو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ چوتھا موعودہ خلیفہ نہیں قرار دے سکتے تھے۔ اس صورت میں روافض کے لیے بھی خلفائے ثلثہؓ کے انکار کا راستہ کھل سکتا تھا اور وہ کہہ سکتے تھے کہ جس طرح حضرت علیؓ کو وعدہ خداوندی کے باوجود معزول کرنا صحیح ہے اسی طرح خلفاء ثلثہ کا انتخاب بھی باوجود وعدہ خداوندی صحیح نہ تھا اور وہ خلافت راشدہ پر فائز ہونے کے اہل نہ تھے۔ کیا سندیلوی صاحب کے پاس ازروئے علم و دیانت اس کا کوئی جواب ہے؟ (خارجی فتنہ حصہ اول ۴۵۴ تا ۴۵۶)

☆☆☆

مقام غور

یہ ایک علمی بحث ہے۔ قارئین حضرات توجہ فرمائیں چونکہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت حضرت علی المرتضیٰؓ کو

بھی قرآن کا موعودہ چوتھا خلیفہ راشدہ تسلیم کیا ہے اور آیت استخلاف کا مطلب بیان کرتے ہوئے یہ بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ بطور وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ بنانا ایسا ہی تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کو خلیفہ بنانے کا حکم دیا ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں مقرر فرمایا تھا اور یہ بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ وعدہ خداوندی کا تقاضا یہ ہے کہ انتخاب خلیفہ میں ان سے کوئی غلطی نہیں ہوگی آیت استخلاف کے اس تقاضے کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی المرتضیٰ کو خلافت سے معزول کرنا جائز تھا اور حکمین کا ان کو معزول کرنا صحیح تھا اور حضرت علیؓ کو خلافت سے دستبردار ہو جانا چاہیے تھا تو کیا جس خلیفہ کو حسب آیت استخلاف اللہ تعالیٰ نے خود ہی مقرر کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ نہیں ہے؟ اگر یہ نافرمانی اور گناہ نہیں تو پھر بتایا جائے کہ نافرمانی اور گناہ کس کو کہتے ہیں؟ اور میں نے یہ سب کچھ مولانا سندیلوی کے پیش کردہ مسلک اور آیت استخلاف کے تقاضا کے تحت لکھا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی تصریح کردی کہ حکمین کا چونکہ یہ اجتہادی فیصلہ تھا اس لیے یہ ان کی اجتہادی خطا تھی او میں نے اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارت بھی پیش کی تھی جس میں آپ نے ایک حدیث نبویؐ کے تحت یہ فرمایا ہے کہ حکمین سے اس فیصلہ میں اجتہادی خطا سرزد ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

"پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ تحکیم کی خبر دی۔ خصائص میں ہے کہ بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں اختلاف پیدا ہوا جو بڑھتا ہی رہا حتیٰ کہ انہوں نے حکمین (دو ثالث) مقرر کیے تو

انہوں نے غلط فیصلہ کیا اور دوسروں کو بھی غلط پر ڈالا اور اس امت میں بھی اختلاف پیدا ہوگا۔ ان کا اختلاف بھی بڑھے گا حتیٰ کہ وہ حکمین کو مقرر کریں گے۔ وہ بھی غلط راہ پر چلیں گے۔ ان ثالثوں کے گمراہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد میں خطا کی ہے اور ان کی پیروی کرنے والے گمراہ ہوں گے سے مراد یہ ہے کہ یہ خطا بہت مفاسد کا موجب بنے گی الخ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۵۷)

ریحانی خیانتیں

مولانا ابو ریحان بعنوان: "گناہ اور یقیناً سخت نافرمانی العیاذ باللہ" لکھتے ہیں۔ رفع تنازع کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بقول حضرت قاضی صاحب مدظلہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مساوی درجہ دے کر جب اپنا معاملہ ثالثوں کے سپرد کر دیا تو حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے ہی اقرار کے مطابق ہر دو ثالثوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کی معزولی کا فیصلہ دے دیا۔ (عملی مباحثہ ص ۱۴۱۔ بحوالہ دفاع معاویہؓ ص ۵۳) حکمین یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے اس فیصلے کے بارے میں حضرت قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا...... اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۵۵) بلکہ ان کو معزول کرنا حکم خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے۔ (ایضاً ص ۴۵۸) کتابوں میں حکمین مکرمین رضی اللہ عنہما کے دو فیصلوں کا ذکر ملتا ہے۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے امامین رضی اللہ عنہما دونوں کو معزول کر دیا تھا۔ اور دوسرا یہ کہ دونوں کو اپنی اپنی حدود میں خلیفہ بنا دیا تھا۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہ ان دونوں فیصلوں کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ دونوں فیصلے آیت استخلاف کے خلاف ہیں الخ (ایضاً ص ۴۵۸ ج ۱)
پھر یہی نہیں کہ حکمین کے یہ فیصلے اتفاقاً آیت استخلاف اور حکم خداوندی کے خلاف ہو گئے بلکہ حضرت قاضی صاحب کے نزدیک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمین کے اس گناہ۔ یقیناً سخت نافرمانی اور خلاف ورزی حکم خداوندی کی بطور پیش گوئی بہت پہلے اطلاع بھی فرما دی تھی۔ چنانچہ بحوالہ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی طرح میری امت میں بھی اختلاف پیدا ہوگا جو بڑھتا ہی رہے گا۔ بنی اسرائیل کی طرح میری امت بھی دو ثالث مقرر کرے گی جو بنی اسرائیل کے ثالثوں کی طرح غلطی کریں گے اور جو ان کی پیروی کریں گے وہ بھی غلط راہ پر چلیں گے...... اور پھر یہ پیش گوئی حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے نزدیک بالکل صحیح بھی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ حکمین کے فیصلہ کے غلط ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی فرمائی ہے...... وہ حق تعالیٰ کے وعدہ قرآنی کی روشنی میں بالکل صحیح ہے۔ (خارجی فتنہ ص ۵۸۳ ج اول) یہاں حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے ایک اجتہادی معاملہ سے متعلق حکمین کے فیصلے کو گناہ یقیناً سخت نافرمانی۔ آیت استخلاف اور حکم خداوندی کے خلاف جیسے اپنے ہی اقرار کے مطابق خطرناک الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے حالانکہ مشاجراتی اختلاف خود حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے اپنے اقرار کے مطابق بھی خالص اجتہادی اختلاف تھا۔ اس اختلافی اجتہادی معاملہ سے متعلق ظاہر ہے کہ ثالثوں کا فیصلہ بھی یقیناً اجتہادی ہی ہونا تھا۔ چانچہ خود حضرت قاضی صاحب نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محولہ بالا پیش گوئی کے الفاظ ...... ضلاَ وضلَ من اتبعھما...... کی مراد بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ سے اس فیصلے کے اجتہادی ہونے کی تصریح بھی نقل کی ہے۔ لکھتے ہیں: ان ثالثوں کے گمراہ

ہونے سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد میں خطا کی ہے اور ان کی پیروی کرنے والے گمراہ ہوں گے سے مراد یہ ہے کہ یہ خطا بہت مفاسد کا موجب بن گئی الخ (خارجی فتنہ ص ۴۵۷ ج اول) جب حکمین کا یہ فیصلہ بھی خالص اجتہادی ہوا تو بالفرض اس میں اگر خطا ہو بھی گئی تو تب بھی اس کو خطاء اجتہادی سے بڑھ کر ایسے خطرناک الفاظ سے تعبیر کرنا تو کسی طرح بھی جائز نہ تھا کیونکہ اجتہادیات کا یہ اصول مسلمہ ہے کہ مجتہد سے اجتہاد میں بالفرض اگر خطا ہو بھی جائے تو از روئے حدیث بخاری اس کو اپنے اجتہاد پر اجر ہی ملتا ہے الخ (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۱۲۸ تا ۱۳۰) اور زیر بحث استفتاء میں بھی میرے موقف کو خالد کے فرضی نام سے اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ: خالد جن صحابہ کو مخطی کہتا ہے ان کی اجتہادی خطاء کو گناہ۔ یقیناً سخت نافرمانی، اللہ کے حکم کی مخالفت، قصور از روئے نص قرآنی درحقیقت بالکل ناجائز اور بطور اصل حکم باغی ہی جیسے الفاظ سے بلا تکلف ذکر کر کے پھر ان کی مراد خطا اجتہادی سے بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ صحابہؓ کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرنے میں جب کہ ان کی مراد خطا اجتہادی سے بیان کر دی جائے صحابہؓ کی کچھ بھی کسر شان نہیں۔ الخ (ماہنامہ ''بینات'' ص ۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ ستمبر ۱۹۹۲ء)

الجواب

ابو ریحان مولانا عبد الغفور سیالکوٹی نے اپنی کتاب میں یہ الفاظ تو نقل کر دیے۔ گناہ اور یقیناً نافرمانی۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ میں نے مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے پیش کردہ کس موقف کے جواب میں یہ الفاظ لکھے تھے۔ حالانکہ علمی دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے وہ مولانا سندیلوی کی وہ عبارتیں نقل کرتے جن کے جواب میں میں نے مذکورہ الفاظ لکھے تھے۔ مولانا سندیلوی کی زیر بحث عبارتیں

پہلے درج کی جا چکی ہیں مثلاً یہ کہ انہوں نے آیت استخلاف کے تحت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے یہ لکھا ہے کہ:
جب یہ واقع ہو گیا تو یہ بات روز روشن سے زیادہ روشن ہو گئی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امام برحق ہیں اور انہیں کو خلیفہ بنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں مقرر فرمایا تھا الخ (خارجی فتنہ ص ۴۴۷)
اور انتخاب خلیفہ کے بارے میں مولانا سندیلوی نے آیت استخلاف سے یہ ثابت کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے گویا یہ فرمایا کہ: ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم سے کوئی غلطی اس معاملے میں نہ ہوگی اور تمہارا انتخاب بالکل صحیح انتخاب ہوگا۔ اور مولانا سندیلوی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق مانتے ہیں (جواب شافی ص ۱۰) لیکن اس کے باوجود حکمین کے اس فیصلے کو صحیح مانتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے معزول کر دیا تھا۔ اس بنا پر میں نے ان کے جواب میں الزاماً لکھا تھا کہ آیت استخلاف کے تقاضا کے تحت جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی مثل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اللہ نے ہی مقرر کیا تھا تو اللہ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً نافرمانی اور گناہ ہے۔ چنانچہ میرے الفاظ حسب ذیل ہیں:

''حضرت علیؓ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا۔ سندیلوی صاحب اگر آیت استخلاف پر ایمان رکھیں تو تو ماننا پڑے گا کہ چونکہ حسب امر بصورت وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا اس۔ لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے الخ'' (خارجی فتنہ اول ص ۵۵)

ابو ریحان صاحب نے میری یہ عبارت اپنی کتاب کے ص ۱۲۸ پر نقل کی

ہے لیکن درمیان میں سے یہ عبارت حذف کر دی ہے اور وہاں نقطے لگا دیے ہیں کہ: سندیلوی صاحب اگر آیت استخلاف پر ایمان رکھیں تو ماننا پڑے گا کہ چونکہ حسب امر بصورت وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ؓ خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ یہ ابو ریحان صاحب کی کتنی بڑی علمی خیانت اور بد دیانتی ہے۔ یہ عبارت اس لیے حذف کر دی تا کہ قارئین کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ میں نے کس کے جواب میں اور کس سیاق وسباق میں یہ لکھا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی قرآن مجید کی آیت صرف یہ بتائے کہ لاتقربوا الصلوۃ اور اس کے بعد وَاَنْتُمْ سُکَارٰی کو چھوڑ دے۔

(۲) ابو ریحان صاحب میرے متعلق یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

پھر یہی نہیں کہ حکمین کے یہ فیصلے اتفاقاً آیت استخلاف اور حکم خداوندی ہو گئے بلکہ حضرت قاضی صاحب کے نزدیک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمین کے اس گناہ۔ یقیناً سخت نافرمانی اور خلاف ورزی حکم خداوندی کی بطور پیش گوئی بہت پہلے اطلاع بھی فرما دی تھی۔ چنانچہ بحوالہ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی طرح میری امت میں بھی اختلاف پیدا ہوگا جو بڑھتا ہی رہے گا۔ بنی اسرائیل کی طرح میری امت بھی دو ثالث مقرر کرے گی جو بنی اسرائیل کے ثالثوں کی غلطی کریں گے اور جو ان کے پیروی کریں گے وہ بھی غلط راہ پر چلیں گے.........اور پھر یہ پیشن گوئی حضرت قاضی صاحب کے نزدیک بالکل صحیح بھی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: حکمین کے فیصلہ کے غلط ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی فرمائی ہے......وہ حق تعالیٰ کے وعدہ قرآنی کی روشنی میں بالکل صحیح ہے۔ (خارجی فتنہ ص ۵۸۳ جلد اوّل) یہاں حضرت قاضی صاحب مدظلہٗ نے ایک اجتہادی معاملہ سے متعلق

حکمین کے فیصلے کو گناہ یقیناً نافرمانی۔ آیت استخلاف اور حکم خداوندی کے خلاف جیسے اپنے ہی اقرار کے مطابق خطرناک الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے الخ (ایضاً ص ۱۲۹)

الجواب

یہاں بھی ابو ریحان صاحب نے نرا ریحانی بہتان تراشا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی کے حوالے سے جو میں نے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی نقل کی ہے اور ابو ریحان صاحب نے بھی وہ عبارت نقل کی ہے وہاں ابو ریحان صاحب ثابت کریں کہ میں نے گناہ اور یقیناً سخت نافرمانی کے الفاظ لکھے۔ حالانکہ وہاں میں نے غلط کا لفظ لکھا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ: حکمین کے فیصلے کے غلط ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشن گوئی فرمائی ہے الخ۔ اس کا مطلب تو یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کی روشنی میں حکمین کا فیصلہ غلط تھا اور اس غلطی سے مراد اجتہادی غلطی ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی منقولہ عبارت حسب ذیل ہے: اس امت میں بھی اختلاف پیدا ہوگا۔ ان کا اختلاف بھی بڑھے گا حتیٰ کہ وہ حکمین کو مقرر کریں گے جو غلطی کریں گے اور جو ان کی پیروی کریں گے وہ بھی غلط راہ پر چلیں گے الخ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۵۷) اس میں بھی غلطی کریں گے کے الفاظ ہیں۔ نہ کہ نافرمانی اور گناہ وغیرہ کے۔

(۳) ابو ریحان صاحب اسی سلسلے میں لکھتے ہیں کہ: اور پھر یہ پیش گوئی حضرت قاضی صاحب کے نزدیک بالکل صحیح بھی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: حکمین کے فیصلہ کے غلط ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشن گوئی فرمائی ہے...... وہ حق تعالیٰ کے وعدہ قرآنی کی روشنی میں بالکل صحیح ہے۔ (خارجی فتنہ ص ۵۸۳۔ ج اول) یہاں حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے ایک اجتہادی معاملہ سے متعلق

حکمین کے فیصلے کو گناہ، یقیناً سخت نافرمائی، آیت استخلاف اور حکم خداوندی کے خلاف اپنے ہی اقرار کے مطابق خطرناک الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے حالانکہ مشاجراتی اختلاف خود حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے اپنے اقرار کے مطابق بھی خالص اجتہادی اختلاف تھا الخ (ص ۱۲۹)

الجواب

(۱) میں نے خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۸۳ پر حکمین کے متعلق گناہ، نافرمانی وغیرہ کا کوئی ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ یہ ابو ریحان صاحب کی یہاں من گھڑت کاروائی ہے۔ ابو ریحان صاحب اگر ص ۵۸۳ کی میری پوری عبادت لکھ دیتے تو قارئین پر حکمین کے متعلق میرے موقف کی حقیقت واضح ہو جاتی۔ لیکن ابو ریحان صاحب نے ان کو اندھیرے میں رکھنے کے لیے مابعد کے الفاظ نقل نہیں کیے۔ میں نے تو نمبر ۶ کے تحت یہ لکھا ہے کہ: حکمین کے فیصلے کے غلط ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشگوئی فرمائی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا متن فارسی جلد دم میں جس کا ذکر فرمایا ہے (جس کی بحث کتاب ہذا ص ۴۵۶ پر بھی گزر چکی ہے) وہ حق تعالیٰ کے وعدہ قرآنی کی روشنی میں بالکل صحیح ہے البتہ ہمیں حضرت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی مخصوص بلند شان کے پیش نظر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فقیہہ و مجتہد قرار دیتے ہوئے خطائے اجتہادی سے زائد اور کوئی حکم لگانے کا حق نہیں پہنچتا اور خود سندیلوی صاحب کے نزدیک بھی۔ ''کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں''۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۵) فرمایئے اس عبارت میں میں نے حضرت امیر معاویہ اور حضرات حکمین شریفین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دفاع کیا ہے یا ان کو نافرمانی اور گناہگار ثابت کیا ہے۔؟

طریق بحث

چونکہ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی نے اپنی کتاب ''اظہار حقیقت'' جلد دوم میں یہ لکھا تھا کہ حکمین نے حضرت علیؓ کو معزول کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا وہ صحیح تھا نہ وہ قرآن کے خلاف تھا اور نہ حدیث کے۔ تو میں نے ان کے جواب میں لکھا تھا کہ آپ نے آیت استخلاف کی جو تشریح کی ہے اور جس بنا پر آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق ثابت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے مقرر کردہ خلیفہ تھے۔ اس وجہ سے تو حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت بھی قرآن سے برحق ثابت ہوتی ہے اور وہ بھی مثل حضرت صدیق اکبرؓ اللہ تعالیٰ ہی کے مقرر کردہ خلیفہ تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ ہے۔ اور یہ نتیجہ مولانا سندیلوی کے پیش کردہ استدلال پر ہی لازم آتا ہے لیکن ان الفاظ سے چونکہ ناواقف لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ حکمین واقعی اس معاملہ میں گناہگار اور فرمان تھے۔ اس لیے میں نے اس کے ازالہ کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی نقل فرمائی تھی جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکمین اس معاملہ میں غلطی کریں گے اور پیش گوئی کے یہ الفاظ ضلّا من ضلّ من اتبعھما اسے خود حضرت شاہ صاحب محدث نے اجتہادی خطا ہی مراد لی تھیں اور آیت استخلاف کے تقاضا کے خلاف حکمین نے جو فیصلہ فرمایا اس میں ان سے اجتہادی خطا کا صدور ہوا ہے جو گناہ نہیں جیسا کہ میں نے خارجی فتنہ ص ۵۸۳ پر اس کی تصریح کر دی ہے۔ اس کے بعد بھی کیا کوئی اہل علم و دیانت شخص حکمین کے بارے میں مجھ کو مورد طعن قرار دے سکتا ہے۔ ہر گز نہیں۔

ایک اور ریحانی تلبیس

مولانا ابوریحان لکھتے ہیں: سندیلوی صاحب کے جواب میں ممکن ہے جائز نہ رہا ہو لیکن مودودی صاحب کے جواب میں تو حضرت علیؓ کا تحکیم کو قبول کرنا۔ حضرت معاویہؓ کو مساوی درجہ دینا۔ حکمین کا ان دونوں حضرات کو معزول کرنا۔ حضرت علیؓ کو قطعاً حق پر اور حضرت معاویہؓ کو باطل پر نہ سمجھنا سب کچھ جائز تھا۔ (دیکھو علمی محاسبہ ص ۱۴۱۔ بحوالہ دفاع معاویہؓ ص ۵۳۔۵۴) (ایضاً سبائی فتنہ حاشیہ ص ۱۲۸)

الجواب

ابوریحان صاحب نے یہ تو مان لیا کہ مولانا سندیلوی کے جواب میں میرا یہ لکھنا کہ حکمین کا حضرت علیؓ کو معزول کرنا ممکن ہے جائز نہ ہو

کچھ تو سمجھیں خدا کرے کوئی

(۲) میں نے یہ کہاں لکھا ہے کہ: حکمین کا ان دونوں حضرات کو (یعنی حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) کو معزول کرنا جائز تھا بلکہ میں نے تو یہ لکھا ہے کہ: اور لطف یہ ہے کہ ہر دو ثالثوں نے اپنی فیصلہ میں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو معزول کر دیا تھا۔ حالانکہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قطعاً حق پر سمجھا جاتا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باطل پر تو پھر خلیفہ کو معزول کرنا کیونکر جائز ہو سکتا تھا اور یہ سوائے مودودی صاحب کے اور دشمنانِ صحابہ کے کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ صحابہ کے دونوں گروہوں نے اپنے میں سے جن دو جلیل القدر صحابہ یعنی حضرت ابوموسیٰؓ اشعری اور حضرت عمرو بنؓ العاص کو حکم تسلیم کیا تھا وہ احکام شریعت کو نہیں سمجھتے تھے یا دیدہ دانستہ انہوں نے شریعت کی مخالفت کی۔ پس ثالثوں کے تقرر سے ثابت ہو گیا

کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف نزاع حجت شرعی کی بنا پر اجتہادی تھا اور گو اس اجتہاد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطا ہوئی لیکن اس پر بھی حسب ارشاد نبویؐ آپ کو ایک اجر ملے گا خواہ مودودی صاحبان اس کو مانیں یا نہ مانیں واللّٰہ الھادی (علمی محاسبہ ص ۱۴۱۔۱۴۲) ابو ریحان صاحب نے یہاں بھی علمی محاسبہ کی مابعد کی عبارت چھوڑ دی ہے تاکہ قارئین پر حقیقت حال واضح نہ ہو جائے۔ میری مندرجہ عبارتیں ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے پیش کردہ مسلک کے جواب میں ہیں۔ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے میں اجتہادی خطا نہیں تسلیم کرتے بلکہ وہ اس معاملہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو باطل قرار دیتے ہیں۔ اس لیے میں نے ان کے جواب میں لکھا کہ "اگر حضرات حکمین حضرت علیؓ کو قطعاً حق پر سمجھتے اور حضرت معاویہؓ کو باطل پر سمجھتے تو پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا ان کے نزدیک بھی جائز نہ ہوتا اور حضرت علی المرتضیٰؓ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باطل پر نہیں سمجھا۔ چنانچہ میں نے اس بحث میں بعنوان "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باغی ہونے کا مطلب" یہ لکھا ہے کہ: حضرت معاویہؓ کی شخصیت کی بحث میں مودودی صاحبان جب کتاب وسنت کے دلائل سے عاجز آجاتے ہیں تو ان کتابوں کے حوالجات پیش کرتے ہیں جن میں حضرت معاویہؓ اور آپؓ کے گروہ کے متعلق باغی کا لفظ لکھا ہے حتیٰ کہ خود مودودی صاحب نے بھی خلافت وملوکیت میں اس قسم کے حوالجات پیش کیے ہیں۔

الجواب

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ بحث خلافت میں خلیفہ

سے بغاوت کرنے کی تیسری صورت میں لکھتے ہیں: تیسر صورت خلیفہ سے بغاوت کرنے کی یہ ہے کہ دین قائم کرنے کی غرض سے لوگ بغاوت کریں اور خلیفہ کی حقیقت (یعنی حق ہونے) اور اس کے احکام کے وجوب (طاعت) میں شبہ بیان کریں۔ پس اگر باغیوں کی یہ تاویل قطعی البطلان ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں جیسے حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں مرتدوں کی اور زکوۃ سے انکار کرنے والوں کی تاویل (نا قابل اعتبار تھی) اور تاویل کے قطعی البطلان ہونے کے یہ معنی ہیں کہ (یہ تاویل) نص قرآن یا سنت مشہورہ یا اجماع یا قیاس جلی کے مخالف ہو اور اگر وہ تاویل قطعی البطلان نہ ہو بلکہ مجتہد فیہ ہو تو وہ گروہ باغی تو ضرور ہوگا لیکن قرون اولی میں ایسے گروہ کا حکم وہی ہے جو مجتہد مخطی کا ہوتا ہے۔ اگر وہ گروہ خطا کرے تو اس کے لئے ایک اجر ہے لیکن جب کہ خلیفہ (وقت) سے بغاوت کرنے کی ممانعت کی حدیثیں جو صحیح مسلم وغیرہ میں مستفیض میں شائع ہوگئیں اور امت کا اجماع اس پر منعقد ہوگیا تو اب اگر کوئی بغاوت کرے تو اس باغی کے عاصی ہونے کا حکم ہم دیتے ہیں۔ (ازالۃ الخفاء مترجم۔ مقصد اول ص ۳۲۔ ترجمہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ) (علمی محاسبہ ۱۳۹۔ ۱۴۰) مندرجہ عبارات میں بھی میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کیا ہے اور اجتہادی خطا سے زائد کچھ نہیں لکھا اور حکمین کے بارے میں بھی صفائی پیش کی ہے اور ان کا موقف پیش کیا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت علیؓ کو معزول کرنا جائز تھا نہ یہ کہ حقیقتا ان کا یہ فیصلہ جائز تھا کیونکہ آیت استخلاف کا چوتھا مصداق چونکہ حضرت علیؓ تھے لہٰذا ان کو معزول کرنا جائز نہ تھا لیکن ان حضرات نے یہ فیصلہ اپنے اجتہاد کی بنا پر کیا تھا اس لیے یہ ان کی اجتہادی غلطی ہے نہ کہ نافرمانی اور گناہ۔ حضرت معاویہؓ نے بھی اپنے اجتہاد کی بنا پر ایک موقف اختیار کیا اور گو اس اجتہاد میں ان سے غلطی ہوگئی لیکن وہ بھی اس میں

معذور تھے۔

ایک شبہ کا ازالہ

میں نے اس عنوان کے تحت لکھا تھا کہ: قرآن کا موعودہ خلیفہ راشد حضرت علیؓ کو تسلیم کرنے اور حدیث نبوی **فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین** (تم پر میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت (طریقے) کی پیروی لازمی ہے) سے خلفاء ثلثہؓ کی طرح حضرت علیؓ کو مصداق قرار دینے کے بعد تو یہی لازم آتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے خلافت سے معزولی۔ دوبارہ انتخاب کا مطالبہ بالکل ناجائز تھا پھر اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے صرف یہ نہیں کہ دلیل سے اختلاف کیا بلکہ خلیفہ راشد سے جنگ وقتال بھی کیا۔ تو پھر حضرت معاویہؓ کے جو شیعہ کھلے مخالف ہیں ان کی مخالفت کو بھی حقیقت پر مبنی قرار دینا چاہیے لیکن بجائے اس کے اہل السنّت والجماعت شیعوں کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ کا دفاع کرتے ہوئے شیعیت اور مودودیت کی تردید کرتے ہیں اور حضرت معاویہؓ کی کسی پہلو سے بھی تنقیص گوارا نہیں کرتے۔

الجواب

(ا) حضرت علی کا موعودہ خلیفہ راشد ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے لیکن دور صحابہ رضی اللہ عنہ میں یہ نصوص صحابہ کرام کے پیش نظر نہ تھیں۔ کیونکہ آیت وحدیث میں خلفاء اربعہ کے نام نہیں تھے۔ اس وقت صحابہ کرام نے اجتہاد کی بنا پر اپنا اپنا موقف اختیار کر لیا اور وہ اس میں معذور تھے۔ بحیثیت شرف صحابیت ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص میں شبہ نہیں کر سکتے۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے اجتہادی خطا کا صدور ہو گیا تھا اور اس میں نہ کوئی بے ادبی ہے نہ

تنقیصِ شان کیونکہ اجتہادی خطا پر بھی از روئے حدیث بخاری ایک گونہ ثواب ملتا ہے تو کارِ ثواب پر ملامت کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔ لیکن بعد میں جب اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ آیت وحدیث کا مصداق حضرات خلفاء ثلثہ کی طرح حضرت علی المرتضیٰؓ بھی ہیں۔ اس لیے آیت وحدیث کے تقاضا کو سمجھنے کے بعد اگر کوئی عالم وفاضل حضرت علی المرتضیٰؓ کی پالیسی اور طرزِ عمل پر تنقید وجرح کرتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ علیہ کو ان پر کسی پہلو سے امرِ خلافت میں ترجیح دیتا ہے اور ان کو جنگ صفین میں اقرب الی الحق کہتا ہے تو وہ یا تو بہت ہی کم فہم ہے یا حد درجے کا ضدی اور متعصب ہے یا اس کے اندر خارجیت کی ظلمت گھس گئی ہے جس کی وجہ سے اس کی بصیرت زائل ہوگئی ہے۔ ہم کسی ایک شخص یا پارٹی کی غلط تحقیق یا نفسانی خواہش کی خاطر قرآن کی خلافت موعودہ راشدہ کے تحفظ کا فریضہ چھوڑ نہیں سکتے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۴۳۔۵۴۴)

مزید تشریح

یہاں پر مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی وہ نصوص صحابہ کرامؓ کو تو معلوم نہیں تھیں تم کو کیسے معلوم ہوگئیں۔؟ تو یہ اعتراض جہالت پر مبنی ہے کیونکہ وہ نصوص بطور عبارت النص نہیں تھیں بلکہ بطور اقتضاء النص تھیں۔ عبارت النص کی مراد تو واضح ہوتی ہے لیکن اقتضاء النص کی مراد الفاظ سے متعین نہیں ہوتی بلکہ وقوع کے بعد معلوم ہوتی ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی بطور اقتضا النص آیت استخلاف اور آیت تمکین سے ثابت ہوتی ہے اور آپ یقیناً قرآن کے موعودہ پہلے خلیفہ ہیں لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں مشاورت کے بعد آپ کی خلافت کا اعلان کیا گیا۔ یہاں شیعہ اعتراض کرتے ہیں کہ اہل

سنت جب یہ کہتے ہیں کہ قرآن سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت ثابت ہے
تو پھر صحابہ کرامؓ کو مشاورت کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا ہم یہ جواب دیتے ہیں
کہ اللہ کا ارادہ تو یہی تھا کہ پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہوں گے۔ لیکن
آیت استخلاف اور آیت تمکین میں خلیفہ بنانے کا وعدہ اور اعلان تو فرمایا لیکن
نام نہیں بتایا پھر اللہ تعالیٰ نے ہی خود توفیق دی اور صحابہ کرامؓ نے حضرت علی
المرتضیٰؓ سمیت آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ آپؓ کی وفات کے بعد سب کو یقین ہو گیا
کہ آیت استخلاف و آیت تمکین کا پہلا مصداق عند اللہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی
تھے۔ اسی طرح بعد میں سب کو یقین ہو گیا کہ دوسرے اور تیسرے خلیفہ موعودہ
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذولنورین ہی تھے۔
اسی طرح حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد سب کو یقین ہو گیا کہ بوجہ مہاجرین
اولین میں ہونے کے چوتھے اور آخری قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی
المرتضیٰؓ ہی ہیں اور مفسرین نے بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق انہی
خلفاء اربعہ (چار یارؓ) کو قرار دیا ہے رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مولانا محمد اسحٰق
صاحب سندیلوی نے بھی تو آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق انہی خلفاء
اربعہ کو قرار دیا ہے۔

حق نفس الامری

مذکورہ آیات کے تقاضا کے تحت چونکہ عند اللہ یہی خلفاء اربعہ مراد تھے
اور حق نفس الامری کے طور پر وہی موعودہ خلفاء راشدین تھے۔ اس لیے ان کی
خلافت سے اختلاف یا انکار درحقیقت وعدہ الٰہی سے اختلاف یا انکار تھا لیکن
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت اس وقت مراد الٰہی سے ناواقف
تھے۔ اس لیے ان کے اختلاف یا انکار کو اجتہادی خطا تو قرار دیا جائے گا لیکن عدم

علم حقیقت کی وجہ سے اس کو نافرمانی اور گناہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور اسی حقیقت کی تعبیر ان الفاظ میں کی جاتی ہے کہ ان کی بغاوت و نافرمانی صورتاً تھی نہ کہ حقیقتاً لیکن مولانا ابو ریحان اور ان کے ہم نوا اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے اس لیے ابو ریحان صاحب نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:

حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی اس تحقیق اور طرز استدلال کو اگر صحیح مان لیا جائے تو پھر آیت استخلاف اور حکم خداوندی کی خلاف ورزی اور معصیت خالق کے ملزم صرف حکمین ہی نہیں قرار پاتے بلکہ حضرت علیؓ بھی اس میں انؓ کے ساتھ برابر کے شریک ٹھہرتے ہیں کیونکہ جیسے حکمین رضی اللہ عنہما نے اپنے فیصلے میں بقول حضرت قاضی صاحب آیت استخلاف اور حکم خداوندی کی خلاف ورزی کر کے معصیت خالق کا ارتکاب کیا تھا ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی تو نصوص کے ہوتے ہوئے معصیتِ خالق اور مفاسد کثیر پر منتج ہونے والی تحکیم کو قبول کر کے اسی آیت اور اسی حکم خداوندی کو نظر انداز کیا تھا۔ پھر کیوں وہ تو مجرم اور یہ محرم

(ایضاً ص ۱۳۲)

الجواب

یہ اشکال کم فہمی پر مبنی ہے کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تحکیم کو تو صرف اس لیے قبول کیا تھا کہ فریقین کی یہ جنگ کسی مصالحت باہمی پر ختم ہو جائے۔ اور مصالحت کی پیش کش کو قبول کرنا کوئی جرم نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔ انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم (سورۃ الحجرات آیت ۱۰) مسلمان تو سب (دینی اشتراک جو روحانی اور معنوی رشتہ ہے اس رشتہ سے

ایک دوسرے کے) بھائی ہیں۔ اس لیے اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کردیا کرو (تا کہ یہ اسلامی برادری قائم رہے۔ (ترجمہ حضرت تھانوی) اور اس سے پہلے فرمایا۔ وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما (اور اگر فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرا دو۔'' (ترجمہ حضرت تھانوی) تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے تو ان آیات کے پیش نظر مصالحت کی پیش کش قبول کی تھی۔ اس میں تو آپ کسی کو معصیت کا مرتکب نہیں قرار دے سکتے۔

(۲) لیکن جب حکمین کا فیصلہ آپ کو خلافت سے معزول کرنے کا ہوا تو آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور اگر آپ معزول ہونا قبول کر لیتے تو آپ قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد نہیں قرار دیے جا سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''اور اگر کوئی معترض پلٹ کر یہ کہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت مرتضیٰؓ کے بارے میں ایک دوسری ایسی وجہ پائی جاتی ہے جو قتال کے بارے میں ان کے سخت ہونے کو ضروری قرار دیتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت مرتضیٰؓ خلافت کا خلع نہ کریں۔ (یعنی دستبردار نہ ہوں) اور اس کے قواعد کے مستحکم کرنے میں پوری سعی کو کام میں لائیں تا کہ قیامت کے دن خلفاء کے زمرے میں مبعوث ہوئے۔ اس کی نظیر ذی النورین رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ آپ نے حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہونا گوارا کیا مگر خلافت سے خلع منظور نہ کیا۔ رہے ان کے اقارب تو ان کے لئے ضروری تھا کہ حق قرابت ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں اور خلیفہ برحق کی خدمت کا حق ادا کریں۔'' (ازالۃ الخفاء مترجم جلد چہارم ص ۵۳۵)

مولانا ابوریحان کچھ تو سمجھیں۔ تحکیم قبول کرنا اور تحکیم کے فیصلہ کو قبول

نہ کرنا دونوں میں فرق ہے اور حسبِ تحقیق حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ حکمین کے اجتہادی فیصلے کی غلطی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ پیشگوئی فرمادی تھی اور پیشگوئی نے بہرحال پورا ہونا تھا اس لیے نفس تحکیم کو قبول کرنا مقدر میں تھا تو اب دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح قرار پاتی ہیں۔

۱۔ تحکیم کی پیشگوئی کے تحت آپ نے تحکیم کو قبول کرلیا۔ اور

۲۔ آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تقاضا کے تحت آپ (رضی اللہ عنہ) نے تحکیم کا فیصلہ قبول نہ فرمایا۔ اب کون اہل علم حضرت علی المرتضیٰؓ کو تحکیم کی پیشگوئی کے پیش نظر معصیت خالق کا مرتکب قرار دے سکتا ہے۔

۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تحکیم کے فیصلہ کو حکمین کی اجتہادی خطا قرار دیا ہے نہ کہ حقیقتاً گناہ و معصیت۔

۴۴۔ ابوریحان صاحب لکھتے ہیں: سوال یہ ہے کہ جس رواداری اور ایثار سے کام لے کر تحکیم قبول فرمائی تھی کیا حرج تھا رفع تنازع کیلیے اگر اسی رواداری اور ایثار سے حکمین کا فیصلہ بھی قبول کرلیا جاتا اور اگر بقول حضرت قاضی صاحب وہاں یہ عذر تھا کہ وہ فیصلہ نصوص کے خلاف تھا تو انہی نصوص کے ہوتے ہوئے خود تحکیم بھی خلاف جواز تھی۔ نیز پھر کوئی یہ بھی تو کہہ سکتا ہے کہ اگر ایثار اور رواداری سے کام لینا ہی تھا تو ناقابل تلافی جملی و صفینی نقصانات کے بعد صرف قبول تحکیم کے بالکل بے نتیجہ ایثار سے تو ہزار درجہ بہتر تھا کہ ان نقصانات سے قبل ہی اہل جمل و صفین کا مطالبہ تقدیم قصاص ...قبول کرنے میں ہی ایثار اور رواداری سے کام لے لیا جاتا۔ اس طرح نہ حضرت علیؓ کے لیے تین محاذ بنتے اور نہ مسلمانوں کی ہزارہا جانوں کا نقصان ہوتا۔ (ایضاً ص ۴۷۸ ج ۱) نہ حکمین ہی گناہ۔ سخت نافرمانی اور معصیت خالق کے مرتکب ہوتے۔ (ص ۴۵۵۔ ج ۱) اور نہ یہ تحکیم

مفاسد کثیرہ کا موجب ہی بنتی (ص ۱۵۴ ج ۱) تو غور فرمایئے کہ حضرت قاضی صاحب کی منطق وفلسفہ نے مسئلہ سلجھایا یا مزید الجھایا۔ مسلک اہل سنت کی ایسی ترجمانی سے نواصب کا منہ بند ہویا اور بھی کھلا۔'' (حاشیہ ص ۱۳۴)

الجواب

مولانا ابو ریحان کا اعتراض مجھ پر نہیں بلکہ قرآن کے چوتھے خلیفہ موعودہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ہے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا، ایسا کرنا چاہئے تھا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کو خصوصی طور پر ''اقضا کم علی'' فرمایا ہے کہ تم میں سے سب سے زیادہ اچھا فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں۔ تو اس حدیث کی روشنی میں ہم اور اہل السنّت والجماعت کا یہی مسلک ہے کہ جنگ جمل وصفین میں حضرت علیؓ نے جو کچھ طرز عمل اختیار کیا وہی صحیح تھا اور تحکیم کے سلسلہ میں بھی ہمارا یہی جواب ہے کہ آپ کا طرز عمل صحیح تھا۔ قبول تحکیم میں بھی اور فیصلہ حکمین نہ قبول کرنے میں بھی۔ علام الغیوب نے چوتھے درجے پر جو حضرت علی المرتضیٰؓ کو خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا تھا اور اس کے تحت حضرت علیؓ خلیفہ بنائے گئے تو انہی کا فیصلہ صحیح ہونا چاہیے تھا خلافت کی پالیسی میں، کیونکہ وہ حسب تصریح مولانا سندیلوی خدا کے مقرر کردہ خلیفہ تھے۔ تو ابو ریحان صاحب کا اعتراض اب علام الغیوب پر بھی ہوسکتا ہے کہ چوتھے درجے میں ایسا خلیفہ کیوں بنایا گیا جس کی پالیسی سے ہزاروں مسلمانوں کا خون ضائع ہوا۔ ابو ریحان صاحب کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

۲۔ کیا ابو ریحان صاحب حضرت علی المرتضیٰؓ کے فیصلہ پر یوں تنقید کر کے خارجیت اور ناصبیت کا راستہ نہیں کھول رہے؟ میں نے تو مسلک اہلسنت کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰؓ کو قرآن کا چوتھا موعودہ خلیفہ راشد ثابت

کیا ہے۔ اس سے تو رافضیت، خارجیت اور ناصبیت سب فتنوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلیفہ راشد ہونے کے اعلان سے تو ناصبیت اور خارجیت کوسوں دور بھاگتی ہے چہ جائیکہ اس کا راستہ کھل سکے۔ علامہ علی قاری محدّث لکھتے ہیں۔ **قَالَ اَبُو حنِیفَة لو لا علی لما یعرف السیرة فی الخوارج** (شرح فقہ اکبر) امام حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت علیؓ نہ ہوتے تو خوارج کے بارے میں کوئی طریقہ معلوم نہ ہو سکتا۔

۲۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں: اور سب سے اول بدعتیوں سے حضرت علیؓ نے مجادلہ کا ڈھنگ نکالا الخ (احیاء العلوم) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۵۷)

۳۔ قاضی ابو بکر بن العربیؒ لکھتے ہیں: اور حضرت عثمان شہید ہوئے تو تمام روئے زمین پر حضرت علیؓ سے زیادہ مستحق خلافت اور کوئی نہ رہا تو خدا کی تقدیر کے مطابق خلافت اپنے وقت اور موقع میں ان کے سپرد ہوئی اور خداوند تعالیٰ کو جو کچھ منظور تھا ان کی زبانی احکام اور علوم بیان فرمائے اور حضرت فاروقؓ نے کہا کہ اگر حضرت علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا اور اہل قبلہ کی جنگ اور ان کی سمجھ اور ان کے علم کا اظہار ہوا کہ آپ نے ان کو دعوت دی، ان سے بحث کی اور جب تک جنگ شروع نہ ہوئی آپ ان کی طرف نہ بڑھے نہ جنگ ابتدا کی اور آواز دی کہ ہم جنگ میں پہل نہیں کریں گے اور حکم دیا بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔ زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔ کسی عورت پر حملہ نہ کیا جائے۔ ان کا مال غنیمت نہ لوٹا جائے۔ اور حکم دیا کہ مخالفین کی شہادت قبول ہے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ یہاں تک کہ اہل علم نے کہا ہے کہ اگر حضرت علیؓ کی یہ جنگ نہ ہوتی تو ہمیں

باغیوں سے جنگ کرنے کا طریقہ ہی نہ معلوم ہوتا۔ (العواصم من القواصم مترجم ص ۳۱۶) ملاحظہ ہو (خارجی فتنہ حصہ اول) (ص ۵۵۹) امام اعظمؒ، امام غزالیؒ اور قاضی ابوبکر بن العربیؒ تو یہ فرما رہے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا اقدام صحیح تھا اور خارجیوں اور باغیوں کے متعلق احکام ہمیں حضرت علی المرتضیٰؓ کی سیرت سے ہی معلوم ہوئے ہیں لیکن اس کے برعکس ابوریحان صاحب فرما رہے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کو مطالبہ قصاص قبول کر لینا چاہیے تھا۔ حضرت علیؓ نے مطالبہ قصاص نہ قبول کرنے میں غلطی کی جس کی وجہ سے ہزاروں مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ باقی رہا ابوریحان صاحب کا یہ لکھنا کہ: اس طرح حضرت علیؓ کے لیے تین محاذ نہ بنتے اور نہ مسلمانوں کا ہزاروں جانوں کا نقصان ہوتا'' تو یہ بھی ان کی کج فہمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کو تسلیم کر لیا جاتا تو پھر تین محاذ کیونکر بن سکتے تھے۔ مسلمانوں کی متحدہ قوت سے سبائیوں کی طاقت کو بھی آسانی سے کچلا جا سکتا تھا اور قاتلوں سے قصاص بھی جلدی لیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن العربیؒ فرماتے ہیں۔ اور یہ جوان سے جنگ ہوئی تھی وہ تو قطعی معلوم ہے اور اس کا اس سبب سے ہونا بھی معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس معاملہ میں حق حضرت علیؓ کی طرف تھا کیونکہ خون کا مطالبہ کرنے والے کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ خود فیصلہ کرے اور اگر مدعی کو قاضی پر شک ہو تو اس سے مطالبہ کرے۔ اگر فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے تو فبہا ورنہ خاموش رہے اور صبر کرے۔ (العوام من القواصم مترجم ص ۲۷۳) (ایضاً متن عربی ص ۱۶۴ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور) اس کے علاوہ قاضی ابوبکر بن العربی لکھتے ہیں: **فتقرر عند علماء المسلمین وثبت بدلیل الدین ان علیا رضی اللہ عنہ کان اماماً و ان کل من خرج علیہ باغ** (احکام القرآن جلد چہارم ص ۱۷،۱۸) اور علماء اہل اسلام کے

نزدیک یہ بات مقرر اور دینی دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ ہی امام تھے اور جس نے آپ کے خلاف خروج کیا ہے باغی تھے۔ الخ (ایضاً ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۹۲ ص ۵۹۵)

اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کو امام وقت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: حضرت امیر با معاویہؓ جنگ وجدل فرمودہ نہ بواسطہ میل ورغبت درامر خلافت بودہ است بلکہ قتال بابغاۃ فرض می دانستہ ورفع ایہامی کردہ الخ (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی طبع قدیم مکتوب ۹۶ ص ۱۷۴) حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے جنگ امر خلافت کی طرف اپنے ذاتی میلان ورغبت کی وجہ سے نہیں کی بلکہ انھوں نے باغیوں سے قتلا فرض ہونے کی بنا پر کی ہے الخ مکمل عبارت کے لئے ملاحظہ ہو۔ خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۸۶ ۔ ۴۸۷) علاوہ ازیں حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کی یہی عبارت ماہنامہ حق چار یارؓ دسمبر ۱۹۹۲ء ص ۲۸ پر بھی نقل کی جا چکی ہے۔ اہل سنت کا یہی متفق علیہ مسلک ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا موقف ان جنگوں میں حق وصواب تھا اور فریق ثانی سے اس میں خطائے اجتہادی کا صدور ہوا تھا اور اس بنا پر میں نے جہاں بھی اکابر محققین اہل السنّت کی ایسی عبارتیں پیش کی ہیں جن میں حضرت معاویہؓ کو باغی لکھا گیا ہے تو اس کی یہ توجیہ کر دی ہے کہ اس سے مراد صورتاً بغاوت ہے نہ کہ حقیقتاً اور امام غزالیؒ کی یہ عبارت بھی بندہ نے کئی مرتبہ پیش کر دی ہے کہ: ولم یذھب الی تخطئیۃ علی ذو تحصیل اصلاً (احیاء العلوم جلد اول) اور کسی اہل علم نے بھی (ان جنگوں میں) حضرت علیؓ کی طرف خطا کی نسبت نہیں کی۔ (ایضاً ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ۳۲۱)

میرا مطالبہ

اب ابو ریحان صاحب سے میرا یہ مطالبہ ہے کہ آپ دائیں بائیں نہ دیکھیں۔ جس طرح میں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے بارے میں یہ تصریح پیش کی ہے کہ ولم یذهب الی تخطئة علي ذو تحصیل اصلاً. اسی طرح آپ بھی کوئی ایسی تصریح پیش کریں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا جنگ صفین کے بارے میں یہ اقدام غلط تھا۔

تین محاذ

ابو ریحان صاحب کا یہ کہنا کہ حضرتت علیؓ کے غلط اقدام سے تین محاذ بن گئے، محض ضد اور جہالت پر مبنی ہے۔ وہ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ حضرت علیؓ کو احق بالخلافت مانتے تھے، تو کیا ہی اچھا ہوتا کہ حضرت معاویہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا ہی فیصلہ مان لیتے۔ ان کی بیعت پہلے کر لیتے تو تمام مسلمانوں کی اس متحدہ قوت سے بلوائیوں کی طاقت توڑی جا سکتی تھی۔ تو مختلف محاذ تو حضرت علی المرتضیٰؓ کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ ابو ریحان صاحب اگر دل سے حضرت علی المرتضیٰؓ کو قرآن کا چوتھا موعودہ خلیفہ راشد مانتے ہیں تو ان کی خلافت کی مرکزی پالیسی صحیح مان کر حضرت معاویہؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی اجتہادی خطا تسلیم کر لیں۔ اور یہی اہل السنّت والجماعت کا مسلک ہے۔ اس کو نہ تسلیم کرنے کی وجہ سے ابو ریحان صاحب ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں۔ اگرچہ یہ حقیقت تسلیم کر لیتے تو ''سبائی فتنہ'' جیسی ضخیم کتاب کے اوراق سیاہ کرنے میں اپنی فانی عمر کا قیمتی وقت ضائع نہ کرتے۔ واللہ الہادی

حکمین کی خطا سے متعلق پیشگوئی کی حقیقت

اس عنوان کے تحت ابو ریحان صاحب لکھتے ہیں: پھر حکمین مکرمین رضی

اللہ عنہما کو اپنے فیصلہ میں گناہ۔ سخت نافرمانی اور معصیت خالق کا مرتکب اور ان کے فیصلے کو آیت استخلاف اور حکم خداوندی کے خلاف بتانے کے بعد اس کی مزید تائید وتقویت کے لیے حضرت قاضی صاحب مدظلہ، نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پیشگوئی ازالۃ الخفاء سے نقل فرمائی ہے اور جس کو وہ حق تعالیٰ کے وعدہ قرآنی کی روشنی میں بالکل صحیح بھی فرماتے ہیں (خارجی فتنہ ص ۵۸۲ ج ۱) آپ سن کر یقیناً حیران ہوں گے کہ یہ پیشگوئی روایت ودرایت ہر دو اعتبار سے بالکل ناقابل احتجاج اور موضوع اور من گھڑت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر اس پیشگوئی کو نقل کر کے اس کی روایتی حیثیت یوں بیان فرماتے ہیں: وھو حدیث منکرٌ جدا و آفة من زکریا بن یحییٰ الخ یعنی یہ حدیث بہت ہی منکر ہے اور یہ آفت اٹھائی ہوئی ساری زکریا بن یحییٰ کی ہے (البدایہ والنہایہ ص ۲۱۶۔ ج ۶)......ظاہر ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان جیسی قدسی صفات ہستیوں کے قرآن وحدیث پچاسیوں قسم کے فضائل ومناقب یقینی طور پر ثابت ہوں محض ایک موضوع ومن گھڑت حدیث سے ان کے اس دامن کو جس پر فرشتے نماز پڑھتے ہوں ضلال واضلال جیسی آلودگی سے کیسے آلودہ کیا جا سکتا ہے۔ (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۱۳۴)

الجواب

(۱) ابوریحان صاحب نے کتاب ازالۃ الخفاء کا نام تو لے لیا جس کی منقولہ روایت میں نے پیش کی ہے لیکن یہاں اس کتاب کے مصنف کا نام نہیں ذکر کیا تا کہ ناواقف قارئین یہ سمجھیں کہ ازالۃ الخفاء کسی ایسے ویسے مصنف کی کتاب ہو گی حالانکہ اس کتاب کے مصنف امام المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ ہیں جس کا اردو ترجمہ چار جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اور پہلی جلد کا ترجمہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمتہ اللہ

علیہ نے لکھا ہے جو سنی و شیعہ اختلافی مسائل میں محقق العصر ہیں۔ امام اہلسنت مولانا لکھنوی اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ کتاب ازالۃ الخفاء حضرات خلفاء راشدین کی بہترین سیرت اور بہترین تاریخ ہونے کے علاوہ بہت سے دینی علوم و معارف کا خزانہ ہے اور بلاشبہ حضرت مصنف کی عمدہ تصانیف میں سے ہے۔ علماء کاملین نے شہادت دی ہے کہ فی الحقیقت یہ کتاب اپنے موضوع میں بے نظیر ہے۔ نہ حضرت مصنف سے پہلے ایسی کتاب اس موضوع پر لکھی نہ ان کے بعد الخ اور کتاب کے مصنف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے متعلق امام اہلسنتؒ لکھتے ہیں: ولادت ۱۱۱۴ھ چہارم شوال روز چارشنبہ کو ہوئی۔ سات برس کی عمر میں حفظ قرآن سے اور پندرہ سال کی عمر میں تمام علوم درسیہ سے فراغت حاصل کی..... ۱۱۴۳ھ میں بعد وفات اپنے والد ماجد مرحوم کے حرمین شریفین گئے اور وہاں کے مشائخ سے بھی علم حاصل کیا۔ اس زمانے میں حرمین علماء اعلام کا مرکز تھے۔ بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کا وہاں مجمع تھا مگر سب نے حضرت مصنف کی جلالت ونبالت کا اعتراف کیا۔ چنانچہ ان کے اعلیٰ درجہ کے شیخ ابو طاہر کردی مدنیؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ ولی اللہ مجھ سے احادیث کے الفاظ کی سند حاصل کرتے ہیں اور میں ان سے احادیث کے معنی کی سند لیتا ہوں۔ ۱۱۴۵ھ میں حرمین شریفین سے واپس آئے اور نہایت قناعت کے ساتھ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں اپنی تمام عمر بسر کی اور ۱۱۷۶ھ میں بعمر باسٹھ ۶۲ سال اس دار فانی کو چھوڑ کر جوار رحمت میں سکونت اختیار کی...... نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا کے اہل علم مسلمان ان کے علوم مرتبت اور سمّو درجت سے واقف ہیں۔ جس قدر علماء کاملین بعد ان کے ہوئے سب ان کی مہارت کاملہ کے معترف رہے مگر حق یہ ہے کہ ان کے کمالات علمیہ کو معلوم کرنے کے لیے کسی کی

شہادت اور کسی کے بیان کی مطلق ضرورت نہیں۔ خود ان کی تصانیف شاہد عدل ہیں کہ وہ اس دور آخر میں یکتائے روزگار تھے خصوصاً ان کی یہ کتاب ازالۃ الخفاء اور کتاب حجتہ اللہ البالغہ اور کتاب وسوئی شرح موطا ان کی مہارت کاملہ کے اچھے نمونے ہیں الخ

۲۔ حافظ ابن کثیر محدث اس حدیث کے ایک راوی زکریا کے متعلق لکھتے ہیں۔ وھو زکریا بن یحییٰ وھو الکندی الحمیری الاعمی قال ابن معین لیس بشیٔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۸۵) اس وقت میرے پاس حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) کی کتاب موجود ہے۔ اس میں سات زکریا بن یحییٰ کے حالات درج ہیں۔ ان میں زکریا بن یحییٰ وھو الکندی الحمیری الاعمی کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ ایک راوی زکریا بن یحییٰ بن منظور کا ترجمہ لکھا ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ قال الدوری عن ابن معین لیس بشئی کہ ابن معین محدث نے اس کے متعلق لیس بشئی کے الفاظ لکھے ہیں جو جرح کے الفاظ ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ وقال فی موضع اخر لیس بہ بأس کہ انہوں نے دوسری جگہ راوی مذکور کے متعلق لیس بہ بأس کہا ہے اور یہ الفاظ راوی کی تعدیل ثابت کرتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر محدث متوفی ۷۷۴ھ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ سے متقدم ہیں۔ بعض راویوں کی طرح جرح وتعدیل میں محدثین کا اختلاف پایا جاتا ہے بعض مجروح قرار دیتے ہیں اور بعض ثقہ وغیرہ۔ حافظ ابن کثیر نے راوی زکریا بن یحییٰ کو ناقابل اعتماد قرار دیا ہے لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس کو قابل اعتماد قرار دے کر زیر بحث روایت سے آنحضرت ﷺ کی حکمین کے متعلق ایک پیشگوئی ثابت کی ہے اور میں نے حضرت شاہ صاحب دہلویؒ کی تحقیق کو ہی اپنے پیش کردہ موقف کی تائید میں

پیش کیا ہے۔ ابو ریحان صاحب کا اعتراض مجھ پر نہیں امام المحدثین رحمتہ اللہ علیہ پر ہے۔

(۳) ابو ریحان صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ: صحابہ کرام جیسی قدسی صفات ہستیوں ......کے اس دامن کو جس پر فرشتے نماز پڑھتے ہوں ضلال واضلال جیسی آلودگی سے کیسے آلودہ کیا جا سکتا ہے۔'' اس میں انہوں نے علمی دیانت وامانت کو بالائے طاق رکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ وہ قارئین کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام کو ضال ومضل کیونکر قرار دیا سکتا ہے۔ مولانا ابو ریحان حضرت شاہ محدث دہلویؒ سے زیادہ صحابہ کرامؓ کی شرعی عظمت کو سمجھتے ہیں چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

روایت میں ضلا وضل من اتبعھا سے مراد خلاف حق گمراہ ہونا نہیں ہے بلکہ حضرت شاہ صاحب دہلویؒ نے ان الفاظ کی مراد بھی خود بیان فرما دی ہے چنانچہ لکھتے ہیں ''مراد از ضلاّ آنست کہ خطا کردہ اندر در اجتہاد (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۵۶) حکمین کے متعلق لفظ ضلا سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد میں خطا کی ہے۔ کیا ابو ریحان صحابہ کرامؓ کی اجتہادی خطاء کو بھی ان کے مقدس دامن کے لیے داغ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ خود انبیائے کرام علیہم السلام کی خطائے اجتہادی کے بھی قائل ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔'' انبیاء علیہم السلام کی اجتہادی خطا کو زلت بھی کہتے ہیں۔ یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔'' (کتاب سبائی فتنہ حصہ اول حاشیہ ص ۴۱۷) فرمایئے انبیاء کرام علیہم السلام تو معصوم ہیں۔ کیا ان حضرات کے دامن عصمت اجتہادی خطا کی نسبت سے داغدار نہیں ہوتے۔ جبکہ آپ کے نزدیک صحابہ کرامؓ کے دامن عظمت کے لیے اجتہادی خطا کی نسبت کرنا ایک داغ ہے؟ اور پھر ابو ریحان صاحب انبیاء کرام علیہم السلام

سے بطور اجتہادی خطا صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا سرزد ہونا بھی تسلیم کرتے ہیں۔
چنانچہ لکھتے ہیں: جوزا الحنفیة والشافعیة الزلّه فی الکبیرة والصغیرة قبل النبوة وبعدها۔ (لتسہیل الاصول ص ۱۲۹) ص ۴۱۸) حنیفہ اور شافعیہ نے نبوت سے پہلے اور اس کے بعد بھی انبیائے کرام علیہم السلام سے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کا صدور بطور زلّت (اجتہادی خطا) جائز قرار دیا ہے۔

ضلال کا معنی

ضلال کا معنی صرف گمراہی ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے دوسرے معانی بھی ہیں اور قرآن مجید میں بھی مختلف معانی میں اس کا استعمال موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ الفاتحہ میں ولا الضالین میں ضالین سے مراد نصاریٰ مشرکین ہیں۔

۲۔ اور امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی لفظ ضال مذکور ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَوَجَدَکَ ضَالاً فَهَدیٰ (سورۃ الضحیٰ) کیا مولانا ابوریحان یہاں بھی ضال سے مراد گمراہ لیتے ہیں العیاذ باللہ۔ حضرت مولانا تھانویؒ اس آیت کا ترجمہ لکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو (آپ کو شریعت کا) رستہ بتلایا۔ لقولہ تعالیٰ ما کنت تدری ماالکتاب ولا الایمان الخ اور وحی سے پہلے شریعت کی تفصیل معلوم نہ ہونا کوئی عیب نہیں۔'' حضرت مولانا شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ لفظ ضال کے معنی گمراہ کے بھی آتے ہیں اور ناواقف، بے خبر کے بھی۔ یہاں دوسرے ہی معنی مراد ہو سکتے ہیں کہ نبوت سے پہلے آپ شریعت الٰہیہ کے احکام اور علوم سے بے خبر تھے۔ آپ کو منصب نبوت پر فائز کر کے آپ کی رہنمائی فرمائی (تفسیر معارف القرآن جلد ہشتم)

۳۔ سورۃ یوسف میں ہے کہ بعض آدمیوں نے حضرت یعقوب علیہ

السلام سے کہا قالوا تاللہ اِنَّکَ لَفِي ضلالِکَ القدیم (آیت ۹۵) لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے (ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی):۔ وہ (پاس والے) کہنے لگے کہ بخدا آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں یوسف زندہ ہیں اور ملیں گے۔ اس خیال کے غلبہ سے اب خوشبو کا وہم ہو گیا اور واقع میں نہ خوشبو ہے نہ کچھ اور ہے۔'' (ترجمہ حضرت مولانا تھانویؒ) یہاں ضلال کا معنی گمراہ نہیں بلکہ مراد غلط خیال ہے۔

گواہوں کے سلسلہ میں فرمایا۔ فان لم یکونا رَجلین فرجل وَامراَتن مِمَّنْ تَرْ ضَوْنَ مِنَ الشُهدآء اَنْ تَضِلَّ اِحداھما فتذکر احداھُمَا الْاُخری (سورہ بقرہ آیت ۲۸۲) پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تا کہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلا دے اس کو دوسری۔'' (ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ۔ ''پھر اگر وہ دو گواہ مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنالی جائیں) ایسے گواہوں میں سے جن کو تم (ان کے معتبر ہونے کی وجہ سے) پسند کرتے ہو (اور ایک مرد کی جگہ دو عورتیں اس لیے تجویز کی گئیں) تا کہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی (شہادت کے کسی حصہ کو خواہ ذہن سے یا شہادت کے وقت بیان کرنے سے) بھول جائے تو ایک دوسری کو یاد دلا دے۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ) اس آیت میں ضلال کا معنی بھول جانا ہے۔

جب قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ ضلال کا استعمال غلطی کرنے اور بھول جانے پر بھی ہوتا ہے تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی منقولہ روایت میں اگر ضلا وضل کے الفاظ حکمین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں آئے ہیں تو مولانا ابوریحان نے ان سے گمراہ ہونا ہی کیوں مراد لے لیا۔ کیا یہاں ضل سے مراد غلطی نہیں لیا

جا سکتا اور پھر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے خود ہی یہ تصریح فرما دی کہ مراد ضلا سے ان کی اجتہادی خطا ہے۔ تو پھر ابو ریحان صاحب نے یہ غیر عالمانہ اور غیر عادلانہ اعتراض کیوں کیا ہے؟ کیا یہ سبائیوں کا طریق کار نہیں ہے؟

روایت با اعتبار درایت

اس سلسلے میں ابو ریحان صاحب لکھتے ہیں: اور اگر درایت کے اعتبار سے اس پیشگوئی کو دیکھئے تو یہ ان پچاسیوں نصوص قرآنیہ وحدیثیہ کے سراسر خلاف ہونے کی وجہ سے متروک قرار پاتی ہے جن میں صحابہ کرامؓ کے ایمان واخلاص، تقویٰ وایثار، للّٰہیت واتباع سنت کی ربانی ونبوی شہادت دی گئی اور بدعت وضلالت، کفر وفسوق اور عصیان سے ان کی نفرت کو بیان کیا گیا نیز ان کی وجہ تخلیق وتخریج اور ان کا وصف ممتاز امر بالمعروف ونہی عن المنکر بتایا گیا عین اختلاف میں بھی ان کا ہدایت پر رہنا اور نجوم ہدایت رہنا جتایا گیا ہے۔ اس پیشگوئی سے حکمین، ان کو حکم بنانے والے اور ان کی ثالثی پر راضی ہونے والے اور اس کو قبول کرنے والے تمام صحابہ کرامؓ کی کسر شان کا جو پہلو نکلتا ہے اس سے قطع نظر صرف حضرت علیؓ کی شخصیت کو ہی اس پیشگوئی کے آئینہ میں اگر دیکھا جائے تو آپ کے دامن علم وتقویٰ اور اخلاص وصواب پر وہ خارجیانہ وناصبیانہ داغ دھبے نظر آتے اور خصوصاً آپ کی شان قضا اس بری طرح مجروح ہوتی ہے کہ توبہ ہی بھلی .....اب سنیے کہ حکمین کے ضلال واضلال سے متعلق زیر بحث پیشگوئی کے راوی خود حضرت علیؓ ہی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ تحکیم قبول کرتے وقت حکمین کے ضلال واضلال جیسے اس کے سنگین نتیجہ کا کسی اور کو علم ہو یا نہ ہو لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ، کو تو ضرور ہی اور یقیناً اس کا علم تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس پیشگوئی کو روایت کرنے والے ہیں ہی وہ خود۔ اس کے ساتھ تیسری حقیقت واقعہ

یہ ملایئے کہ یہ تحکیم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرضی و منظوری کے بغیر عمل میں نہ آئی تھی بلکہ انہوں نے بھی اس کو باختیار خود بلا کسی جبر و اکراہ کے محض خلوص وللّٰہیت کے جذبہ کے تحت قبول فرمایا تھا جس کا لازمی نتیجہ اس کے بغیر اور کچھ برآمد نہیں ہوتا کہ زیر بحث پیشگوئی میں مذکور ضلال کے حکمین اگر بالفعل مرتکب ہوئے تھے تو جانتے بوجھتے ہوئے ایسے مضر نتیجہ کی حامل اور مفاسد کثیرہ کی موجب تحکیم کو قبول کر کے ان کے لیے اس ضلال و اضلال کی راہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے ہی ہموار کی تھی......اس طرح صرف حکمین ہی حکم خداوندی کے خلاف کرنے کے ملزم نہ ٹھہرے بلکہ العیاذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کی لپیٹ میں پورے پورے آگئے چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے اس پیشگوئی کے موضوع ہونے کی ایک دلیل یہی دی ہے کہ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اضلال الناس کے لیے سبب بننا لازم آتا ہے جو کسی طرح بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شایانِ شان نہیں ہوسکتا۔لہٰذا خود یہ حدیث ہی موضوع قرار پائے گی۔فرماتے ہیں۔**فانہ حدیث منکر ورفعہ موضع. واللّٰہ اعلم . اذلو کان ھذا معلوماً عند علی لم یوافق علی تحکیم الحکمین حتی لایکون سببا لا ضلال الناس کما نطبق بہ ھذا الحدیث** (البدایہ جلد ۷ ص ۲۸۵) مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ، اگر صحیح مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ حکمین کے اس ضلال و اضلال سے حضرت علیؓ، پہلے سے ہی واقف تھے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ، کو یہ سب کچھ معلوم ہوتا تو وہ کبھی بھی تحکیم کو قبول نہ فرماتے اور کسی قیمت پر لوگوں کی گمراہی کا سبب نہ بنتے۔جب حکمین کے اس فرضی ضلال و اضلال سے آپ واقف ہی نہ ہوئے تو اس حدیث کے راوی آپ کیسے ہو سکتے ہیں۔لہٰذا آپ کی زبان سے یہ پیشگوئی

ادا کروانا آپ پر بہتان ہے الخ (ص ۳۵ تا ص ۱۲۷)

الجواب

زیر بحث پیشگوئی سے مولانا ابو ریحان یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس سے عظمت صحابہؓ مجروح ہوتی ہے اور اس میں صحابہ کرامؓ کی کسر شان لازم آتی ہے۔ یہ بات وہ اس سے پہلے صفحہ پر بھی لکھ چکے ہیں جس کا تسلی بخش جواب دیا جا چکا ہے۔ بار بار ان کا ضال واضلال کی رٹ لگانا علمی اعتبار سے جہالت یا ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔ پہلے قرآنی آیات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ ضلال کا ایک ہی معنی گمراہ ہونے کا نہیں ہوتا بلکہ غلطی کرنے اور بھول جانے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ پھر میں نے یہ پیشگوئی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حوالے سے نقل کی تھی جس میں انہوں نے لفظ ضلال کی مراد بھی بایں الفاظ واضح کر دی تھی کہ مراد از ضلا آنست کہ خطا کردہ اندر اجتہاد خود۔'' ضلا سے مراد یہ ہے کہ ان حکمین نے اپنے اجتہاد میں خطا کی ہے تو فرمایئے حکمین شریفین کی طرف اجتہادی خطا منسوب کرنے میں ان کی توہین اور کسر شان کیونکر لازم آتی ہے۔ حالانکہ خود ابو ریحان صحابہ تو صحابہ معصوم انبیائے کرام علیہم السلام سے بھی اجتہادی خطا سرزد ہونے کے قائل ہیں اور وہ بھی صغیرہ اور کبیرہ گناہوں میں، جیسا کہ قبل ازیں ان کی ایسی عبارتیں نقل کر دی گئی ہیں۔ ہاں اگر ابو ریحان صاحب صحابہ کرامؓ سے اجتہادی خطا کے صدور کو بھی ان کی توہین پر مبنی قرار دیتے ہیں تو یہ ان کا ذاتی عقیدہ ہو گا۔ مسلک اہلسنت والجماعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے البتہ شیعہ اور روافض کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اپنے ائمہ کرام کو اس معنی میں معصوم مانتے ہیں کہ ان سے کسی قسم کی خطا بلکہ سہو کا بھی صدور نہیں ہو سکتا۔

۲۔ باقی رہی ابو ریحان صاحب کی یہ دقیقہ سنجی اور عبارت آرائی کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ، اس پیشگوئی کے راوی ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ جب ان کو معلوم تھا کہ حکمین کا فیصلہ ضلالت و گمراہی پر مبنی ہوگا تو تحکیم قبول کرنے سے وہ بھی تو ضلال واضلال کا سبب قرار پاتے ہیں۔ پھر آپ کس طرح ضلال واضلال کا سبب بننا قبول کر سکتے ہیں حالانکہ یہ اشکال بھی اس وقت لازم آتا ہے جب ضلال سے مراد گمراہ ہونا ہو لیکن جب ضلال سے مراد حسب بیان حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی اجتہادی خطا ہی ہے تو پھر اس پر وہ اشکال لازم نہیں آتا۔

۳۔ حکمین کی اس خطائے اجتہادی کو مفاسد کثیر کا موجب ہونا حدیث میں نہیں ہے بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے اس کا یہ نتیجہ لکھا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کے سامنے تو صرف یہ تھا کہ حکمین سے اپنے اس فیصلے میں اجتہادی خطا کا صدور ہوگا۔

۴۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب بطور پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی تو اس پیشگوئی کی صداقت اسی صورت میں ظاہر ہو سکتی تھی کہ آپ تحکیم کو قبول کر لیتے۔ اگر آپ تحکیم ہی کو قبول نہ کرتے تو حکمین فریقین کے مابین کیونکر فیصلہ کرتے۔ بہرحال پیشگوئی کی تکمیل کے لیے حضرت علیؓ کا تحکیم کو قبول کرنا ضروری تھا اور حسب پیشگوئی جب حکمین سے اپنے فیصلہ میں اجتہادی خطا کا صدور ہونا لازم تھا اس لیے حضرت علی المرتضیٰؓ نے خطائے اجتہادی پر مبنی اس فیصلہ کو قبول نہ فرمایا۔ اور اگر آپ حکمین کا فیصلہ قبول کر لیتے تو یہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کی پیشگوئیوں کے خلاف ہوتا اور اہل سنت کی یہی تحقیق میں نے خارجی فتنہ حصہ اول میں پیش کی ہے جس سے خارجیت اور ناصبیت کی جڑیں کٹ جاتی ہیں لیکن ابوریحان صاحب کی شعوری یا غیر شعوری طور پر کوشش یہی ہے کہ خارجیت اور ناصبیت کی جڑوں کو نئے انداز سے حُبِ حکمین کے عنوان سے

تحفظ دیا جائے العیاذ باللہ۔ اور یہ میرا ان پر الزام برائے الزام نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ مولانا ابو ریحان کی کتاب سبائی فتنہ حصہ اول سے ناصبی اور خارجی گروہ ناراض ہوا ہے یا خوش۔ حامیان یزید کی صفوں میں اس کتاب سے صف ماتم بچھی ہے یا وہ خوشی کے شادیانے بجا رہے ہیں۔

آیت استخلاف اور آیت تمکین کا تقاضا

خارجی فتنہ حصہ اول میں مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے خلاف اہلسنت مؤقف کے جواب میں میں نے آیت استخلاف اور آیت تمکین کو ہی مسلک اہل سنت کی بنیاد بنایا ہے۔ مولانا ابو ریحان ہزار ہاتھ پیر ماریں اس کا جواب نہیں دے سکتے خلاصہ یہ ہے کہ آیت تمکین میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اولین صحابہ کرامؓ کے متعلق بطور پیشگوئی اعلان فرمایا ہے کہ: اَلَّذِیْنَ اِنْ مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وَاَمَروا بالمعروف وَنَھوا عَنِ الْمُنکر وللّٰہِ عَاقبۃ الامُوْر (سورۃ الحج ع ۶ آیت ۴۱): وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔ (ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔" (ترجمہ حضرت مولانا تھانویؒ) اور چونکہ مہاجرین اولین میں صرف چار یارؓ کو ہی حکومت ملی ہے یعنی امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) اس لیے یہی خلفاء اربعہ اس آیت تمکین کا مصداق ہوں گے اور چونکہ حضرت امام

حسنؓ بھی مہاجرین اولین میں شامل نہیں کیونکہ وہ تو مدینہ منورہ میں ہی پیدا ہوئے ہیں اور حضرت امیر معاویہؓ بھی مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں کیونکہ آپ فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ میں آئے ہیں اس لیے یہ دونوں حضرات باوجود اپنے اپنے دور میں برحق خلیفہ ہونے کے اس آیت کا مصداق نہیں قرار دیے جا سکتے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ آیت استخلاف اور آیت تمکین کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ دونوں آیتیں جو درحقیقت ایک ہیں اور عبارت میں مختلف ہیں خلفاء کی خلافت پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ ان میں خدا تعالیٰ کا وعدہ مذکور ہے اور اسی کا وعدہ سچا ہے اور یقیناً خارج میں ہونے والا ہے۔ پس یہ تو یقینی ہے کہ استخلاف اور تمکین فی الارض مہاجرین اولین اور حاضرین وقت نزول آیت استخلاف کے واقع ہوئی۔ اب اگر یہی استخلاف و تمکین ان دونوں آیتوں کا موعودہ نہ ہو اور یہی حضرات موعودہ خلفاء نہ ہوں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا کا وعدہ پورا نہ ہوا۔'' (ازالۃ الخفاء مترجم حصہ اول ص ۹۶)

اسی سلسلہ میں حضرت محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: وہ جاہل جو کہتے ہیں کہ خلافت مستحق سے غصب کر لی گئی اور غیر مستحق کو ملی، خدا کی تکذیب کرنے والے اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرنے والے ہیں..... یہاں ان آیتوں میں اصل چیز وعدہ اور پیشگوئی ہے۔ اس وعدہ کے ضمن میں ان حضرات کے استخلاف (یعنی خلیفہ بنانے) کی تشریع ہے کہ اس تشریف و تعریف کے ساتھ ان کی خلافت غیرہ پسندیدہ نہیں ہو سکتی اور جب وہ وعدہ پورا ہو گیا تو اب استخلاف ضمنی نہ رہا بلکہ صریحی بھی اَستَخلفت علیکم فلاناً ثو فلاناً (یعنی میں نے تم پر فلاں اور فلاں کو خلیفہ بنایا ہے) اور اطاعت ان خلفاء کی واجب ہو گئی۔ الحاصل ان آیتوں کے ظاہر میں وعدہ ہے اور باطن میں وجوب اطاعت خلفاء ہے۔ لہٰذا جو

لوگ ان خلافتوں کو نہیں مانتے وہ درحقیقت وعدہ الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں۔''

(ایضاً ص ۹۳) نیز حضرت شاہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں: خلافت حضرت سید المرسلین علیہ ﷺ کی کوئی حکم نہ تھی کہ لوگوں کو اس کے ساتھ مکلف کیا گیا ہوتا کہ اگر انہوں نے اس حکم کے موافق عمل کیا تو مطیع ہوئے اور اگر نافرمانی کی تو مستحق عذاب ہوئے بلکہ وہ ایک وعدہ تھا جو عرش کے اوپر سے نازل ہوا تھا جس کا پورا نہ ہونا ممکن تھا۔ اس وعدہ میں کسی کے جبر یا کسی کے اختیار کو کچھ تعلق نہ تھا (خدا نے اس کا ایفاء اپنے ذمہ رکھا تھا اور کسی شرط پر معلق نہ کیا تھا الخ (ایضاً ص ۹۴)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ان تصریحات کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ سمیت خلفاء اربعہ (چار یار) کے قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین ہونے میں کسی مومن بالقرآن کے لیے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ استخلاف یعنی خلیفہ بنانے کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا وہ گویا کہ ایسا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ فرمادے کہ میں نے فلاں فلاں کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اس حقیقت کو خود مولانا سندیلوی نے بھی اپنے ایک غیر مطبوعہ مکتوب میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ انکی عبارتیں پہلے پیش کردی گئی ہیں کہ خلیفہ بنانے کا امر بصورت وعدہ ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو مقرر کیا ہے۔ اب مولانا ابوریحان ہی فرمائیں کہ جب حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت بھی وعدہ خداوندی کے مطابق ہے اور یہ خلافت بھی پہلے تین موعودہ خلفاء راشدین کی طرح ان کی ساری زندگی کے لیے ہے تو پھر حکمین کریمینؓ نے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے معزول کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو یہ وعدہ قرآنی کے مطابق ہے یا مخالف؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو (جن کو منصب خلافت حسب وعدہ الٰہی عطا ہوا ہے) معزول کرنا اس وعدہ قرآنی کے خلاف ہوگا لہٰذا حضرت علی المرتضیٰؓ نے حکمین کے اس فیصلہ کو جو قبول نہیں فرمایا تو

یہ عین قرآن کی موعودہ خلافت کا تقاضا تھا۔ اگر آپ معزول ہونا قبول کر لیتے تو پھر یہ وعدہ خداوندی مہاجرین اولین کے لیے کیونکر صحیح ثابت ہوسکتا تھا؟ آپ نے جو کچھ اس معاملے میں کیا وہ منشا خداوندی کے مطابق تھا ہمارا اصل استدلال آیت استخلاف اور آیت تمکین سے ہے اور زیر بحث حدیث فیصلہ حکمین تو اس کی تائید میں پیش کی گئی ہے ورنہ حدیث مذکورہ ہمارا اصلی مستدل نہیں ہے۔

اور حافظ ابن کثیر نے جو درایتاً اس حدیث پر جرح کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیونکر ضلال واضلال کا سبب بن سکتے تھے تو یہ ابوریحان صاحب کے لیے مفید نہیں ہے کیونکہ میں نے جو حدیث پیش کی تھی تو اس میں حضرت شاہ صاحب دہلویؒ کی عبارت بھی پیش کر دی تھی کہ مراد الفاظ ضلا سے اجتہادی خطا کا ان حضرات سے سرزد ہونا ہے اور اجتہادی خطا کی نسبت سے حضرات صحابہ کرامؓ کی نہ توہین ہوتی ہے نہ تنقیص بلکہ ان کو بھی اس کا بوجہ اجتہاد کے ایک اجر ملے گا۔ اگر ابوریحان صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ مثل خلفاء ثلثہؓ حضرت علی المرتضیٰؓ بھی قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآنی وعدہ کے مطابق ان کو خلیفہ بنایا تھا تو پھر وہ حکمین کریمینؓ کے اس فیصلہ کو کیونکہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ، اپنی خلافت موعودہ سے معزول ہو جائیں اور پھر وہ یہ کیونکر تسلیم کر لیتے ہیں کہ قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد سے جنگ کرنے میں حضرت امیر معاویہؓ سے اجتہادی خطا بھی سرزد نہیں ہوئی؟

حکمین معذور تھے

بیشک بظاہر تو حکمین کا یہ فیصلہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تقاضا کے خلاف تھا لیکن وہ اس فیصلہ میں معذور قرار دیے جائیں گے کیونکہ اس وقت ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ ہی قرآن کے چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اسی بحث میں فرماتے ہیں۔ وہ ایک وعدہ تھا جو عرش کے اوپر سے نازل ہوا تھا جس کا پورا نہ ہونا ناممکن تھا۔ اس وعدہ میں کسی کے اختیار کو کچھ تعلق نہ تھا (خدا نے اس کا ایفاء اپنے ذمہ رکھا تھا اور کسی شرط پر معلق نہ کیا تھا) ہاں یہ ضرور ہے کہ جب تک یہ اشخاص معینہ مسند خلافت پر نہ بیٹھے تھے، مسلمانوں کے خیالات ہر طرف جاتے تھے مثلاً حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے پہلے بعض لوگوں نے ابو عبیدہؓ کی طرف خیال کیا اور انصار نے اپنے میں سے خلیفہ بنانا چاہا (حاشیہ) کہ دیکھئے کون اس وعدہ کا مصداق ٹھہرتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے واقعہ خیبر میں جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے (اس ارشاد سے) مسلمانوں کو علم قطعی حاصل ہو گیا کہ جھنڈا جس کو ملے گا وہ محب و محبوب ہوگا لیکن نہ جانتے تھے کہ کون شخص خاص اس دولت سے سرفراز ہوگا۔ جب دوسرے دن جھنڈا حضرت مرتضیٰؓ کو جناب نبوی سے عنایت ہوا تو (سب کو) تحقیق ہو گیا کہ وہ مردِ موصوف حضرت مرتضیٰؓ ہیں۔

اس طرح ان آیات سے قطعی طور پر معلوم ہو گیا تھا کہ کچھ لوگوں کو (کارپردازان قضاء و قدر) خلافت و تمکین دیں گے (اور دین حق ان کے ہاتھ سے قائم ہوگا اور ان کی اطاعت من جانب اللہ واجب ہوگی مگر ہنوز یہ غموض و اشکال باقی رہ گیا تھا (کسی کو معلوم نہ تھا) کہ وہ اشخاص معینہ کون کون ہیں (لیکن) جب پردہ اٹھ گیا اور جماعت (اسلام) کے اہتمام سے اشخاص معینہ کی خلافت منعقد ہوگئی اور ان خلفاء کے ہاتھ سے فتوح بلاد و تمکین دین حق اور علاء کلمۃ اللہ کا ظہور ہو گیا تو ہم سب نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ وہ وعدہ انہی کے لیے تھا اور استخلاف اور تمکین الارض کا قرعہ انہیں کے نام

نکلا۔ الخ (ایضاً ازالہ: الخفاء مترجم جلد اول ص ۹۴۔۹۵)

حضرت معاویہؓ بھی معذور تھے

میں نے خارجی فتنہ حصہ اول میں بھی قرآن کی موعودہ خلافت کی تشریح کی تھی اور مولانا محمد اسحٰق سندیلوی کے جواب میں واضح کر دیا تھا کہ "یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرامؓ آپس میں اس قسم کے اختلاف کا حق رکھتے تھے۔ لیکن یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت تو قطعی طور پر معلوم نہ تھا کہ حضرت علیؓ المرتضیٰ ہی قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد ہیں۔ فرمایئے اگر حضرت معاویہؓ کو یہ یقین ہو جاتا تو کیا پھر بھی وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے معزول ہونے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ ہرگز نہیں وہ معذور تھے لیکن اب جب ہمیں یقین حاصل ہے اور حضرت علی خلیفہ راشد تسلیم کرنا ہمارے لیے عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے (جیسا کہ مولانا سندیلوی نے خود تسلیم کیا ہے (ملاحظہ ہو اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۲۵) اور اسی بنا پر امام غزالیؒ بھی خلفاء اربعہ کو بالترتیب امام حق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ (احیاء العلوم جلد اول ص ۱۰۲) تو اب زیر بحث مسئلہ میں اہل السنّت والجماعت کا یہی موقف صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس وقت حضرت امیر معاویہؓ سے خلیفہ راشد موعودہ کے ساتھ جنگ وقتال کرنے میں خطا ہو گئی تھی۔ اس میں حضرت معاویہؓ کی نہ تنقیص ہے اور نہ بے ادبی۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۲۲)

حافظ ابن کثیر کی عبارت

مولانا ابوریحان نے جو حافظ ابن کثیر کی البدایہ سے عبارت پیش کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیونکر حکمین کے ضال واضلال کا سبب بن سکتے تھے۔ تعجب ہے کہ حافظ ابن کثیر جیسے محدث ومفسر نے ضلال کا معنی گمراہی کیونکر متعین کر لیا حالانکہ ضلالت کے دوسرے معنی بھی ہوتے ہیں خطا کرنا

بھول جانا وغیرہ جیسا کہ پہلے ثابت کیا گیا ہے۔ حافظ ابن کثیر کا یہ تسامح ہے انہوں نے دوسرے معنی کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔

مندرجہ روایت کی بحث توضمنی ہے۔ مشاجرات صحابہؓ (جمل وصفین) میں حافظ ابن کثیر محدث نے مذہب اہلسنت کی ہی ترجمانی فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت عمار بن یاسرؓ کے متعلق جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ **تقتلک الفئة الباغية** (تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا) اس حدیث کے تحت حافظ ابن کثیر محدث لکھتے ہیں۔

وبان وظهر بذلک سرّما اخبربه الرسول (ﷺ) من انه تقتله الفئة الباغية وبان بذلک ان علياً معاوية باغ ومافى ذلک من دلائل النبوة (لبداية والنهايه جلد ۷ ص ۲۶۷)

رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ عمارؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا تو حضرت عمارؓ کے قتل سے یہ راز کھلا اور ظاہر ہوا اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حضرت علیؓ اس میں حق صواب پر ہیں اور حضرت امیر معاویہؓ باغی ہیں اور یہ نبوت کے دلائل میں سے ہے کیونکہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خارجیوں کو مسلمانوں کے دو گروہوں میں سے وہ گروہ قتل کرے گا جو ان میں سے اولی بالحق ہو گا اور چونکہ خوارج سے حضرت علیؓ نے جنگ کی تھی اس لیے حافظ ابن کثیر محدث اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

فهذا الحديث من دلائل النبوة اذقد وقع الامر طبق ما اخبربه عليه الصلوٰة والسلام وفيه الحكم باسلام الطائفتين اهل الشام واهل العراق لا كما يزعمه فرقه الرافضة والجهلة الطغام من

تکفیر هم اهل الشام وفیه ان اصحاب علی ادنی الطائفتین الی الحق وهذا هومذهب اهل السنة والجماعة ان علیاً هوالمصیب وان کان معاویة مجتهد اوهو ماجوران شاء اللّٰه ولکن علی هوالامام فله اجران کما ثبت فی صحیح بخاری من حدیث عمروبن العاص ان رسول اللّٰه ﷺ قال : اذااجتهد الحاکم فاصاب فله اجران واذا اجتهد فاخطاء فله اجرٌ. (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۸۰)
(ایضاملاحظہ ہوخارجی فتنہ حصہ اول ص ۶۰۲)

اور یہ حدیث بھی نبوت کے دلائل میں سے ہے جس طرح آنحضرت ﷺ نے خبردی تھی اسی طرح واقع ہوئی اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل شام اور اہل عراق دونوں گروہ مسلمان ہیں (جن میں باہمی جنگ ہوئی تھی) ایسانہیں جیسا کہ رافضی ٹولہ اور جاہل کمینے لوگ اہل شام کی تکفیر کرتے ہیں اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ حق کے زیادہ قریب تھے اور یہی اہل السنّت والجماعت کا مذہب ہے کہ (اس جنگ میں) حضرت علیؓ ہی حق وصواب پر ہیں اور حضرت معاویہؓ اگرچہ مجتہد ہیں ان کو ایک اجر ملے گا (بوجہ اجتہاد کے) لیکن حضرت علیؓ چونکہ امام وقت ہیں اس لیے (ان کے اجتہاد کے صحیح ہونے کی وجہ سے) دو اجر ملیں گے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

”جب کوئی حاکم اجتہاد کرتا ہے اور اس کا اجتہاد صحیح ہوتا ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب وہ اجتہاد کرتا ہے اور اس میں خطا کرتا ہے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔“

یہ ہے مذہب اہلسنت والجماعت، کیا ابو ریحان مولانا عبدالغفور صاحب سیالکوٹی اس مذہب حق کو تسلیم کرتے ہیں۔؟

☆☆☆

اجتہادی خطا کا مبنیٰ

زیر بحث استفتاء میں اجتہادی خطا کے بارے میں طارق کا یہ موقف بیان کیا گیا ہے کہ: خطاء اجتہادی اور وہ بھی صحابہؓ کی خطاء اجتہادی کو ایسے نازیبا الفاظ سے تعبیر کرنا ہی سرے سے ادب واحترام کے خلاف ہے۔اس میں صحابہؓ کی توہین وتنقیص ہے۔اس کے بعد ان کی مراد خواہ کچھ بھی بیان کیوں نہ کی جائے۔ اجتہادی خطاء کو اگر کسی وجہ سے ضرور زبان پر لانا ہی ہو تو اس کو بس اجتہادی خطا ہی کہنا چاہیے۔اس سے زیادہ گناہ سخت نافرمانی اور قصور جور جیسے ناشایان الفاظ سے اس کو تعبیر نہ کرنا چاہیے کہ اس میں ان کی تنقیص شان کا ہی پہلو نکلتا ہے۔(ماہنامہ ''بینات'' ستمبر ۱۹۹۲ء)

الجواب

(۱) یہاں پر قابل غور بات یہ ہے کہ جس عمل کو ابوریحان صاحب بھی خطاء اجتہادی تسلیم کرتے ہیں تو اس کی بنیاد کیا ہے۔یعنی وہی فعل اگر مجتہد سے سرزد ہوتا تو اسے کیا کہا جاتا۔ یقیناً اس فعل کو گناہ اور خلاف شریعت فعل قرار دیا جاتا اور مولانا ابوریحان خود اس کی ایک مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> خطائی الکبیرہ کی مثال جیسے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا مثلاً اس شخص کو قتل کر دینا جس نے ان کی تلوار کی زد میں آنے کے بعد کلمہ پڑھ لیا تھا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ یہ شخص مسلمان ہونے کے لیے نہیں بلکہ محض اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے۔(صحیح

مسلم ص ۶۸۔ ج ۱) دیکھئے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بظاہر ایک مسلمان قتل ہو گیا اور کسی مسلمان کو بلا کسی شرعی وجہ اور بلا کسی تاویل کے قتل کرنا اپنی ذات کے اعتبار سے گناہ کبیرہ ہے۔ یہ قتل بھی اگر بلا تاویل ہوتا تو یقیناً گناہ کبیرہ ہی ہوتا لیکن یہاں چونکہ اجتہاداً و تاویلاً ہی ہوا ہے لہٰذا اب یہ کبیرہ نہیں بلکہ اجتہادی خطائی الکبیرہ ہے۔

اب مولانا ابو ریحان سے ہم پوچھتے ہیں کہ آپ نے اس فعل کو صرف اجتہادی خطا.........نہیں کہا بلکہ اظہار حقیقت کے لیے آپ نے اس فعل کو اجتہادی خطائی الکبیرہ کہا ہے تو کیا اجتہادی خطائی الکبیرہ کہنے سے حضرت اسامہ رضی کی تنقیص و توہین لازم نہیں آتی جب کہ استفتاء میں آپ کی طرف سے یہ لکھا جا رہا ہے کہ:

اجتہادی خطا کو اگر کسی وجہ سے ضرور زبان پر لانا ہی ہو تو اس کو بس اجتہادی خطا ہی کہنا چاہیے۔ اس سے زیادہ گناہ و سخت نافرمانی اور قصور و جور جیسے ناشایان الفاظ سے اس کو تعبیر نہ کرنا چاہیے کہ اس میں ان کی تنقیص شان کا ہی پہلو نکلتا ہے۔ (ص ۳۰)

لیکن آپ اس کے برعکس خود ہی اجتہادی خطا کے ساتھ فی الکبیرہ کے الفاظ لکھ کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی تنقیصِ شان کے مرتکب ہوئے ہیں بلکہ آپ نے تو معصوم انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے بھی صرف اجتہادی خطا کے الفاظ نہیں لکھے بلکہ اس کے ساتھ فی الکبیرہ اور فی الصغیرہ کے الفاظ لکھے ہیں۔ چنانچہ پہلے بھی اس سلسلے میں آپ کی منقولہ یہ عبارت پیش کر دی گئی ہے کہ:

اصول کی مشہور کتاب تسہیل الوصول میں ہے: جوز الحنفية والشافعة الزلة في الكبيره والصغيره قبل النبوة وبعدها (تسہیل

الوصول ص ۱۲۹)

یعنی احناف اور شوافع نے (انبیاء کرامؑ کے لیے) نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد بطور زلّت (لغزش) کے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کا صدور جائز قرار دیا ہے۔ فرمایئے اگر کسی صحابی کے لیے گناہ یا نافرمانی کے الفاظ لکھے جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی تصریح کر دی جائے کہ یہ اجتہادی خطا ہے اور حقیقتاً گناہ نہیں بلکہ یہ صورتاً گناہ ہے تو اس کو آپ تنقیص و توہین پر محمول کرتے ہیں اور اگر آپ معصوم انبیاء کرامؑ کے لیے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا صدور بطور لغزش کے مان لیں تو اس کو آپ شانِ نبوت کی تنقیص نہیں قرار دیتے بلکہ فرما رہے ہیں کہ حنفی اور شافعی محققین نے اس کو جائز قرار دیا ہے

؎ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

(۲) میں نے گناہ اور نافرمانی کے الفاظ جو استعمال کیے تھے تو وہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے جواب میں الزاماً لکھے تھے لیکن آپ تو الزاماً نہیں بلکہ ایک تحقیقی بات لکھ رہے ہیں کہ بطور لغزش انبیاء کرام علیہم السلام سے صغیرہ بلکہ کبیرہ گناہوں کا صدور ہو جاتا ہے۔ تعجب ہے کہ مولانا مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی اور ان کے معاون مفتی حضرات کو مولانا ابوریحان صاحب کی یہ کم فہمی نظر نہیں آئی۔

(۳) امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دوسرے اکابر امت نے جو حضرت معاویہؓ کے متعلق باغی وغیرہ الفاظ استعمال کیے تو وہ بھی اسی اصول پر مبنی تھے جو آپ نے تسہیل الوصول سے پیش کیا ہے اور اس سلسلے میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی مثال پیش کی ہے۔ اگر اتنی بات سمجھنے کی آپ صلاحیت نہیں رکھتے تو ایک علمی بحث کے سلسلے میں آپ نے سبائی فتنہ جیسی ضخیم کتاب لکھنے کی کیوں زحمت برداشت کی ہے جس میں آپ طرح طرح کے مضحکہ خیز استدلات

واعتراضات پیش کر رہے ہیں۔

(۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''معصوموں سے اگرچہ قصداً گناہ نہیں ہوسکتا مگر غلط فہمی سے بعض اوقات ان سے بڑے سے بڑا گناہ ہو جاتا ہے۔ مگر یہ گناہ صورتاً ہی گناہ ہے حقیقتاً نہیں ہے۔ حقیقت میں اس کو گناہ نہ کہا جائے گا''

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول مکتوب ۸۸۔ ص ۳۵۹)

فرمایئے حضرت محدث مدنیؒ نے انبیاء معصومین علیہم السلام کے لیے بھی بڑے سے بڑے گناہ کا صدور تسلیم کر لیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی تصریح فرما دی کہ یہ گناہ حقیقتاً نہیں ہوتا بلکہ صورتاً ہوتا ہے اور اس بندہ نے تو بعض صحابہ کرامؓ کے لیے گناہ یا نافرمانی کے الفاظ لکھے ہیں تو یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ یہ نافرمانی اور بغاوت صورتاً ہے نہ کہ حقیقتاً۔

(ب) بحوالہ کتاب تفہیمات ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی ایک خلاف عصمت انبیاء علیہم السلام کی عبارت کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا مدنیؒ فرماتے ہیں۔ اور اس طرح عصمت ان (یعنی انبیاءؑ) کی دائمی ہے کسی وقت ان سے جدا نہیں ہوتی۔ جن امور کو مودودی صاحب لغزشیں شمار کرتے ہوئے عصمت کا اٹھ جانا سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے۔ یہ امور معصیت میں ہی نہیں صرف صورت معصیت ہیں۔ (مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت ص ۵۴۔ ایضاً دفاع حضرت معاویہؓ ۴۸)

(۵) سورۃ محمد کی آیت واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات کا ترجمہ حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ نے یہ لکھا ہے:

''اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایمان دار مردوں اور عورتوں

کے لیے"

علماء اہلسنت والجماعت حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ترجمہ کو ایک الہامی ترجمہ قرار دیتے ہیں جو آپ نے دہلی کی جامع مسجد میں دس سال اعتکاف کی حالت میں لکھا ہے آپ نے ذنب کا ترجمہ گناہ لکھا ہے حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہیں۔ تو یہاں مراد گناہ سے صورتاً گناہ ہے نہ کہ حقیقتاً اور علماء نے آپ کے اس ترجمہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا کیونکہ اہل علم حضرات اس کی مراد کو سمجھتے ہیں۔

(٦) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

اور (اگر کبھی کوئی خطا سرزد ہو جائے جو آپ کی عصمت نبوت کی بنا پر درحقیقت گناہ نہیں بلکہ صرف ترک افضل ہی ہوگا مگر آپ کی شان ارفع کے اعتبار سے صورتاً خطا ہے اس لیے) آپ اپنی (اس ظاہری خطا) کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لیے بھی (بخشش کی دعا مانگتے رہیے) (تفسیر بیان القرآن)

(٧) مفسر قرآن حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ بانی دارالعلوم کراچی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجہ عصمت نبوت کے اس کے خلاف کرنے کا اگرچہ احتمال نہیں تھا۔ مگر انبیاء علیہم السلام سے معصوم ہونے کے باوجود بعض اوقات اجتہاد میں خطا ہو جاتی ہے اور اجتہادی خطا قانون شرع میں گناہ نہیں بلکہ اس پر بھی اجر ملتا ہے مگر انبیاء علیہم السلام کو اس خطا پر متنبہ ضرور کیا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ عبس میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک قسم کا عتاب نازل ہوا وہ

بھی اسی خطائے اجتہادی کی ایک مثال تھی۔ (تفسیر معارف القرآن جلد ہشتم)

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ تو انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی خطائے اجتہادی کا صدور مان رہے ہیں لیکن ابوریحان صاحب ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باوجود غیر معصوم ماننے کے ان کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت کرنے پر بھی برافروختہ ہوجاتے ہیں۔ایں چہ بوالعجبیست اور حضرت مفتی صاحب کے ان الفاظ کو بھی مولانا ابوریحان پیش نظر رکھیں کہ: بلکہ اس پر بھی (یعنی خطائے اجتہادی پر بھی) اجر ملتا ہے اور میں نے بھی یہی کچھ لکھا تھا لیکن ابوریحان صاحب نے اس قسم کی تعبیر کو غلط قرار دیا اور علمائے حق کی اصطلاحات و تعبیرات سے ناواقفیت کی بنا پر ہی استفتا میں ابوریحان صاحب کا موقف یہ پیش کیا گیا ہے کہ: جب کہ طارق اکابر کی ایسی عبارتوں میں ایسی تاویل خود اصحاب کی صفائی دینے اور ان کی طرف سے معذرت کرنے کے لیے کرتا ہے کہ صحابہ کے جس فعل کو اکابر نے بغاوت و جور وغیرہ کہا ہے اصل کے اعتبار سے بھی وہ زیادہ سے زیادہ خطاء اجتہادی ہی تھا اس سے زیادہ نہ تھا لہٰذا جن حضرات نے اس کو اس سے زیادہ کہا ہے انھوں نے ہیجد استقامت و عزیمت سے تجاویز کیا ہے۔لہٰذا صفائی دینے اور معذرت پیش کرنے کی ضرورت ان اکابر کی طرف سے ہی تھی الخ (استفتا ص ۲۱)

حالانکہ ان اکابر نے استقامت سے بالکل تجاویز نہیں کیا۔قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والا شرعاً باغی ہی ہے۔اس کا اصل حکم یہی ہے لیکن چونکہ ان کا یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا اس لیے ان کے اس فعل کو صورتاً بغاوت کہا جائے گا نہ کہ حقیقتاً۔اور ان اکابر نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا منسوب کر کے اس حقیقت کا اظہار فرمایا تھا۔لہٰذا ان کی طرف سے معذرت کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی۔اس لیے میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ اس اجتہادی خطا کا کوئی مبنی ہونا چاہیے اور ابوریحان

صاحب خود بھی حضرت اسامہؓ کے لیے اس حقیقت کو تسلیم بھی کر چکے ہیں جب کہ وہ یہ لکھ رہے ہیں کہ:

> کسی مسلمان کو بلا کسی شرعی وجہ اور بلا کسی تاویل کے قتل کرنا اپنی ذات کے اعتبار سے گناہ کبیرہ ہے۔ یہ قتل بھی اگر بلا تاویل ہوتا تو یقیناً کبیرہ ہی ہوتا الخ (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۴۱۸)

اور انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے وہ خود الخطاء فی الکبیرہ کی اصطلاح تسلیم کر چکے ہیں۔ (ایضاً ص ۴۱۸)

کاش کہ ابو ریحان صاحب اکابر کی علمی عبارات اور تعبیرات کو سمجھ کر اس اجتہادی بحث کے میدان میں قدم رکھتے تو یوں تضاد بیانیوں کا ارتکاب نہ کرتے۔

☆☆☆
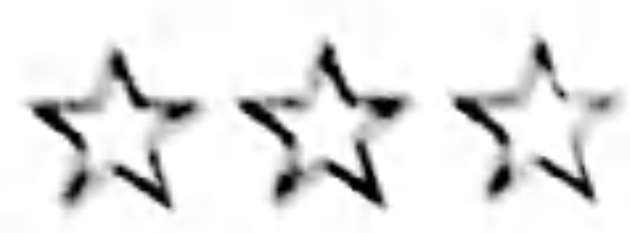
خالد اور طارق کے متعلق زیر بحث استفتاء میں خالد کے نام سے جو میرا مؤقف پیش کیا گیا تھا اس میں کم فہمی یا تلبیس سے کام لیا گیا ہے جس کی نشاندہی میں نے کر دی ہے۔ مولانا مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی نے اپنے معاونین سمیت جو فتویٰ مرتب کیا تھا کہ مفتی صاحب موصوف کو اصل مسئلہ کے مالہ وما علیہ پر نظر نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے اپنے فتویٰ میں علمی حیثیت سے ٹھوکر کھائی

۲۔ مولانا عبدالغفور ابو ریحان نے اپنی ضخیم کتاب ''سبائی فتنہ'' میں حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق میرے پیش کردہ مؤقف پر جو جرح وتنقید کی وہ ان کی کم فہمی یا کج فہمی پر مبنی تھی۔ میں نے تو اپنی کتاب خارجی فتنہ حصہ اول حصہ۔ حصہ دوم اور کشف خارجیت میں جو موقف پیش کیا تھا وہی اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، نے جو جنگ لڑی تھی اس میں ان سے اجتہادی خطا کا صدور ہو گیا تھا اور اجتہادی خطا کی نسبت

کرنے میں کوئی تنقیص اور توہین نہیں پائی جاتی بلکہ حسب ارشاد رسالت مجتہد کو اجتہادی خطا کے باوجود ایک اجر ہی ملتا ہے۔

۳۔ اور جہاں کہیں میں نے حکمین کریمین یا حضرت معاویہؓ کے بارے میں نافرمانی یا بغاوت کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ تو اول تو وہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے جواب میں الزامی حیثیت کے ہیں۔ دوم ان سے مراد صورتاً نافرمانی اور بغاوت ہے نہ کہ حقیقتاً اور اکابر محققین اہل سنت کی تحریرات بھی اس کے ثبوت میں پیش کردی تھیں جن میں انہوں نے صورتاً اور حقیقتاً کا فرق واضح فرمایا ہے بلکہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا مدنی قدس سرہ، کا ارشاد بھی پیش کردیا ہے کہ انبیاء معصومین سے بھی بظاہر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ صورتاً ہوتا ہے درحقیقت وہ کسی قسم کا گناہ نہیں ہوتا۔

۴۔ اور مولانا ابوریحان نے خود اس تحقیق کے پیش نظر انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے الخطاء فی الکبیرہ کے الفاظ لکھے ہیں اور انتہائی حیرت انگیز بات ہے کہ ابوریحان صاحب معصوم انبیاء علیہم السلام کے لیے تو خطاء اجتہادی کی بنا پر کبیرہ گناہ کا صدور بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن اگر حضرت امیر معاویہؓ (جو معصوم بھی نہیں ہیں) کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت میں نے کی ہے تو چیخ و پکار اور واویلا کر کے آسمان سر پر اٹھالیا ہے اور فرماتے ہیں اجتہادی خطاء کو تسلیم کرنا کسی صحابی کا ناقص ذکر خیر ہے۔ آخر یہ کون سی ذہنیت کارفرما ہے؟ اہل علم حضرات اس کو بہرحال پیش نظر رکھیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ اور ریحانی مؤقف

حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق تو حسب ضرورت کافی وشافی بحث ہو چکی ہے۔ اب قارئین حضرات کے سامنے مولانا ابوریحان نے قرآن کے چوتھے

موعودہ خلیفہ راشد کے متعلق اپنا نظریہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ، کے قاتلین سے حضرت علیؓ، کی طرف سے قصاص نہ لینے کی بحث میں لکھتے ہیں:

لیجئے ایک تاریخی حقیقت بھی ملاحظہ فرماتے جایئے۔ تاریخ جو اعداد وشمار فراہم کرتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینا حضرت علیؓ کے لیے مشکل تو ضرور تھا لیکن اتنا مشکل بھی نہ تھا کہ اصحاب جمل وصفین کی بیعت ومعاونت کے بغیر لیا ہی نہ جا سکتا تھا کیونکہ حضرت علیؓ کا سارا لشکر صرف قاتلین عثمان پر ہی مشتمل نہ تھا۔ وہ صرف دو اڑھائی ہزار تھے باقی سارا لشکر مخلصین کا ہی تھا۔ لہٰذا جتنی ہمت اصحاب جمل وصفین سے بیعت لینے میں صرف کی گئی اگر صرف اپنے مخلصین لشکریوں کی مدد سے اس کی عشرِ عشیر ہمت بھی قصاص لینے کی طرف مبذول کی جاتی تو یہ مرحلہ جمل وصفین کی بہ نسبت زیادہ سہولت کے ساتھ طے پا سکتا تھا۔ دیکھئے جنگ جمل میں اصحاب جمل کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی اور حضرت علیؓ کے لشکر کی بیس ہزار (البدایہ ص ۲۴۰ جلد ۷) اس میں سے ابن کثیر کی تصریح کے مطابق صرف دو ہزار اور باقرار ابن سبا صرف اڑھائی ہزار قاتلین عثمان تھے۔ (البدایہ ص ۱۹۷ ج ۷۔ وص ۲۳۹ ج ۷) باقی تقریباً سترہ اٹھارہ ہزار مخلصین تیس ہزار اصحاب جمل سے اگر ٹکرا سکتے تھے تو ان کی مدد سے دو ڈھائی ہزار قاتلین کو بھی بڑی آسانی سے زیر کیا جا سکتا تھا۔ جبکہ اصحاب جمل سے ٹکرانے میں تو جانبین کے دس ہزار آدمی کام آئے پانچ پانچ ہزار فی لشکر (البدایہ ۲۴۵ ج ۷) اور ایک روایت تیرہ ہزار کی بھی ہے۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ ازالہ الخفاء) لیکن ان دو ڈھائی ہزار سے نمٹنے میں شاید دسو بھی کام نہ آتے۔ اسی طرح صفین میں حضرت معاویہؓ کے لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار سے ایک لاکھ پچیس ہزار تک حضرت علیؓ کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار سے ڈیڑھ لاکھ مروی ہے۔ (البدایہ ص ۲۶۱ ھ

۷وص ۲۷۵ ج ۷)

اس وقت تک سبائی مفسدوں کی تعداد میں دس گناہ اضافہ بھی اگر فرض کر لیا جائے تو ان کی تعداد بیس پچیس ہزار بنتی ہے۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں سے اتنی تعداد نکالنے کے بعد بھی تقریباً لاکھ سوا لاکھ مخلصین باقی بچتے ہیں۔ یہ لاکھ سوا لاکھ جیالے ساٹھ ہزار یا ڈیڑھ لاکھ شامیوں سے صفین کا میدان اگر جیت سکتے تھے تو اول تو دو اڑھائی ہزار ورنہ بیس پچیس ہزار ہی سہی سبائیوں کو کیوں زیر نہ کر سکتے تھے۔ جبکہ اہل شام سے ٹکرانے میں تو ایک روایت کے مطابق اہل شام کے بیس ہزار اور اہل عراق کے چالیس ہزار آدمی کام آئے۔ (البدایہ ص ۲۷۵ ج۔۷)
لیکن اہل شام کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے اگر چند ہزار سبائی مفسدوں کی طرف توجہ کی جاتی تو غالب یہ ہے کہ شاید اس کا نصف بھی جانی نقصان نہ ہوتا۔ جبکہ دوسری طرف حضرت علیؓ کا عمل یہ ہے کہ خوارج نے ملک میں جب اودھم مچایا۔ خون ریزی کی اور عبداللہ بن خباب اور ان کی حاملہ بیوی جیسے بے گناہوں کو بیدردی سے قتل کیا تو باوجود اس کے حضرت علیؓ شام پر دوبارہ چڑھائی کے ارادہ سے پینسٹھ ہزار لشکر جرار کے ساتھ کوفہ سے نکل چکے تھے اپنا یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور خوارج سے بے گناہ مقتولین کا قصاص لینے کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان سے بعینہ وہی مطالبہ کیا جو اصحاب جمل و صفین نے حضرت علیؓ سے کیا ہوا تھا یعنی ان **ارفعوا الینا اخواننا منکم حتی اقتلھم ثم اناتا ککم و ذاھب الی العریب یعنی اھل الشام** اور خوارج نے اس کا وہی جواب دیا جو اس وقت قاتلین عثمان نے دیا تھا کہ **کلنا قتل اخوانکم و نحن مستحلون دمآء ھم و دماء کم** (البدایہ ص ۲۸۸ ج ۷ و فتح الباری ص ۲۹۷ ج ۱۲)
لیکن حضرت علیؓ نے ہمت نہ ہاری، کمزوری نہیں دکھائی بلکہ انتہائی

جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بلا خوف وخطر ان پر چڑھائی کر کے ان کے کئے کی ان کو قرار واقعی سزا دی اور مقتولین کا قصاص لیا اور اس میں حضرت علیؓ کے کتنے آدمی کام آئے۔ صرف اور صرف سات۔

ولم یقتل من اصحاب علیؓ الاسبعه نفر (البدایہ ص ۲۸۹ ج ۷) اور اس سے بڑھ کر قصاص کے مسئلہ میں حضرت علیؓ کی بیدار مغزی اور احساس ذمہ داری کا اندازہ اس سے لگایئے کہ قتل کے جس مقدمہ کا فیصلہ حضرت علیؓ کی خلافت سے بارہ سال قبل اس وقت کے خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ صحابہ کے باہم مشورہ سے کر چکے تھے اور فیصلہ نافذ بھی ہو چکا تھا۔ حضرت علیؓ نے تقریباً بارہ سال بعد اپنے دور خلافت میں نظر ثانی کر کے عبیداللہ بن عمر سے ہرمزان۔ جفینہ (نصرانی غلام اور ابولولو (قاتل عمرؓ) کی بیٹی کا اپنی بارہ سالہ پرانی رائے کے مطابق قصاص ہی لینا چاہا۔ عبیداللہ بن عمرؓ ڈر کر شام چلے گئے اور حضرت معاویہؓ کی رفاقت کا دم بھرنے لگے (اشاعت اسلام المعروف دینا میں اسلام کیونکر پھیلا۔ ص ۱۶۵۔ واصابہ استیعاب ص ۷۶۔ جلد ۳) اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قصاص لینے میں کتنے حساس اور کتنے بااختیار تھے کہ جب کسی سے قصاص لینے کا فیصلہ کر لیا تو پھر اپنے فیصلے کو نافذ کرنے میں نہ کسی سے ڈرے نہ کسی سے دبے۔ اس سے حضرت قاضی صاحب کا کوئی مدمقابل یہ ناصبیانہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ قصاص عثمانؓ میں بھی حضرت علیؓ، ایسے معذور و بے بس نہ تھے کہ اس طرف توجہ دینے کے باوجود ناکام رہتے بلکہ اگر اس طرف بھی متوجہ ہوتے تو جمل وصفین اور جنگ نہروان کی طرح یہاں بھی ضرور کامیاب ہی ہوتے۔

مقصود بحث

یہ چند نمونے ہیں ناصبیانہ وخارجیانہ استدلال کے۔ حضرت معاویہؓ سے

بغاوت کے متعلق حضرت قاضی صاحب مدظلہ، کے ذکر کردہ پانچ عدد حقائق وواقعات کی طرح یہ مذکورہ بالا پانچ امور بھی اپنی جگہ حقائق وواقعات ہی میں جن کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ نری طبری وغیرہ کی روایات نہیں ہیں اوران حقائق وواقعات سے حضرت علیؓ کی خلافت وغیرہ کی نفی پر ناصبیانہ وخارجیانہ کے استدلال کی نوعیت بھی بعینہٖ وہی ہے جوان حقائق وواقعات سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بغاوت پر حضرت قاضی صاحب کے استدلال کی ہے بلکہ حضرت قاضی صاحب کے ذکر کردہ حقائق وواقعات سے حضرت معاویہؓ کی بغاوت پر استدلال اتنا واضح اور آسان نہیں جتنا کہ ان حقائق واوقعات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور مسئلہ قصاص میں ان کی معذدوری کی نفی پر واضح اور آسان ہے لہٰذا بغاوت معاویہؓ پر حضرت قاضی صاحب کے زیر بحث استدلال کو اگر صحیح مان لیا جائے تو پھر حضرت علیؓ کی خلافت وغیرہ کی نفی پر اس مذکورہ استدلال کو غیر سنی۔ غیر صحیح اور غلط استدلال لکھنے کی کوئی معقول وجہ باقی نہیں رہتی ۔حضرت معاویہؓ کی بغاوت سے متعلق حضرت قاضی صاحب کے ذکر کردہ پانچ حقائق وواقعات کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت وغیرہ سے متعلق جو مذکورہ بالا پانچ حقائق وواقعات ہم نے ذکر کیے ہیں ان سے ہمارا مقصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ موعودہ کا انکار کرنا یا قصاص عثمانؓ کے معاملہ میں العیاذ باللہ ان کو مورد الزام ٹھہرانا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ نہ حقیقتاً نہ واقعتاً اور نہ صورتاً والزاماً۔ ہم ایسے عقیدہ سے سو سو دفعہ خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔اس سلسلے میں ہم اپنی نجات اسی عقیدہ میں سمجھتے ہیں جو اصولی طور پر ہر سنی عقیدہ ومسلک کے حوالہ سے حضرت قاضی صاحب مدظلہ، نے بیان فرمایا ہے۔اس لیے حضرت علیؓ کی خلافت وغیرہ سے متعلق مذکورہ پانچ حقائق وواقعات کا حضرت قاضی صاحب مدظلہ، کے

خیال میں جو بھی جواب ہے ہمارا بھی بلا تامل اس پر صوفی صد صاد ہے۔''

اسی سلسلے میں ابو ریحان صاحب لکھتے ہیں: سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت سے متعلق جو حقائق و واقعات اوپر مذکور ہوئے اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اگر قائم و ثابت رہ سکتی ہے تو حضرت قاضی صاحب کے محولہ واقعات کے ہوتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برأت از بغاوت آخر کیوں برقرار نہیں رہ سکتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے متعلق حقائق و واقعات کے بعد بھی جو صاحب عقل و شعور انسان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق مان سکتا ہے اس کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ان واقعات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی مرکز کے تابع کہنا آج کیوں مشکل ہے۔'' (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۲۴۶ تا ص ۲۵۴)

الجواب

مولانا ابو ریحان صاحب نے جواب الجواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سے متعلق جو حقائق و واقعات پیش کیے ہیں اور ان پر تبصرہ کیا ہے۔ ان کی یہ بحث بعنوان ''حضرت معاویہؓ کو باغی بنانا'' ص۲۰۲ سے لے کر ص ۲۵۴ سے بھی آگے چلی جاتی ہے۔اس میں انہوں نے ایک بات کو کئی بار دوہرایا ہے اور کتنے اوراق یوں ہی سیاہ کر دیے ہیں۔ میں نے یہاں ان کی عبارت ص۲۴۶ تا ص ۲۵۴ نقل کر دی ہے۔اس سے پہلے کے بعض مضامین کا جواب بعد میں دیا جائیگا۔

اصل بحث اور میرا موقف

خارجی فتنہ حصہ اول میں میری اصل بحث مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی صدیقی (کراچی) سے تھی۔

انہوں نے اپنی کتاب ''اظہار حقیقت'' حصہ اول میں مشاجرات صحابہؓ کی بحث میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہ نسبت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کے اولی بالحق قرار دیا تھا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو عبوری اور غیر مستقل بتایا تھا جس کے جواب میں مذہب اہل السنّت والجماعت کے مطابق میں نے ان کے اس نظریہ کی تردید کی تھی اور آیت استخلاف اور آیت تمکین کی روشنی میں لکھا تھا کہ ان کی خلافت بھی مثل خلفاء ثلثہؓ قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ تھی اور وہ مستقل تھی اور میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ آپ تو حضرت معاویہؓ کے مؤقف کو جنگ صفین میں حضرت علیؓ پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ محققین اہل سنت نے تو یہ لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ حضرت علیؓ سے جنگ کرنے میں باغی تھے اور لفظ باغی کی مراد سمجھاتے ہوئے میں نے یہ لکھا تھا کہ حضرت معاویہؓ کی بغاوت صورتاً تھی نہ کہ حقیقتاً کیونکہ آپ مجتہد تھے اور اس قضیہ میں آپ سے اجتہادی خطا کا صدور ہو گیا تھا۔ میرے اس پیش کردہ مؤقف کو کوئی صاحب علم وفہم حضرت امیر معاویہؓ کی تنقیص وتوہین پر مبنی نہیں قرار دے سکتا لیکن مولانا ابوریحان ہیں کہ اہل سنت کے اس مسلک کو غضب آلودہ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انتہائی مغلوبیت کی حالت میں جو جی میں آتا ہے لکھ دیتے ہیں۔

۲۔ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے اپنی کتاب ''اظہارِ حقیقت'' میں یہ لکھا تھا کہ: اللہ تعالیٰ شانہ ان قلیل التعداد علمائے اہل سنت کو معاف فرمائیں جو غلط فہمی کا شکار ہو کر حضرت معاویہؓ اور ان کے موید دوسرے صحابہ کرامؓ کو باغی کہنے کی بے ادبی وگستاخی میں مبتلا ہو گئے ہیں انہوں نے سمجھ لیا کہ انکار بیعت کا مطلب مرکز سے آزادی کا اعلان ہے جو بغاوت کا دوسرا عنوان ہے۔ اس غلط فہمی نے انہیں اس بے ادبانہ لغزش میں مبتلا کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بیعت سے انکار

کسی طرح بھی بغاوت کے ہم معنی یا اس کو مستلزم نہیں الخ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۳۳ وخارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۷۹) میں نے ان کے جواب میں بعنوان مرکز سے آزادی کیا ہے لکھا تھا کہ سندیلوی صاحب کی محولہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی مرکز سے آزاد ہونے کو بغاوت قرار دیتے ہیں۔ اب فرمایئے۔ (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے حضرت معاویہؓ شام کے گورنر تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان کو معزول کیا لیکن آپ نے اطاعت نہ کی۔

۳۔ آیت استخلاف کے تحت صحیح انتخاب سے بحکم ورضائے خداوندی منصب نبوت پر فائز ہونے والے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا تو حضرت معاویہؓ نے قاتلین عثمان کو ان کے سپرد کرنے اور قصاص لینے کی شرط پیش کر دی۔

۴۔ خلیفہ موعود کے انتخاب کو ہنگامی۔ عبوری اور عارضی قرار دیتے ہوئے مطالبہ کیا کہ حضرت علیؓ خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور دوبارہ انتخابات کرائے جائیں۔

۵۔ اللہ کی مقرر کردہ خلیفہ موعودہ حضرت علیؓ نے اللہ کی دی ہوئی خلافت راشدہ کی عظیم امانت کے تحفظ کے لیے آئندہ خطرات کے تحت اقدام کیا تو بجائے خلیفہ موعودہ کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے حضرت معاویہؓ نے آپ سے کھلے طور پر جنگ کی جس میں ہزارہا مسلمان شہید ہوئے۔ یہ حقائق وواقعات ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا (اس مین طبری وغیرہ روایات کا سہارا لینے کی حاجت ہی نہیں)۔

۶۔ آخر تک حضرت معاویہؓ نے خلیفہ موعودہ کی اطاعت نہیں کی۔ ان واقعات کے بعد بھی کوئی صاحب عقل وشعور یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ مرکز کے تابع تھے نہ کہ آزاد۔ ایک صوبہ کے گورنر کی حیثیت سے یہ بغاوت نہیں بلکہ

اطاعت خلیفہ ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ سرے سے بغاوت نام کی کوئی چیز دنیا میں موجود نہیں۔ سندیلوی صاحب کیا آپ کے نزدیک دستوری فقہ موعودہ راشد خلیفہ سے جنگ کرنے کا نام ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

اپنی کم فہمی اور کج روی اور خود ساختہ مفروضات کی بنا پر سندیلوی صاحب فقہائے امت کو رکید کر کس اسلام اور کس مذہب اہل سنت والجماعت کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۸۱)

مندرجہ دفعات سے میرا مقصد تو یہ تھا کہ مولانا سندیلوی تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ مرکز کے تابع رہے نہ کہ آزاد۔ اور مرکز سے آزادی کو وہ بھی بغاوت ہی قرار دیتے تھے۔ تو میرا سوال یہ تھا کہ صوبہ کے گورنر خلیفہ وقت کی بیعت بھی نہ کریں اور اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ حضرت علی المرتضٰی اور حضرت امیر معاویہؓ کے مابین جنگ صفین واقع ہوئی جس میں ہزارہا مسلمان فریقین سے مقتول ہوئے۔ تو اس جنگ کے بعد بھی کوئی صاحب عقل و شعور کہہ سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ مرکز خلافت کے تابع تھے؟ اس کا جواب نہ مولانا سندیلوی کے پاس ہے نہ ابوریحان کے پاس۔ ابوریحان صاحب پر لازم تھا کہ وہ ثابت کرتے کہ قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد سے جنگ کرنے کے بعد بھی حضرت معاویہؓ کو مرکز خلافت کے تابع ہی قرار دے سکتے تھے۔ اور پھر طرفہ یہ کہ حکمین کے فیصلے کے بعد تو حضرت معاویہؓ نے اپنی خلافت کی بیعت شروع کر دی تھی۔ لیکن بجائے کوئی صحیح جواب دینے کے مولانا ابوریحان نے یہ نرالی منطق پیش کر دی کہ اگر حقائق و واقعات کی یہ تصویر حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں پیش کی جا سکتی ہے تو اس کے برعکس حضرت علیؓ کے بارے میں بھی اس سے بڑھ کر حقائق واقعات پیش کئے

جاسکتے ہیں اور انہوں نے وہ واقعات وحقائق پیش کردیے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

تیسری گذارش پھراس سلسلے میں یہ ہے کہ پھر حقائق وواقعات بھی صرف اسی طرف تو نہیں دوسری طرف بھی بلکہ ان سے کہیں زیادہ وقیع وصریح اور ٹھوس ہیں۔اگراس طرف کے حقائق وواقعات کی مدد سے حضرت معاویہؓ کو باغی واغی بتانے کا تکلف کیا جاسکتا ہے تو دوسری طرف حقائق وواقعات کے حوالہ سے کوئی ناصبی وخارجی یا کوئی ناصبیت وخارجیت گرویدہ حضرت علیؓ کی سرے سے خلافت کا ہی انکار کرسکتا ہے۔جس کا پھر صرف حضرت معاویہؓ کی بغاوت کو سینے سے چمٹائے پھرنے والے کوئی معقول ومسکت جواب بھی نہیں دے سکتے الخ (کتاب سبائی فتنہ حصہ اول ص ۲۷۲)

ناصبی اور خارجی تو حضرت حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت موعودہ کو مجروح کرنے میں اتنی چابکدستی نہ دکھا سکتے۔جتنی ابوریحان نے اپنی ریحانیت کے ذریعہ دکھائی ہے۔

قارئین حضرات:

ابو ریحان مولانا عبدالغفور سیالکوٹی نے میرے جواب الجواب میں بجائے میرے پیش کردہ حقائق واقعات کا جواب دینے کے اُلٹا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طرز عمل اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا قصاص نہ لے سکنے کے فیصلے کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اوراس کے ساتھ ہی معذرت کردی ہے کہ ایسے حقائق وواقعات اگر کوئی ناصبی اور خارجی پیش کردے تو اس کے کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ حالانکہ کسی ناصبی اور خارجی نے تو اتنی تفصیل سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر حقائق وواقعات کی یہ فرد جرم عاید نہیں کی۔ یہ دراصل ریحانی تصورات داوہام ہی ہیں جن کو حقائق وواقعات سے تعبیر کردیا گیا ہے۔ابو

ریحان صاحب نے اپنے پیش کردہ حقائق وواقعات کے ثبوت کے لیے بہت زیادہ کدوکاوش سے کام لیا ہے جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ناظم دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اشاعت اسلام (دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا) کا حوالہ بھی دیا ہے حالانکہ موجودہ بعض خارجی وناصبین مصنفین نے بھی شاید اس کتاب کا مطالعہ نہ کیا ہو گا واللہ اعلم۔

(۲) حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف حقائق وواقعات پیش کرتے ہوئے ابو ریحان صاحب لکھتے ہیں:

"لیجئے ایک تاریخی حقیقت بھی ملاحظہ فرماتے جایئے۔ تاریخ جو معلومات واعداد پیش کرتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مشکل تو ضرور تھا لیکن اتنا مشکل بھی نہ تھا کہ اصحاب جمل وصفین کی بیعت ومعاونت کے بغیر لیا ہی نہ جاسکتا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سارا لشکر صرف قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ پر ہی مشتمل نہ تھا۔ وہ تو صرف اڑھائی ہزار تھے باقی سارا لشکر مخلصین کا ہی تھا لہٰذا جتنی ہمت اصحاب جمل وصفین سے بیعت لینے میں صرف کی گئی اگر صرف اپنے ہی مخلصین لشکروں کی مدد سے اس کی عشر عشیر ہمت بھی قصاص لینے کی طرف مبذول کی جاتی تو یہ مرحلہ جمل وصفین کی بہ نسبت کہیں زیادہ سہولت کے ساتھ طے پاسکتا تھا الخ

(ص ۲۴۶)

الجواب

(۱) اس وقت کے پیچیدہ حالات وواقعات کے اندر حضرت علی المرتضیٰؓ

کے لیے تو بہت مشکل تھا جو اسد اللہ (شیر خدا) بھی ہیں اور قاتل مرحب اور خیبر کے ایک قلعہ کے فاتح بھی ہیں اور قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد بھی ہیں جن کو (مولانا سندیلوی کی تعبیر کے مطابق) اللہ تعالیٰ ہی نے خلیفہ مقرر کیا تھا۔لیکن ابو ریحان صاحب کو ان کے ارشاد پر اعتماد نہیں۔کاش کہ ابو ریحان جیسے بہادر اور جنگی مدبر اس وقت ہوتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشکل حل کر لیتے۔

(۲) ابو ریحان صاحب یہ سمجھ رہے ہیں کہ سبائیوں کا دو اڑھائی ہزار ٹولہ کسی ایک جگہ جمع تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہزاروں مخلصین تھے۔یہ اگر ان سبائیوں پر حملہ کر دیتے تو ان کی تکا بوٹی کر دیتے۔حالانکہ بلوائی اور سبائی کسی ایک جگہ جمع نہیں تھے بلکہ وہ لشکر میں پھیلے ہوئے تھے۔کسی کو کیا معلوم تھا کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی سازش میں کون کون شریک ہیں اور وہ مخصوص قاتل کون ہے جس نے خود حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔آخر قتل حضرت عثمانؓ کے قصاص میں کس کس کو قتل کیا جاتا۔کیا یہ آسان کام تھا۔

(۳) ابو ریحان صاحب یہ بھی فرمائیں کہ بلوائیوں کا سرغنہ غافقی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے آخری ایام حیات میں جب کہ آپ گھر میں محصور تھے مسجد نبوی میں نمازیں پڑھاتا رہا اگر کوئی سوال کرے کہ اس وقت مدینہ منورہ کے صحابہ کرام (جن میں مہاجرین وانصار بھی تھے) کہاں تھے۔انہوں نے اس غافقی کو مسجد نبوی کے مصلے سے کیوں نہیں ہٹایا اور اس کو کیوں نہیں قتل کیا تو ابو ریحان صاحب کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ وہ غازیان صحابہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے دور رسالت میں قلیل تعداد میں ہوتے ہوئے کفار کے بڑے بڑے لشکروں کو شکست دی۔اب وہ کیوں اتنے کمزور ہو گئے تھے؟

(۴) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بتوفیق وعدہ خداوندی منصب خلافت پر

فائز ہوئے تھے۔ کیا ان کا یہ حق نہیں تھا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اپنی بیعت کی دعوت دیتے۔ یقیناً حق تھا اور ابو ریحان صاحب یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ: وہ معاویہ رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لیاقت اور استحقاقِ خلافت کا نہ صرف یہ کہ اقراری تھا بلکہ اہل شام میں سے سب سے پہلے بیعت کرنے کا اعتراف اور اس کا برملا اظہار کر رہا تھا۔

(فتح الباری جلد ۱۳ ص ۸۶۔ والبدایہ ج ۸ ص ۱۲۹ و ج ۷ ص ۲۶۰)

جس معاویہ نے اس شخص کو خوب ڈانٹا اور اس کا وظیفہ ہی بند کر دیا جس نے ایک مسئلہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے کہنے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھنے کے بجائے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی سے پوچھنا زیادہ پسند کیا۔ (بحوالہ الناھیہ ص ۲۷) وہ معاویہ رضی اللہ عنہ جو خود بھی مسائل ونوازل میں باب مدینۃ العلم کی طرف ہی رجوع کرتا تھا۔ (الاستیعاب مع الاصابۃ ج ۳ ص ۴۴ وموطا مالک ص ۶۴۰۔ باب القضاء من وجد مع امراتہ رجلا) (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۲۲۷) اسی سلسلہ میں ابو ریحان صاحب لکھتے ہیں: وہ معاویہ رضی اللہ عنہ جو مرتے وقت بھی اپنے بیٹے کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلہ رحمی اور نرمی کرنے کی وصیت کر کے اس دنیا سے رخصت ہوا۔ (البدایہ جلد ۸ ص ۱۶۲) ایسے معاویہ رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آخر کیا خطرات ہو سکتے تھے۔ اس لیے ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطرات تو کیا کوئی ایک خطرہ بھی نہ تھا اور نہ ان کا صفینی اقدام ہی ایسے فرضی اقدامات پر مبنی تھا۔ ہاں سبائی مفسدوں کو اپنی اسلام دشمن کارستانیوں کی وجہ سے البتہ خطرات ضرور درپیش تھے۔ ان کو جانوں کے لالے بے شک پڑے ہوئے تھے۔ ان کو حضرت علی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح میں اپنے سر قلم ہوتے نظر آرہے

تھے۔ اس لیے جمل وصفین کی ہلاکت خیزیوں کے تمام تر ذمہ دار بھی تنہا یہی فتنہ انداز فتنہ پرداز تھے۔ حضرت علی واصحاب جمل وصفین خصوصاً حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم) ان سے بالکل پاک تھے۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی بنانے یا اُن کی خودساختہ بغاوت میں فرضی قوت پیدا کرنے کے شوق میں قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خطرات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطرات باور کرانا گویا شعوری یا غیر شعوری طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی قتال عثمان میں موث بنانا ہے۔ (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۲۳۹)

الجواب

(۱) مولانا ابوریحان اپنے خودساختہ مسلکی جوش وغضب میں کہاں سے کہاں نکل جاتے ہیں۔ اور اس وقت ان کو اتنا ہوش نہیں ہوتا کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جب وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو احق بالخلافۃ بھی مان رہے ہیں اور ان کو باب مدینۃ العلم بھی قرار دیتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسائل ونوازل میں باب مدینہ العلم (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی طرف ہی رجوع کرتے تھے اور علاوہ ازیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ: اقضاکم علی (کہ تم میں سب سے زیادہ اچھا فیصلہ کرنے والے علی ہیں) تو ان فضائل وخصوصیات کے ہوتے ہوئے کیا یہ بات صحیح نہ تھی کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے قصاص کے اہم قضیہ میں بھی حضرت علی المرتضیٰ کا فیصلہ ہی مان لیا جاتا۔ یعنی حضرت معاویہ پہلے امام وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیتے پھر قاتلین عثمان سے قصاص لینے کی مہم شروع کی جاتی۔ ابوریحان صاحب اتنی واضح حقیقت کو

کیوں نظر انداز کر رہے ہیں۔

(۲) ابو ریحان صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی ایک خطرہ بھی نہ تھا۔ یہ بھی ایک ریحانی ...... ہے۔ اگر آپ حضرت علی المرتضیٰؓ کو قرآن کا چوتھا موعودہ راشد مانتے ہیں اور جس کا مطلب بقول مولانا سندیلوی یہ ہے کہ گویا کہ آپ کو (مثل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے) اللہ تعالیٰ نے خود خلیفہ مقرر کیا تھا اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے دورِ خلافت میں حضرت امیر معاویہؓ شام کے گورنر تھے لیکن جب حضرت علی المرتضیٰؓ نے بعض دوسرے سابق گورنروں کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی معزول کر دیا تو انہوں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے اس حکم کی تعمیل نہ کی اور بدستور شام کے صوبہ پر قابض رہے اور آخر دم تک رہے۔ تو اس کے باوجود بھی ابو ریحان یہ سمجھتے ہیں کہ امام وقت حضرت علی المرتضیٰؓ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی ایک خطرہ بھی نہ تھا تو سوائے اس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

اگر امام وقت کو حضرت معاویہ سے کوئی خطرہ یا خطرات نہ تھے تو آخر کار جنگ صفین کی کیوں نوبت آئی جس میں فریقین کے ہزاروں لوگ مقتول و شہید ہوئے۔ باقی رہا یہ کہنا کہ قاتلین عثمان کی شرارتوں اور مفسدہ پردازی سے یہ ہوا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ قاتلین عثمان اپنے تحفظ کے لیے یا اہل اسلام میں تفرقہ ڈالنے کے لیے ایسا کر رہے تھے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حکم مان کر آپ کی بیعت کر لیتے تھے تو کیا پھر بھی بلوائی اور قاتلان حضرت عثمانؓ یہ کھیل کھیل سکتے تھے ہرگز نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اہل السنّت والجماعت اس قضیہ میں حضرت علیؓ کو حق و صواب پر مانتے

ہیں اور حضرت معاویہؓ کو خطا پر۔ لیکن چونکہ آپ مجتہد تھے اور اپنے اجتہاد کی بنا کر انہوں نے ایسا اختلاف قائم رکھا اس لیے وہ قابل مواخذہ نہیں بلکہ حسب ارشاد نبویؐ وہ ایک گونہ ماجور ہیں اور ابوریحان صاحب آپ امام غزالیؒ کی اس تحقیق کو کیوں نظرانداز کردیتے ہیں کہ **ولم یذهب الی تخطئة علی ذو تحصیل اصلاً** (احیاء العلوم جلد اول) کہ کسی اہل علم وتحقیق نے یہ بھی نہیں کہا کہ اس قضیہ یعنی مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا سرزد ہوگئی تھی لیکن اس کے باوجود ابوریحان حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا تخطیہ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ واللہ الہادی۔

(۳) حضرت علی المرتضیٰؓ تو یہی کوشش کرتے رہے کہ حضرت معاویہؓ بیعت کر لیں اور جنگ تک نوبت نہ آئے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب جب جنگ جمل سے فارغ ہوئے تو بصرہ آ گئے اور جب حضرت عائشہؓ نے مکہ جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے ان کی مشایعت کی اور بصرہ سے کوفہ کی طرف گئے۔ ابوالکنود عبدالرحمٰن بن عبید کا بیان ہے کہ آپ ۱۲ رجب ۳۶ ھ کو سوموار کے روز کوفہ میں داخل ہوئے۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ قصرابیض میں فروکش ہوں۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ حضرت عمرؓ بن الخطاب اس میں فروکش ہونے کو ناپسند کرتے تھے اس لیے میں بھی اسے ناپسند کرتا ہوں۔ پس آپ الرجیہ میں اُترے اور جامع اعظم میں دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر لوگوں سے خطاب کیا اور انہیں نیکی کی ترغیب دی اور برائی سے منع کیا اور اپنی اس تقریر میں اہل کوفہ کی تعریف کی۔ پھر آپ نے حضرت جریر بن عبداللہ اور حضرت اشعث بن قیس کی طرف پیغام بھیجا جو بالترتیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ہمدان اور آذربائیجان کی نیابت پر تھے کہ وہ وہاں کی رعایا سے بیعت لیں پھر ان کے پاس

آئیں۔ ان دونوں نے ایسا ہی کیا اور جب حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی بیعت کی دعوت دینے کے لیے آدمی بھیجنا چاہا تو جریر بن عبداللہ نے کہا۔ یا امیر المومنین میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ بلاشبہ میرے اور ان کے درمیان محبت پائی جاتی ہے اور میں آپ کے لئے ان سے بیعت لوں گا۔ اشتر نے کہا یا امیر المومنین اسے نہ بھیجیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ اس کی مرضی ان کے ساتھ ہوگی۔ حضرت علیؓ نے کہا اسے چھوڑ دو اور آپ نے ان کے ہاتھ ایک خط حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا جس میں انہیں بتایا کہ انصار و مہاجرین نے ان کی بیعت میں اتفاق کیا ہے اور جنگ جمل کا حال بھی انہیں بتایا اور انہیں اس بات میں شامل ہونے کی دعوت دی جس پر لوگ شامل ہوئے تھے الخ

(البدایہ والنہایہ مترجم دو جلد ہفتم ص ۴۹۸ و عربی ص ۲۵۴)

اور جنگ جمل کے بعد مہاجرین و انصار کا حضرت علیؓ سے بیعت کرنا تو مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے بھی تسلیم کرلیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین و انصار اور اکابر صحابہ نے ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی خلافت تسلیم کرلی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہوگئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔

(خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۷۵ بحوالہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۱۲ مولفہ مولانا سندیلوی)

علاوہ ازیں حافظ ابن کثیر یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ سے اجتناب کرتے رہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: پھر فرات عبور کرنے کے بعد آپ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ان کو اپنے آگے کیا تو ابوالاعور عمرو بن سفیان سلمی نے اہل شام کے ہراول کے ساتھ ان سے مڈبھیڑ کی تو وہ کھڑے ہوگئے اور اہل عراق کے ہر

اوّل کے امیر زیاد بن نے انہیں بیعت کی دعوت دی تو انہوں نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے یہ بات حضرت علیؓ کو لکھی تو حضرت علیؓ نے ان کی طرف اشتر نخعی کو امیر بنا بھیجا جس کے میمنہ پر زیاد اور میسرہ پر شریح امیر تھے اور آپ نے اسے حکم دیا کہ جب تک وہ تمہارے ساتھ جنگ کی پہل نہ کریں۔ ان سے جنگ کرنے میں پہل نہیں کرنی بلکہ بار بار انہیں بیعت کی دعوت دو اور اگر وہ انکار کریں تو ان سے جنگ نہ کرو جب تک کہ وہ تم سے جنگ نہ کریں اور نہ جنگ کے خواہشمند کی طرح ان سے قریب ہو اور نہ مردوں سے ڈرنے والے کی طرح ان سے دور ہو جاؤ بلکہ ان سے مستقل مزاج رہو حتیٰ کہ وہ تیرے پاس آ جائیں الخ (ایضاً ص ۵۰۱ وعربی ص ۲۵۶) اور حضرت علیؓ نے بشیر بن عمرو انصاری، سعید بن قیس ھمدانی اور شیث بن ربعی سہمی کو بلایا اور فرمایا۔ اس شخص (یعنی حضرت معاویہؓ) کے پاس جاؤ اور اسے اطاعت اور جماعت کی طرف دعوت دو اور جو وہ تمہیں کہے اسے سنو۔ پس جب وہ حضرت معاویہؓ کے پاس گئے۔ محمد بن بشیر بن عمرو نے ان سے کہا۔ اے معاویہؓ بلاشبہ دنیا آپ سے الگ ہو جانے والی ہے اور آپ آخرت کی طرف لوٹنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کے عمل کا محاسبہ کرنے والا ہے اور جو کچھ آپ کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اس کا آپ کو بدلہ دینے والا ہے اور میں آپ سے خدا کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس امت کی جمعیت کو پریشان نہ کریں اور اس کی خوں ریزی نہ کریں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا، تم نے اپنے آقا کو اس کی وصیت کیوں نہیں کی؟

اس نے آپ کو جواب دیا۔ بلاشبہ میرے آقا اپنے فضل و دین اور

سابقت وقرابت کی وجہ...... سے اس مخلوق کی امارت کا زیادہ حق دار ہے اور وہ آپ کو اپنی بیعت کی دعوت دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ آپ کی دنیا کے بارے میں آپ کے لیے زیادہ سلامت رَو اور آپ کی آخرت کے بارے میں آپ کے لیے بہتر ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا اور حضرت عثمانؓ کا خون بے قصاص ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ نہیں خدا کی قسم میں یہ کبھی نہیں کروں گا۔ الخ (ایضاً ص ۵۰۴) یہ کیسا ہی اچھا موقع تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعوت بیعت کو قبول کر لیتے۔ خانہ جنگی ختم ہو جاتی۔ قاتلین حضرت عثمانؓ کی سازشیں ناکام ہو جاتیں اور پھر متحدہ طاقت سے سبائیوں کا قلع قمع کر دیا جاتا۔ اور پھر یہ بھی سمجھئے کہ جب میدان جنگ میں فریقین کی فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں، تو ان حالات میں حضرت علیؓ حضرت ذوالنورینؓ کے قاتلین سے کس طرح قصاص لے سکتے تھے۔ بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا حضرت معاوؓیہ کو اس دوسرے پہلو پر نظر نہ تھی کہ بیعت نہ کرنے کا کیا نتیجہ ہوگا اور اگر اس کو خطائے اجتہادی بھی نہ کہا جائے تو پھر امام وقت سے جنگ کرنے کو کس عنوان سے تعبیر کیا جائے گا؟ کاش کہ ابو ریحان صاحب اہل سنت کے متفق علیہ مسلک کو قبول کر لیتے تو ان کو یوں بے سروپا حقائق پیش کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

خلافت مرتضویؓ کے لیے ایک پیشگوئی:

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: جب حضرت علیؓ رقہ آئے تو فرات کے کنارے ایک جگہ اُترے جسے البلیخ کہا جاتا تھا تو ایک راہب اپنے گرجا سے نکل کر آپ کے پاس آیا اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا۔ ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس کے ہم اپنے آباؤ سے وارث ہوئے ہیں اور اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے لکھا ہے کیا میں اسے آپ کے سامنے پیش کروں؟ حضرت علیؓ نے کہا،

ہاں، تو راہب نے اس کتاب کو پڑھا۔ اس رحمٰن ورحیم خدا کے نام کے ساتھ جس نے جو فیصلہ کرنا تھا کیا اور جو لکھنا تھا لکھا۔ وہ اُمیوں میں ان میں سے ایک رسول بھیجنے والا ہے جو ان کو کتاب وحکمت سکھائے گا اور ان کو پاک کرے گا اور خدا کی راہ ان کو دکھائے گا۔ وہ بد خلق اور سخت کلام نہ ہوگا اور نہ بازاروں میں شور مچانے والا ہوگا اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دے گا بلکہ معاف اور درگزر کرے گا اور اس کی امت بہت تعریف کرنے والے لوگ ہوں گے جو ہر بلندی پر اللہ کی تعریف کریں گے اور نشیب وفراز میں ان کی زبانیں تہلیل وتکبیر کے ساتھ رواں ہوں گی اور اللہ پر دشمنی رکھنے والے پر اسے فتح دے گا اور جب اللہ تعالیٰ اس کو وفات دے گا تو اس کی امت میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور وہ مجتمع ہو جائے گی اور جب تک اللہ چاہے گا وہ مجتمع رہے گی۔ پھر اس میں اختلاف پیدا ہو جائے گا پھر اس کی امت کا ایک شخص اس فرات کے کنارے سے گزرے گا اور وہ نہی عن المنکر کرے گا اور حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور فیصلہ میں عاجز نہ ہوگا۔ دنیا اس کے نزدیک راکھ سے بھی حقیر تر ہوگی یا اس نے کہا کہ اس روز کی مٹی سے بھی جس میں تیز ہوا چلتی ہے اور موت اس کے نزدیک پانی پینے سے بھی حقیر تر ہوگی۔ وہ پوشیدگی میں اللہ سے خائف ہوگا اور ظاہر میں خیر خواہی کرے گا اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے خائف نہ ہوگا۔ پس اہل بلاد میں سے جو شخص اس نبی کو پائے وہ اس پر ایمان لائے اور اس کا ثواب میری رضا مندی اور جنت ہوگا۔ اور جو اس صالح آدمی کو پائے وہ اس کی مدد کرے۔ بلاشبہ اس کے ساتھ قتل ہونا شہادت ہے۔ پھر اس نے حضرت علیؓ سے کہا۔ میں آپ کے ساتھ رہوں گا اور آپ سے جدا نہ ہوں گا حتیٰ کہ مجھے بھی وہ مصیبت پہنچے جو آپ کو پہنچی ہے۔ پس حضرت علیؓ رو پڑے پھر فرمایا۔ اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اپنے ہاں بھولا بسرا

نہیں بنایا اور اس خدا کا شکر ہے جس نے اپنے ہاں ابرار کی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ پس راہب آپ کے ساتھ چلا گیا اور مسلمان ہو گیا اور حضرت علیؓ کے ساتھ رہا حتیٰ کہ جنگ صفین کے روز مارا گیا۔ اور جب لوگ اپنے مقتولین کی تلاش میں نکلے تو حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اس راہب کو تلاش کرو تو انہوں نے اس کو مقتول پایا اور جب انہوں نے اسے پالیا تو حضرت علیؓ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اسے دفن کیا اور اس کے لیے بخشش مانگی۔ (ایضاً البدایہ والنہایہ مترجم ص ۵۰۰، عربی ص ۲۵۵)

تبصرہ

یہ پیش گوئی قرآن کی کئی آیات کے مطابق ہے اور سورۃ الفتح میں جو صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا۔ **ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل** (یعنی وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ) صحابہ کرامؓ کی ہی صفتیں توراۃ اور انجیل میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مذکورہ پیشگوئی میں خصوصیت سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کی پیشگوئی ہے جس کی وجہ سے ایک راہب مسلمان ہو گیا اور جنگ صفین میں اس نے شہادت کا مرتبہ پایا۔ حضرت علیؓ کے متعلق اس میں یہ بھی ہے کہ وہ منکرات سے منع کریں گے اور سورۃ الحج کی اس آیت میں بھی خلفائے راشدین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے۔ **وامروا بالمعروف ونھوعن المنکر** (وہ موعودہ خلفاء نیکی کا حکم کریں گے اور منکر سے روکیں گے۔) اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے جو جنگ جمل وصفین کی ہے اس میں آپ کی یہی صفت ظاہر ہوتی ہے۔ گویا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی بیعت نہ کرنا اور آپ سے جنگ کرنا تو منکرات سے تھا لیکن چونکہ حضرت معاویہؓ سے اپنے اجتہاد کی بنا پر اس کا صدور ہوا ہے اس لیے ان کے حق میں یہ صورتاً منکر تھا لیکن حقیقتاً منکر نہ تھا۔

☆☆☆

حافظ ابن کثیر محدث کی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ہفتم کے حوالہ سے حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت اور آپ کی بعض صفات کے متعلق ایک پیشگوئی جو پہلی آسمانی کتابوں میں مذکورہ ہے جس سے بآسانی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ بوجہ خلیفہ موعود ہونے کے مشاجرات صحابہ میں آپ کا اجتہادی موقف حق وصواب تھا اور آپ سے جن صحابہ کرامؓ نے بوجہ اپنے اجتہاد کے جنگ کی ہے ان سے اجتہادی خطا سرزد ہوگئی تھی اور یہی اہلسنت کا متفق علیہ موقف ہے لیکن اس کے برعکس مولانا ابوریحان صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ اس سلسلے میں حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کا موقف برابر کا درجہ رکھتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی بات نہ کر رہے تھے کہ ان کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ موعود وغیرہ ہونے کا ذکر ان کی بغاوت کو ثابت یا ان کی فرضی بغاوت میں کوئی وزن پیدا کر سکتا بلکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات کر رہے تھے اور یہ سب جانتے ہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر اللہ کے مقرر کردہ اور قرآن کے موعودہ خلیفہ تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سے بڑھ کر اللہ کے مقرر کردہ اور قرآن کے موعودہ خلیفہ تھے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اگر اللہ کی دی ہوئی خلافت راشدہ کی عظیم امانت تھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اس سے بڑھ کر اللہ کی دی ہوئی خلافت راشدہ بھی عظیم امانت تھی۔ نیز آئندہ خطرات کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کے تحفظ کے لیے اگر اقدام ضروری تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کی بالفعل پیش آمدہ فساد

وبگاڑ کا تدارک بھی لابدی تھا۔ لہٰذا جو عوامل ومحرکات حضرت علیؓ کے اس اقدام کے تھے وہی عوامل ومحرکات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطالبہ قصاص اور اپنے دفاع کے لے بھی تھے اور جو دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحت کی تھی بعینہٖ وہی دلیل موقف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحت کی بھی تھی۔ جس اصول کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ اقدام کر رہے تھے اسی اصول کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فی الحال بیعت سے رکے ہوئے تھے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس حد تک دونوں بزرگوں کے موقف کی حیثیت قریباً ایک جیسی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس حد تک دونوں بزرگوں میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ خلافت راشدہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہو یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس کے لیے حفاظتی یا تدارکی اقدام کی ضرورت واہمیت کا کسی بھی بزرگ کو انکار نہ تھا۔ اس قدام کی صرف ترتیب میں اختلاف تھا۔ حضرت علیؓ اس اقدام کی ابتداء غیر مبایعین سے کرنا چاہتے تھے جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف اس سلسلے میں یہ تھا کہ اس کی ابتداء سبائی فسادیوں سے کی جائے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ پہلے امر خلافت کو منظم ومستحکم کیا جائے اور وہ موقوف ہے تکمیل بیعت پر لہٰذا پہلے غیر مبایعین سے بیعت لی جائے اور اس وقت تک سبائی مفسدوں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو ڈھیل دی جائے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ امر خلافت کا انتظام واستحکام چونکہ امر خلافت کو مختل کرنے والے سبائی مفسدوں اور سابق خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے میں

ہے لہٰذا پہلے ان سے نمٹا جائے اور اس وقت تک غیر مبایعین کو بیعت سے ڈھیل دی جائے ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے جائز اور معقول مجبوریوں کی وجہ سے سبائی فسادیوں اور قاتلوں کو ایک وقت تک ڈھیل دینا اگر ناجائز نہ تھا تو اپنی معقول معذوریوں کے سبب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک وقت تک ڈھیل مانگنا کیونکر بغاوت ہوسکتا تھا۔" (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۲۳۱ تا ۲۳۳)

الجواب

(۱) ابو ریحان صاحب نے یہاں خلط بحث کردیا ہے کیونکر اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینا ضروری ہے لیکن ابو ریحان صاحب کا یہ کہنا غلط ہے کہ" جو عوامل ومحرکات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کے تھے وہی عوامل ومحرکات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطالبہ قصاص اور اپنے دفاع کے لیے بھی تھے" کیونکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو شہید ہوگئے تھے۔ ان کی خلافت اس وقت بالفعل تو نہیں تھی لیکن اس کے برعکس حضرت علی المرتضی تو بالفعل خلیفہ تھے اور آپ بھی ان کو قرآن کا موعودہ خلیفہ تسلیم کررہے ہیں تو اس وقت تو امام وقت کی خلافت راشدہ کے استحکام کی ضرورت تھی کیونکہ اپنی خلافت مستحکم ہونے کے بعد ہی آپ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بآسانی قصاص لے سکتے تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کی بیعت خلافت کرلیتے اور پھر اس متحدہ طاقت سے قاتلین سے قصاص لے سکتے تھے اور اسی بنا پر حضرت علی المرتضیؓ بار بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کا مطالبہ کرتے رہے اور جنگ کو ٹالتے رہے جیسا کہ البدایہ کے حوالہ سے پہلے یہ معلوم ہوچکا ہے۔

(۲) اور ابو ریحان صاحب کا یہ فرمانا بھی ان کا ایک ریحانی کشیفہ ہے کہ ''وہی عوامل ومحرکات حضرت معاویہؓ کے اپنے دفاع کے لیے بھی تھے۔'' فرمایئے کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت بالفعل خلیفہ تھے کہ ان کو اپنی خلافت کا دفاع ضروری تھا۔ یہ بے جوڑ بات کہاں سے نکال لی۔ اپنا اور اپنی خلافت راشدہ کا دفاع تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ضروری تھا۔ اگر قرآن کے تیسرے خلیفہ موعود حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے لیے اپنی حیات میں اپنی خلافت کا تحفظ ضروری تھا اور اسی لیے آپ نے بلوائیوں کا یہ مطالبہ منظور نہیں کیا کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے لے بھی بیعت خلافت کے بعد اپنی خلافت راشدہ کا تحفظ بہ نسبت قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کے زیادہ ضروری تھا اور اسی بنا پر قاضی ابوبکر بن العربیؒ متوفی ۵۴۳ھ بھی فرماتے ہیں:

''اور یہ جو ان میں جنگ ہوئی تھی وہ تو قطعی معلوم ہے اور اس کا اس سبب سے ہونا بھی معلوم ہے کہ اس معاملہ میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا کیونکہ خون کا مطالبہ کرنے والے کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ خود فیصلہ کرے اور اگر مدعی کو قاضی پر شک ہو تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ اس کے خلاف بغاوت کرے بلکہ حق کا اس سے مطالبہ کرے۔ اگر فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے تو فیہا ورنہ خاموش رہے اور صبر کرے'' (العواصم القواصم اردو ص ۳۲۷ و تمن عربی ص ۱۶۴ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

اور اسی سلسلہ میں قاضی ابوبکرؒ بن العربی لکھتے ہیں:

فتقرر عند علماء المسلمین وثبت بدلیل الدین انّ

علیناً رضی الله عنه کان اماماً و ان کل من خرج علیه باغ الخ (احکام القرآن جلد اربع ص ۱۷۱۸)

اور علمائے اسلام کے نزدیک یہ بات مقرر اور دینی دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی امام تھے اور جس کسی نے بھی آپ کے خلاف خروج کیا ہے باغی تھے۔ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۹۵ و ص ۲۹۲)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت معاویہؓ کے اپنے اپنے مطالبہ میں بھی دونوں کی پوزیشن برابر نہ تھی جیسا کہ ابو ریحان صاحب باور کرا رہے ہیں بلکہ حضرت علی المرتضی کا مطالبہ بیعت حق وصواب تھا اور حضرت معاویہؓ کا مطالبہ صحیح نہ تھا۔

(۳) ابو ریحان صاحب پہلے تو یہ لکھ رہے ہیں کہ" اپنے اپنے مطالبہ میں دونوں حضرات کی حیثیت قریبا برابر تھی" لیکن آگے چل کر حضرت معاویہ کے مطالبہ کو راجح قرار دے رہے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"ہم دونوں حضرات میں سے کسی کی رائے کو غلط کہنے کی جرأت یا حماقت نہیں کر سکتے البتہ اتنی بات تو بالکل واضح ہے جس کی تائید بعد کے حالات نے بھی کر دی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے میں خود انہی کے لیے دوہری مشقت تھی کہ پہلے بیعت لینے کے لیے جدوجہد کرنا تھا اور پھر سبائیوں سے نمٹنا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے میں ان کے لیے اکہری مشقت تھی کہ صرف سبائیوں سے نمٹنا تھا اور بیعت خود بخود ہو جانا تھا الخ (ایضاً سبائی فتنہ ۲۳۳)

الجواب

(۱) ابو ریحان صاحب نے یہاں حضرت معاویہؓ کے مطالبہ کو راجح اور اصح

مان لیا ہے۔

(۲) اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اولاً بیعت کر لیتے تو پھر دوہری مشقت کیوں کرنا پڑتی۔ آخر قصاص سے پہلے بیعت نہ کرنے میں کیا مجبوری تھی جب جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو احق بالخلافۃ بھی تسلیم کرتے تھے۔ یہ باہمی جنگ تک نوبت ہی اس لیے پہنچی کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ تسلیم نہ کیا اور اس کی وجہ سے قصاص لینے میں بھی رکاوٹ پیدا ہو گئی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آخر وقت تک قصاص نہ لے سکے حتیٰ کہ حضرت معاویہؓ بھی اپنے دور خلافت میں باضابطہ قصاص نہ لے سکے تو فرمائیے کیا حضرت علی المرتضیٰؓ کی رائے صحیح نہ تھی۔

(۳) اور یہ جو آپ لکھ رہے ہیں کہ:

> ''ہم دونوں حضرات میں سے کسی کی رائے کو غلط کہنے کی جرأت یا حمایت نہیں کہہ سکتے''

تو سوال یہ ہے کہ کیا آپ ان دونوں حضرات کو معصوم عن الخطاء مانتے ہیں کہ ان میں سے کسی کی رائے غلط نہیں ہو سکتی؟ حالانکہ اہل سنت والجماعت نے حضرت معاویہؓ کی رائے کو اجتہادی غلطی ہی قرار دیا ہے آپ اتنے غالی کیوں بن گئے ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ اس بحث میں ابوریحان صاحب معصوم انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں بھی یہ لکھ رہے ہیں کہ:

> ''مثلاً دیکھئے اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام صغیرہ وکبیرہ ہر قسم کے گناہوں سے <u>معصوم ہیں البتہ زلات (یعنی لغزشوں) کا صدور ان سے سرزد ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی کسی صغیرہ یا کبیرہ</u> کا صدور بھی ان سے ممکن ہے۔ لیکن ایسی حالت میں ان کے اس صغیرہ

یا کبیرہ کو محض اس کی ذاتی نوعیت اور اصل حقیقت کے اعتبار سے صغیرہ یا کبیرہ ہرگز نہ کہیں گے بلکہ نبی کی معصومانہ ومجتہدانہ اور بہر صورت ماجورانہ مخلصانہ حیثیت کے کہیں گے۔ اس کو صرف زلّت ہی یا خلاف اولیٰ جیسا اس سے بھی کوئی ہلکا نام دیں گے۔ اور جہاں تک ممکن ہوگا اس کو ایک جائز اور قابل اجرعمل کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کریں گے نہ کہ ناجائز اور قابل وزرِعمل کی حیثیت ہے" (ایضاً ص ۲۲۹)

الجواب

(۱) لغزش (زلّت) اور ترک اولیٰ تو آپ کہیں گے۔ لیکن آپ کس فعل کو لغزش کہیں گے جب کہ آپ خود یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ "انبیائے کرام علیہم السلام سے صغیرہ اور کبیرہ کا صدور ممکن ہے تو پہلے آپ اُس کو صغیرہ یا کبیرہ کہیں گے تو پھر بوجہ انبیائے کرام علیہم السلام سے صادر ہونے کے آپ اس کو زلّت اور لغزش بتائیں گے اور صغیرہ اور کبیرہ کے الفاظ آپ خود بھی انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

(۲) کاش کہ ابو ریحان صاحب ایسے الفاظ بھی بتلا دیتے جو لغزش اور ترک اولیٰ سے بھی ہلکے ہوں۔

(۳) آپ کا یہ لکھنا کہ "جہاں تک ممکن ہوگا اس کو ایک جائز اور قابل اجرعمل کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کریں گے نہ کہ ناجائز اور قابل وزرعمل کی حیثیت سے" اس میں ہر ممکن کوشش کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تمام اہلِ سنت والجماعت انبیائے کرام علیہم السلام کے کسی عمل کو قابل وزر یعنی گناہ نہیں قرار دیتے۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر قسم کے گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں۔ پھر اس قسم کے الفاظ لکھنے کی ابو ریحان صاحب کو کیا ضرورت پیش آئی ہے

اور میں نے تو بار بار مشاجرات صحابہؓ کے سلسلے میں اس ہر کی تصریح کی ہے کہ اجتہادی خطا بھی حق کے دائرے میں ہوتی ہے۔اس کو باطل اور گناہ نہیں کہہ سکتے بلکہ اجتہادی خطا کے باوجود بھی مجتہد کو حسب حدیث نبوی ایک اجر ملتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ مشاجرات صحابہؓ کے سلسلے میں پھر حضرت علیؓ کے اجتہاد کو لازماً کیوں صحیح قرار دیا جاتا ہے۔کیا وہ معصوم ہیں۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ معصوم عن الخطا نہیں ہیں لیکن جنگ جمل اور جنگ صفین کے سلسلے میں آپ کا اجتہاد صحیح تھا اور اس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ جناب امام غزالیؒ نے فرمایا ہے: ''لم یذھب الی تخطئة علیؓ ذو تحصفل اصلاً (احیاء العلوم جلد اول ص ۱۰۲)

یعنی کسی اہل تحقیق نے یہ نہیں کہا کہ مشاجرات صحابہؓ یعنی جنگ جمل وصفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا کا صدور ہوا تھا۔(ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۱۷، ۳۱۸)

بغاوت کا مبنیٰ: ابوریحان صاحب لکھتے ہیں:

''ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے جائز اور معقول مجبوریوں کی وجہ سے سبائی فسادیوں اور قاتلوں کو ایک وقت تک ڈھیل دینا اگر ناجائز نہ تھا تو اپنی معقول معذوریوں کے سبب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک وقت تک ڈھیل مانگنا کیونکر بغاوت ہوسکتا ہے۔''

(ایضاً سبائی فتنہ ص ۲۳۲)

<u>الجواب</u>

(۱) یہ کس نے لکھا ہے کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک وقت تک

ڈھیل مانگنا بغاوت تھا۔ میں نے تو کسی جگہ بھی یہ نہیں لکھا کہ حضرت معاویہؓ کا مطالبہ قصاص بغاوت تھا یا بیعت میں آپ کا ڈھیل مانگنا بغاوت تھا اور نہ ہی اتنی بات کو کوئی بغاوت کہہ سکتا ہے۔ اور اگر کسی نے کہا ہے تو ثبوت پیش فرمایئے؟ جن صحابہ کرامؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی بیعت میں توقف کیا یا آپ کے ساتھ ہو کر جنگ میں شامل نہیں ہوئے ان کو بھی کسی اہل حق نے باغی نہیں قرار دیا۔ تو پھر ابو ریحان صاحب اس قسم کی تلبیسانہ عبارتیں کیوں لکھتے ہیں۔

(۲) بغاوت کا منعیٰ تو حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ جنگ کرنا ہے اور اس کو حافظ ابن عسقلانیؒ، قاضی ابو بکر بن العربیؒ، امام نوویؒ، حضرت شیخ السید عبد القادر جیلانی قدس سرہ (متوفی ۵۶۱ھ) اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ وغیرہ اکابر اہل حق نے بھی لکھا ہے۔

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

معاویہ را فرمود ان ملکت فاحسن وفرمود کیف بک لوقد قمص اللہ قمیصاً یعنی الخلافۃ قالت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اوانّ اللہ مقوص اخی قال نعم ولکن فیہ ھنات وھنات وھنات داین کلمہ اشارا ست بانکہ خلافت او صغقہ خواہد شد بجہت تسلط نہ حسب بیعت۔ وسیرت او موافق سیرت شیخین نہ باشد وآن خلافت بعد یعنی بر امام وقت باشد لھذا سہ بار لفظ ھنات فرمود ونیز با معاویہؓ فرمود۔ ان ولیت امراً فاتق اللہ وعدل وآن اشارہ بامارت شام وخلافت است جمیعاً الخ

اور معاویہؓ سے فرمایا کہ اگر تو بادشاہ ہو جائے تو نیک کام کرنا اور فرمایا کہ اس وقت تیرا حال کیا ہوگا اگر اللہ نے تجھے قمیص پہنائی۔ اس سے آپ خلافت مراد لے رہے تھے تو (ام المومنین) ام حبیبہؓ نے کہا کہ کیا اللہ میرے بھائی کو قمیص پہنانے والا ہے۔ فرمایا کہ ہاں اور لیکن اس

میں فسادات ہوں گے اور فسادات اور فسادات۔ اور اس کلمہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی خلافت تسلط کے ذریعے سے مسلط ہوگئی۔ بیعت کے ذریعے سے نہ ہوگی اور ان کی سیرت شیخین (یعنی ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ) کی سیرت کے موافق نہ ہوگی اور وہ خلافت امام وقت کی بغاوت کے بعد منعقد ہوگی اسی لیے آپ نے تین مرتبہ لفظ ھنات (فسادات) فرمایا اور نیز معاویہؓ سے فرمایا اگر تو والی امر بن جائے تو اللہ سے ڈر اور انصاف کر اور یہ اشارہ امارت شام اور خلافت دونوں کی طرف ہے۔ (ازالۃ الخفاء مترجم اردو حصہ دوم ص ۳۷۸)

یہاں امام المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حدیث نبویؐ سے یہ استنباط کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ امام وقت حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف بغاوت کریں گے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ...... تو حدیث نبویؐ سے حضرت معاویہؓ کی بغاوت ثابت کر رہیں لیکن مولانا ابو ریحان بغاوت کا لفظ بھی سننا نہیں چاہتے، حالانکہ جہاں محققین اہل سنت نے حضرت معاویہؓ کے لئے بغاوت کا لفظ لکھا ہے وہاں میں نے یہ توجیہ بھی پیش کردی ہے کہ چونکہ حضرت معاویہؓ مجتہد ہیں اور آپ نے اپنے اجتہاد کی بنا پر حضرت علی المرتضیٰؓ سے جنگ لڑی ہے۔ اس لیے یہ صورتاً بغاوت ہے نہ کہ حقیقتاً۔ اور کیا ابو ریحان صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ قرآن حکیم کی سورۃ الحجرات میں باہمی جنگ کرنے والے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کو باغی قرار دیا ہے۔ پھر ابو ریحان صاحب اس لفظ باغی یا بغاوت سے اتنے کیوں الرجک ہیں۔ انشاء اللہ مذکورہ آیت بغاوت کے متعلق بھی آئندہ کسی موقع پر عرض کیا جائے گا۔

ایک اور غلط بیانی:

ابو ریحان صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی داستان بغاوت بیان کرتے ہوئے تیسری دفعہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے یہ ذکر فرمائی ہے کہ: خلیفہ موعود کے انتخاب کو ہنگامی عبوری قرار دیتے ہوئے مطالبہ کیا کہ حضرت علیؓ خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور دوبارہ انتخابات کرائے جائیں یعنی حضرت قاضی صاحب کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی اس لیے بھی ہیں کہ انہوں نے خلیفہ موعود کے انتخاب کو ہنگامی، عبوری اور عارضی قرار دیتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور انتخاب دوبارہ کرائیں'' الخ (سبائی فتنہ حصہ اول ص ۲۱۸)

الجواب

جھوٹ بالکل جھوٹ میں نے کسی جگہ بھی یہ نہیں لکھا کہ دوبارہ انتخاب کا مطالبہ کرنے کی وجہ سے حضرت معاویہؓ باغی تھے جس طرح مطالبہ قصاص بغاوت نہیں اسی طرح دوبارہ انتخاب کا مطالبہ۔

(۲)　خارجی فتنہ حصہ اول میں میری بحث مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے پیش کردہ نظریات سے متعلق ہے۔ مولانا سندیلوی نے اپنی کتاب ''اظہار حقیقت'' جلد دوم میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے دوبارہ انتخاب کرانے کے مطالبہ کو جائز قرار دیا تھا اور اس کے بعد انہوں نے اپنے رسالہ ''جوابِ شافی'' میں یہ بھی تسلیم کر لیا کہ: حضرت علیؓ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق ہے یعنی حضرات خلفاء ثلثہ کی خلافتوں کی طرح حضرت علیؓ کی خلافت بھی وہی خلافت تھی جس کا وعدہ آیت استخلاف میں فرمایا گیا ہے اور آں محترم کی

خلافت بھی اللہ تعالیٰ کی مرضیہ اور پسندیدہ خلافت تھی جیسا کہ آیت تمکین سے سمجھ میں آتا ہے" الخ (جواب شافی ص۱۰)

مولانا سندیلوی کے مذکورہ اقرار کی بنا پر میں نے ان پر اعتراض کیا تھا کہ جب آپ حضرت علیؓ کی خلافت کو بھی مثل خلافت خلفاء ثلثہؓ قرآن کی موعودہ اور اللہ تعالیٰ کی مرضیہ اور پسندیدہ خلافت تسلیم کرتے ہیں۔ تو پھر آپ حضرت علیؓ کی خلافت کے لیے دوبارہ انتخاب کے مطالبہ کو کیونکر جائز قرار دے سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں مولانا سندیلوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے۔" (اظہار حقیقت حصہ دوم ص۴۴۲)

میں نے مولانا سندیلوی کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ": جو شخص فہم و دیانت سے حضرت علی المرتضیٰ کو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق بطور پیشگوئی کے چوتھا خلیفہ راشد مانتا ہے وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ: اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے" کیا سندیلوی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ دوبارہ انتخاب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں پورا نہ کر سکتا؟ ہم کہتے ہیں کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا تو اللہ تعالیٰ خود ہی اپنی قدرت سے حضرت علیؓ کو کامیاب کرتا۔ لیکن دوبارہ انتخاب اللہ تعالیٰ کو منظور ہی نہ تھا کیونکہ حضرت علیؓ کا پہلا انتخاب ہی وعدہ خداوندی کے تحت بالکل صحیح اور مستقل تھا اور اگر دوبارہ انتخاب ہونے کی صورت میں حضرت علیؓ کامیاب ہوتے تو یہ احتمال پایا جاتا کہ اس سے پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ مستقل اور موعودہ خلیفہ نہ تھے۔ دوبارہ انتخاب کے بعد

آپ کو یہ منصب عطا ہوا ہے۔ لیکن یہ اعتراض حضرت معاویہؓ پر نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے آیت استخلاف اور آیت تمکین کے خلاف کیوں کیا۔ اس لیے کہ اس وقت یقینی طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ ان آیات کا مصداق حضرت علی المرتضیٰؓ ہی ہیں اور اسی بنیاد پر اہلسنت والجماعت کا بعد میں اجماع ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ چاروں خلفاء بالترتیب قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین ہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ نے اسی اجماعی عقیدے کا اظہار آیت استخلاف کی تشریح کرتے ہوئے ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

> ''اس سے یہ ثابت ہوا کہ تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالہ خوف اور تبدیلی امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہی چار یار کے لیے تھا۔'' (ہدیۃ الشیعہ طبع قدیم ص ۵۶ طبع جدید ص ۷۵)

محققین اہل سنت تو مسئلہ خلافت اور مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا حل کتاب اللہ کی روشنی میں اصولی طور پر کرتے ہیں لیکن سندیلوی صاحب اپنے اوہام و وساوس کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں ورنہ یہ کہنے کی جسارت نہ کرتے کہ:

> ''اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علیؓ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے الخ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۴۷ تا ۲۴۹)

مقام غور

کیا میری منقولہ عبارت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باغی ہونے پر کوئی اشارہ بھی پایا جاتا ہے۔ میں نے آیت استخلاف اور آیت تمکین کی روشنی میں

مولانا سندیلوی کو لاجواب کیا ہے کہ جب آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مثل سابق تین خلفائے راشدین کے قرآن کا موعودہ خلیفہ تسلیم کرتے ہیں تو پھر آپ خلافت کے لئے دوبارہ انتخاب کو جائز اور اس کے نتیجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات کو برابر کیونکر قرار دے سکتے ہیں؟

(۲) میں نے تو منقولہ عبارت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفاع کیا ہے کیونکہ قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کی حقیقت سے ناواقف لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہیں اور شیعہ بھی یہ الزام دے سکتے ہیں کہ جب حضرت علی المرتضیٰؓ آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت موعودہ خلیفہ راشد ہیں تو پھر حضرت معاویہؓ نے دوبارہ انتخاب کا مطالبہ کیوں کیا اور آپ کی خلافت کیوں تسلیم نہ کی اور قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد کے ساتھ جنگ کیوں لڑی تو اس کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے میں نے لکھا ہے کہ:

''اس وقت یقینی طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ ان آیات کا مصداق حضرت علی المرتضیٰؓ ہی ہیں الخ کیونکہ ان آیات میں بطور پیشگوئی یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے اور خصوصاً مہاجرین اولین میں سے بعض حضرات کو خلیفہ بنایا جائے گا۔ علمی اصطلاح میں اس کو اقتضاء النص کہتے ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یہ احتمال ہوسکتا تھا کہ ان کے علاوہ شاید مہاجرین اولین میں سے کوئی اور صحابی ان آیات کا مصداق ہوں لیکن حضرت علی المرتضیٰؓ کی وفات کے بعد وہ احتمال باقی نہ رہا اور سب کو یقین ہوگیا کہ مہاجرین اولین میں سے قرآن کے چوتھے موعود خلیفہ راشد حضرت علیؓ ہی تھے رضی اللہ عنہ۔

(۲) شیعہ علماء بھی یہی اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر پہلے تین خلفاء راشدین اور خصوصاً حضرت ابوبکر صدیقؓ اگر آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق تھے تو

پھر سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار اور مہاجرین نے خلافت کے سلسلے میں باہمی مشورہ کیوں کیا اور پھر اختلاف رائے بھی کیوں ہوا؟ تو ان کے جواب میں ہم یہی کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں خلیفہ بنانے کا ایک وعدہ تھا۔ نام بنام کسی کو خلیفہ بنانے کا اعلان نہ تھا۔ جب مہاجرین اولین میں سے صرف وہی اصحاب ثلثہؓ منصب خلافت پر متمکن رہے۔ اس لئے ان کی وفات کے بعد اہلِ السنّت والجماعت کا اس عقیدہ پر اجماع ہو گیا کہ یہی پہلے تین خلفاء قرآن کے موعودہ خلیفہ ہیں اور یہی استدلال حضرت علی المرتضیٰؓ کے موعودہ خلیفہ راشد کے ہونے کے لیے بھی ہے اور مولانا محمد اسحٰق سندیلوی نے بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کے بارے میں اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ اور انہوں نے یہاں تک تسلیم کر لیا ہے کہ ''مگر جب جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین و انصار اور اکابر صحابہؓ نے ان کی خلافت تسلیم کر لی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہو گئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔ ان کا نقطہ نظر بھی اپنی جگہ صحیح تھا۔ اس پر بھی شرعاً کسی اعتراض کی گنجائش نہیں (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۴۱۔ بحوالہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۱۲)

(۳) اسی بحث میں میں نے دوسرے مقامات میں بھی حضرت معاویہؓ کی طرف سے دفاع کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ ''یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرامؓ آپس میں اس قسم کے اختلاف کا حق رکھتے تھے لیکن یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت تو قطعی طور پر معلوم نہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ ہی قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد ہیں۔ فرمایئے اگر حضرت معاویہؓ کو اس وقت یہ یقین ہو جاتا تو کیا پھر بھی وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے معزول ہونے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ ہرگز نہیں، وہ معذور تھے لیکن اب جب ہمیں یہ یقین حاصل ہے اور بقول مولانا سندیلوی حضرت علیؓ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنا ہمارے لیے عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی بنا پر امام غزالیؒ بھی خلفاء

اربعہ کا بالترتیب امام حق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ احیاء العلوم جلد دوم کی عبارت کتاب "ہذا ص ۳۲۱ پر پیش کی جا چکی ہے تو اب زیر بحث مسئلہ میں اہل السنّت والجماعت کا یہی موقف صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس وقت حضرت امیر معاویہؓ سے خلیفہ راشدہ موعود کے ساتھ جنگ وقتال کرنے میں خطا ہو گئی تھی۔ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہ تنقیص ہے اور نہ بے ادبی۔

(خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۳۲)

لیکن منقولہ بالا تصریحات کے باوجود بھی ابو ریحان صاحب یہی رٹ لگا رہے ہیں کہ میں نے دوبارہ انتخاب کے مطالبہ کی وجہ سے حضرت معاویہؓ کو باغی قرار دیا ہے (العیاذ باللہ) کیا ان کا یہ بیان علم و دیانت پر مبنی ہے......؟

☆☆☆